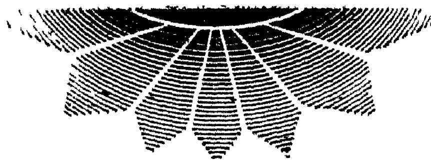

فہرست



# مقدمہ

## طبع ثانی

الحمد لله وحده - چار مہینے ہوئے ' یہ رسالہ خطبۂ صدارت کی صورت میں شائع ہوا تھا - اب مزید تہذیب و ترتیب اور اضافۂ فصول و مطالب کے ساتھہ بار دوم شائع کیا جاتا ہے -

پچھلے ایڈیشن سے تقریباً ایک ثلث مطالب اس میں زیادہ ہیں - وہ تقریر کی شکل میں تھا - اس لیے ابواب و فصول منضبط نہ تھے - اب یہ کمی پوری کردی گئی ہے -

اس ایڈیشن کے حسب ذیل اضافات خصوصیت کے ساتھہ قابل ذکر ہیں :

( ۱ ) آیۂ کریمہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں تحقیق معنی " اولی الامر " جسکی طرف پہلے سرسری اشارہ کیا گیا تھا -

( ۲ ) شرح حدیث حارث اشعری مندرجۂ مسند و ترمذی ' اور نظام و قوام جماعت -

( ۳ ) اشتراط قرشیۃ کا مبحث اب بالکل مکمل و مختتم کردیا گیا ہے - حتی الوسع مسئلہ کا کوئی ضروری پہلو بحث و نظر سے باقی نہیں رہا - پہلے ایڈیشن میں حدیث امامۃ قریش کے بعض طرق و سلاسل غیر ضروری سمجھکر چھوڑ دیے تھے ' لیکن اب اُن پر بھی نظر ڈال لی ہے ' تاکہ بحث بالکل مکمل ہوجاے - دعوئے اجماع پر بھی بعض نئے مباحث ملینگے جو پہلے ایڈیشن میں نہ تھے - امید ہے کہ اصحاب نظر و بصیرۃ کے لیے یہ حصہ خاص طور پر موجب انشراح خاطر ' و رفع اضطراب ' و دفع شکوک و ارتیاب ہوگا -

( ۴ ) مسئلۂ " حمل سلاح علی المسلم " کی طرف پہلے سرسری طور پر اشارہ کردیا تھا - اب ایک مستقل باب بڑھا دیا ہے ' اور اصولی طور پر

( ۵ ) حکم دفاع کا حصہ بھی پہلے سے زیادہ مشرح و مکمل ہے -

مسئلۂ خلافت تاریخ اسلام کے اُن نہایت نازک اور مزلۂ اقدام مسائل میں سے ہے جو میدان تقاتل و تزاحم سے کہیں زیادہ صفحات کتب اور مجالس بحث و نظر میں معرکۃ الارا رہچکے ہیں ' اور بعض اندرونی فرق و طوائف کی نزاعات اور مختلف عہدوں کے پولیٹکل اثرات کی آمیزش و احاطہ نے مسئلہ کی صاف و سہل الفہم صورت کو طرح طرح کی مشکلوں اور پیچیدگیوں سے غبار آلود کردیا ہے - علی الخصوص نصوص سنت کی تشریح ' بے شمار اور بظاہر مختلف احادیث کی تطبیق و توفیق ' انکے فقہ و حکم کی معرفت و تحقیق ' اور ہر حکم کو اُسکے صحیح محل پر وارد و محمول کردینے کا معاملہ نہایت غور و فکر اور وسعت نظر و رسوخ علم کا محتاج ہے - فکر کی ذرا سی لغزش اور نظر کی تھوڑی سی کوتاہی بھی نہایت سخت غلطیوں کا موجب ہو جاسکتی ہے -

با ایں ہمہ مسئلہ کی تمام مشکلات جس طرح حل ہوگئی ہیں ' اور ضمناً جابجا متعدد اصولی مسائل و مباحث کی نزاعات قدیمہ کا جسطرح کلی خاتمہ کردیا گیا ہے ' اُسکا اندازہ صرف وہی اصحاب علم و بصیرة کرسکتے ہیں جنکو بحث و نظر کی اِن وادیوں میں قدم رکھنے کا اتفاق ہوا ہے' اور جو ان مسائل کو اُنکے اصلی مصادر و موارد اور متداول کتب قوم میں دیکھہ چکے ہیں ' اور مشکلات کار کے اندازہ شناس ہیں - و قلیل ما ہم -

معہذا اختصار مانع تشریح و تفصیل رہا ' اور اکثر مقامات میں اسطرح اشارات کرنے پڑے ' گویا مخاطبین کی نظر و معلومات بطور مقدمہ کے فرض کرلی ہے - بدقسمتی سے یہ مقدمہ محل نظر ہے ' مگر بغیر اسکے چارہ بھی نہ تھا - افسوس کہ ان مباحث کی نسبت خود مدعیان علم پر بھی عام طور پر واعظانہ و خطیبانہ رنگ غالب ہے - نظر و تحقیق سے ذوق رکھنے والے ناپید ہیں - اور ہمارے حصہ میں ایک ایسا عہد آیا ہے کہ اگر اس سے بھی زیادہ خیرہ مذاقی و کم نظری کا ماتم پیش آ جاے تو گلہ مند نہ ہونا چاہیے :

کم اردنا ذاک الزمان بمدح

فشغلنا بذم ھذ الزمان !

البتہ اس رسالہ کے طبع اول کی اشاعت سے مسئلہ کے تسلیم و اعتراف کا جو اقبال عام طور پر ظہور میں آیا - علی الخصوص طبقۂ علماء کرام

میں - اس کے لیے توفیق الہی کا شکر گذار ہوں - بے شمار اصحاب ہے جن میں ایک بڑی تعداد علماء کی ہے ' مولف کو مطلع کیا ہے کہ مسئلۂ خلافہ کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات عارض تھے ' مگر اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد وہ پوری طرح مطمئن ہوگئے - واللہ یہدی من یشاء الی سواء السبیل -

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مولف نے گذشتہ فروری کے اجلاس خلافت کانفرنس بنگال میں جب اس رسالہ کے مطالب پر تقریر کی ' تو بیان کیا تھا کہ اگر موجودہ حالات میں تبدیلی نہ ہوئی تو مسلمانوں کیلیے ضروری ہوجائیگا کہ اس حکم شرعی پر عمل پیرا ہو جائیں جسکو مولف " ترک موالات " کے نام سے موسوم کرتا ہے - پھر اس کی تشریح بھی کردی تھی ' اور بتلایا تھا کہ از روے نص قرآنی مسلمانوں کا اولین عمل فریق محارب کے مقابلے میں یہی ہونا چاہیے -

اگرچہ اس وقت بجز مہاتما گاندھی جی کے تمام ارباب کار نے اس مسئلہ سے سرد مہری برتی اور طرح طرح کے عذرات پیش ہوتے رہے ' تاہم حکم قرآنی کی الہامی و ربانی صداقت بالآخر فتح یاب ہوئی ' اور رفتہ رفتہ تمام اصحاب کار کو طوعاً و کرہاً اس پر متفق ہو جانا پڑا :

اندک اندک عشق در کار آورد بیگانہ را

اب ملک کی سیاسی جماعتیں بھی اس اعتراف میں ہمارے ساتھ شریک ہیں ' اور یقین کرتی ہیں کہ ملک کی نجات کیلیے اسکے سوا کوئی راہ نہیں - یہ یقیناً کار فرماے غیب ہی کی کارسازی ہے کہ اسنے ملک کی ایک راست باز غیر مسلم ہستی یعنی مہاتما گاندھی جی کے صداقت اندیش دل کو بھی خود بخود اس حقیقت کے علم و فہم کیلیے کھول دیا ' اور انہوں نے بھی چارۂ کار دیکھا تو وہی تھا جو تیرہ سو برس پہلے مسلمانوں کو بتلادیا گیا ہے -

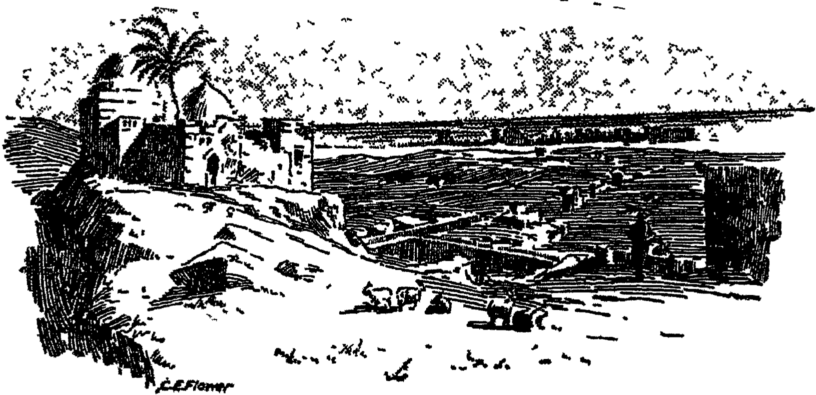
۲۰ - جنوری سنہ ۲۰ - کو جب دہلی میں خلافت ڈیپوٹیشن کی ایک صحبت مشورۃ منعقد ہوئی اور سب سے پہلی مرتبہ " نان کواپریشن " کی تجویز بحث میں آئی ' تو اسوقت صرف مسٹر گاندھی اور مولف رسالہ ہی کے دل و زبان پر تھی - باقی یا متردد تھے یا مخالف - لیکن

الحمد للہ کہ آج ملک کے تمام مسلم و غیر مسلم ارباب عمل و صفا کا متفقہ اعلان یہی ہے !

یہاں یہ ظاہر کردینا بھی ضروری ہے کہ اس رسالہ میں مسلمانان ہند کے فرائض و اعمال کی نسبت جو کچھہ بصبغۂ استقبال لکھا گیا تھا ' وہ اشاعت کے بعد حال کے حکم میں آگیا ہے - موجودہ صورت حال یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں پر کیا کیا فرائض عائد ہوجائینگے ؟ بلکہ یہ ہے کہ جو کچھہ عائد ہونا تھا ہوچکا - اب سوال جستجوے احکام کا نہیں ہے - اداء فرض کا درپیش ہے - رسالہ کے آخری ابواب میں مختصراً اس طرف اشارات کیے گیے ہیں - تفصیل دوسرے حصہ میں ملیگی جو " ترک موالات " کے نام سے ( مع مفصل طریق عمل و ترتیب کار ) خلافت کمیٹی کی جانب سے شائع ہونے والا ہے اور جسکو آجکل قلمبند کر رہا ہوں - فان اعش ' فسأ بینھا لکم ' و إن امت ' فما انا بصاحبکم بحریص - والحمد للہ اولاً و آخراً -

۹ - محرم سنہ ۱۳۳۹ — احمد

( پنجاب میل - اسٹیشن کانپور ) — کان اللـــہ لہ



# مقدمہ

## ( طبع اول )

مسئلۂ خلافت و بلاد مقدسہ کی نسبت مسلمانوں کے مطالبات کی تمام تر بنیاد احکام شرعیہ پر ہے - اسلیے سب سے مقدم کام نہ تھا کہ ایک مبسوط تحریر اس موضوع پر شائع کی جاتی' جسمیں تمام احکام شرعیہ کی پوری طرح شرح و تحقیق ہوتی ' اور جسقدر شبہات اس بارے میں پیدا ہو سکتے ہیں ' اُن سب کا کماحقہ ازالہ کردیا جاتا۔

یہ رسالہ اسی غرض سے شائع کیا جاتا ہے -

۲۸ - ۲۹ - فروری سنہ ۲۰ کو بنگال خلافت کانفرنس کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا - اس اجلاس کیلیے مولانا ابوالکلام نے یہ رسالہ بطور خطبۂ صدارت کے صفحۂ ۹۱ - تک لکھا تھا - بعد کو بقیہ مباحث بھی انہوں نے بڑھا دیے تا کہ اس موضوع پر ایک مکمل تحریر مرتب ہوجاے - جلسہ میں مولانا نے اپنی عادت کے مطابق محض زبانی تقریر کی تھی ' اور اسی کے ضمن میں احکام و دلائل کا خلاصہ بھی آگیا تھا - چنانچہ تمہید اور خاتمہ کا حصہ وہی ہے جو اس زبانی تقریر سے قلمبند کیا گیا تھا - البتہ تحریر سے بعض ایسے حصے نکالدیے گئے ' جو مسئلہ کے سیاسی و ملکی پہلو سے تعلق رکھتے تھے - مثلاً ہندو مسلمانوں کا اتحاد ' اور دنیا کا مستقبل عالمگیر امن - تا کہ یہ رسالہ صرف احکام شرعیہ کی بحث و تحقیق کیلیے خاص ہوجاے' اور اُن مباحث کو علحدہ رسالوں کی شکل میں شائع کیا جاے -

اس رسالہ کی اشاعت سے تبلیغ و اشاعت کا پہلا کام انجام پا گیا - یعنے مسئلہ پرشرح و بسط کے ساتھہ ایک مکمل بحث ہوگئی جسکا خطاب زیادہ تر حضرات علماء سے ہے -

نیز ایک ایسا جامع رسالہ طیار ہوگیا ' جسمیں مسئلہ کا تمام ضروری مواد موجود ہے - اب جو ارباب قلم اور کارکنان مجالس خلافت تبلیغ و اشاعت کیلیے مضامین شائع کرنا چاہیں ' وہ اس مواد کو پیش نظر رکھکر مختلف پیرایوں اور شکلوں میں متعدد رسالے مرتب کرلے سکتے ہیں -

کلکتہ — محمد اکرم خان
مئی سنہ ۱۹۲۰ع — آنریری سکریٹری خلافت کمیٹی بنگال -



# بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ - و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا - من یہدی اللہ فلا مضل لہ ، و من یضللہ فلا ہادی لہ - و نشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ - ونشہد ان سیدنا محمد عبدہ و رسولہ - صلی اللہ علیہ و علی الہ و اصحابہ وسلم -



برادران و بزرگان ملک و ملت !

آپکے صوبے کی یہ پہلی خلافت کانفرنس ہے جسکی صدارت کی عزت مجھے دی گئی ہے - آپکی کمیٹی کے معزز ارکان میں سے ہر رکن یقینا اس بات سے واقف ہوگا کہ اس قسم کی رئیسانہ اور رسمی حیثیت کا اختیار کرنا میری زندگی میں سب سے پہلا واقعہ ہے ، اور اُس طریق عمل سے مجھے روگردان و منحرف ثابت کرتا ہے جس پر نہایت اصرار کے ساتھ قائم رہنے کی ہمیشہ کوشش کرتا رہا ہوں - سنہ ١٩١١ع میں جبکہ میری موجودہ پبلک زندگی کا بالکل ابتدائی عہد تھا ، مجھے موقعہ ملا کہ اپنی آئندہ زندگی کیلیے ایک " مذہب عمل " قرار دے لوں - خدمت ملک و ملت کے دشت ناپیدا کنار کی طرف قدم اُٹھاتے ہوے اصول عمل کی مختلف راہیں میرے سامنے تھیں ، اور میں چاہتا تھا کہ میرا سفر اُس دانشمند مسافر کی طرح ہو جس نے سفر سے پہلے راہ و منزل کے سارے مرحلوں پر غور کرلیا ہے - اُس طوفانی کشتی کی طرح نہو جس نے ہوا کے جھونکوں اور سمندر کی موجوں پر اپنے سفر کا رخ اور کنارے کی جستجو چھوڑ دی ہے - اُسوقت اپنے مذہب عمل کی نسبت جن اصولی مسائل کا میں نے قطعی فیصلہ کرلیا تھا ، اُن میں ایک خاص مسئلہ یہ بھی تھا کہ اپنی زندگی کے ہر حصہ میں ہمیشہ مجلسوں کی صدارت ، انجمنوں کے عہدوں ، اور اسی طرح کے تمام رئیسانہ اور رسمی منصبوں سے یکقلم کنارہ کش رہونگا -

یہ فیصلہ در اصل میرے ایک بنیادی اور دینی اعتقاد کا قدرتی نتیجہ تھا - میں نے اپنے لیے جو راہ عمل منتخب کی تھی ، وہ دعوۃ و تبلیغ کی

راہ بھی - موجودہ زمانے کی مصنوعی پرکشش کی زندگی - میرے سامنے اتباع و اقتدا کیلیے نوع انسانی کے اُن مخصوص افراد کا نمونہ تھا جو دنیا میں خدا کے رسولوں اور پیغمبروں کے نام سے ذکر کئے گئے ہیں ، اور جنکے طریق عمل کو اسلام کی اصطلاح میں " حکمت " اور " سنۃ " کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے - میں اپنی زندگی کا نمونہ ابراہیم و محمد ( علیہما الصلوۃ و السلام ) کے زمانہ حالوں میں ڈھونڈنے کیلیے مضطر تھا - گریبالڈی ، میزینی ، یا گلیڈ اسٹن اور پارنل بننے کا شوق میرے اندر نہ تھا - بس یہ دو ضروری تھا کہ میرا وجود کسی گوشۂ عزلت و تنہائی میں خدمت و محبت کا ایک غیر دلچسپ منظر ہوتا ، یا انسانوں کے کسی ہجوم میں ایک پکارنے والے کی بے درد پکار - لیکن یہ بالکل ناممکن تھا کہ بیسویں صدی کے فراموش کردہ عہد نبوۃ و مذاہب کا ایک دلدادہ ، انجمنوں کا عہدہ دار اور مجلسوں کا باقاعدہ پریسیڈنٹ ہو - خدا کے رسولوں کا طریق خدمت و دعوۃ ، اور بیسویں صدی کے لیڈروں کا طریق ریاست و حکومت ، ایک زندگی میں جمع نہیں ہوسکتے !

حضرات ! مذہب عمل کے اس بنیادی اعتقاد نے میرے لیے قدم قدم پر مشکلات پیدا کردیں - باوجود کارکن رفیقوں کی موجودگی کے مجھے ہمیشہ اپنی راہ میں صحرا کے درخت کی طرح بے مونس و رفیق اور صرف اپنے سایہ ہی پر قانع رہنا پڑا - یہ مدنیۃ زار عالم جو اپنے ہر گوشہ میں معیدوں اور رفاقتوں کے راحت افزا جلوؤں سے معمور ہے ، میرے لیے ہمیشہ سمندر رہی یا ایک صحرائے ریگ زار ، لیکن کبھی ایک آبادی اور بستی کا اُس نے کام نہیں دیا ، اور نہ کبھی میں اپنے تئیں اس قابل بنا سکا کہ اُسکی رفاقتوں کا ساتھہ دے سکوں - تاہم آپ حضرات کیلیے یہ عرض کرنا ضروری نہیں ہے کہ جہاں تک ایک ناچیز انسانی ہستی ارادہ کے ساتھہ عمل کو جمع کرسکتی ہے ، میں اپنے اصولوں پر قائم رہنے کیلیے ہمشیہ سخت رہا ہوں ، اور موجودہ زمانے کی لیڈر شپ کی دلفریب سے دلفریب نمائشیں اور ابناء عصر کی رفاقت و معیت کی صبر آزما دلچسپیاں بھی کبھی اس بارے میں میرے لیے موثر نہیں ہوئی ہیں -

اسی بنا پر جب آپکے لائق اور سرگرم سکریٹری کا تار مجھے بنارس میں ملا اور انہوں نے لکھا کہ کانفرنس کی صدارت تم کو منظور کرلینی چاہیے تو میں نے اداء تشکر و امتنان کے بعد اپنے آپکو اس سے معذور ظاہر کیا تھا ،

لیکن جب میں کلکتہ پہنچا اور اس بارے میں زبانی گفتگو ہوئی تو کچھ عرصہ کی رد و کد کے بعد میں نے منظور کرلیا - میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ یقیناً اپنے دستور العمل سے ایک کھلا انحراف ہے ' لیکن آپ یقین کیجیے کہ اس انحراف کیلیے جس چیز نے مجھے مجبور کیا ' اسکی حفاظت بھی میرے لیے تمام اصولوں اور قاعدوں سے زیادہ ضروری تھی - اصول مقاصد کیلیے ہیں - مقاصد اصول کیلیے نہیں ہیں - پس دنیا کے اس سچے اور قدرتی قانون کی بنا پر کہ ہر بڑی چیز کیلیے چھوٹی چیز کو اور ہمیشہ مقاصد کیلیے وسائل کو قربان کر دینا چاہیے ' میں طیار ہوگیا کہ مقصد کی راہ میں مقصد کے ایک وسیلے یعنی اپنے طریق عمل کو خیر باد کہدوں ' اور اس مجلس کی صدارت منظور کرنے سے انکار نہ کروں -

حضرات ! میں چاہتا ہوں کہ نہایت صفائی کے ساتھہ بے پردہ وہ اصلی سبب بھی عرض کردوں جس نے مجھے یکایک اپنے طریق عمل کے برخلاف اس بات کیلیے آمادہ کردیا - آپ کو معلوم ہے کہ مجھے نظر بندی کے گوشۂ قید و عزلت سے نکلے ہوے بمشکل ابھی پورے دو مہینے ہوے ہونگے - لیکن اس تھوڑے عرصے کے اندر ھي میں نے پوری طرح اندازہ کرلیا ہے کہ موجودہ اسلامی و ملکي مسائل کی نسبت کام کرنے والوں کے طریق عمل کا کیا حال ہے ؟ مجھے صاف صاف عرض کردینا پڑتا ہے کہ ملک کے کار فرما طبقہ کی نسبت اب سے سات سال پہلے جو رائیں میں نے قائم کي تھیں ' اور جنکي وجہ سے بسا اوقات نہایت قیمتی اور محبوب رفاقتوں سے بھی دست بردار ہو جانا پڑتا تھا ' بدقسمتی سے ابتک اُن میں تبدیلی کا وقت نہیں آیا ہے -

متضاد مناظر کا کچھہ عجیب عالم ہے جسکو اپنے چاروں طرف پاتا ہوں - ایک طرف ملک کی عام پبلک ہے ' اور سورج کی روشنی کي طرح بالکل یقینی صورت میں دیکھہ رہا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر حالت میں وہ کسی صحیح راہ عمل پر چل کھڑے ہونے کیلیے منتظر و مستعد ہے - دوسري طرف کام کرنے والوں کي جماعت ہے ' اور جس جس پہلو سے دیکھتا ہوں ' اسپر ابتک وھی تذبذب و اضطراب اور تزلزل و انتشار کا عالم طاري نظر آتا ہے جو تمام پچھلے دوروں میں طاري رہ چکا ہے - ابتک مقاصد سے اعراض ہے اور وسائل میں انہماک - ابتک حقیقي مصلحت

بینی ' اور حیلہ جوئی و بہانہ سازی میں امتیاز کی راہ مسدود ہے ' اور عزم و یقین کی جگہ ظن و شک اور خوف و ہراس کی حکومت قائم ہے - زبانوں کی لکنت گو دور ہو چکی ' اور شاید چہروں کا ہراس بھی جاتا رہا لیکن دلوں کی دہشت بدستور باقی ہے ' اور ایمان کی کمزوری نے ابتک روحوں کا ساتھہ نہیں چھوڑا ہے - زبانیں جسقدر تیز ہیں ' قدم میں اتنی تیزی نہیں ہے - اور اعلان جسقدر بلند آہنگی اور رعد آسائی رکھتا ہے ' عمل میں اسقدر بلند پیمائی نظر نہیں آتی - بندھن گو ٹوٹ چکے ' اور شاید خفتگان بستر غفلت کروٹیں بھی بدل چکے ' لیکن آنکھوں میں خمار بدستور باقی ہے ' اور دھواں بڑھتا جاتا ہے لیکن شعلوں کی چمک کہیں نظر نہیں آتی - اگرچہ خدا کے مقدس نام کی تقدیس سے اب کوئی زبان نا آشنا نہیں رہی ' لیکن دلوں میں خدا کے ساتھہ انسانوں کا ڈر اور ایمان کے ساتھہ نفس کا عشق بھی باقی ہے : ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا ( ۴ : ۱۴۹ ) اور چاہتے ہیں کہ ان دونوں راہوں کے بیچ بیچ کوئی تیسری راہ اختیار کریں - حالانکہ تیسری راہ اس آسمان کے نیچے کوئی نہیں - راہیں صرف دو ہی ہیں - فمن شاء فلیؤمن ' و من شاء فلیکفر - حضرت مسیح نے کہا ہے : " ایک نوکر دو آقاؤں کو خوش نہیں کرسکتا " قرآن کا بھی فیصلہ یہی ہے :

ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ ( ۳۳ : ۴ ) یعنی :

سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے !

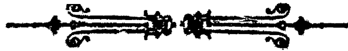
حضرات ! مجھے ملامت کرنے میں جلدی نہ کیجیے اگر میں حقیقت کو اس سے بھی زیادہ بے نقاب دیکھنا چاہوں - افسوس کہ وقت کی جلدی اور قانون قدرت کی بے صبری نے ہماری غفلتوں کا ساتھہ نہیں دیا - وہ اپنی ازلی بے پروائی کے ساتھہ نتائج و عواقب کی آخری منزل تک بڑھتا چلا آیا ہے - اب موت و حیات ' بقاؤ فنا ' ایمان و کفر ' اور خدا اور ماسوی اللہ کی منزل ہمارے سامنے ہے ' اور اسلیے میں قابل ملامت نہیں ہوں اگر حسن بیان اور بلاغت اظہار کے پرپیچ آداب و قواعد کو موت و حیات کی کشمکش میں سنبھال نہیں سکتا - یہ حالت دیکھکر میں نے ارادہ کرلیا کہ اگر مجھکو ایک مجلس کے صدر کی حیثیت سے اظہار مطالب کا موقعہ ملتا ہے تو میں اس سے انکار نہ کروں ' اور اگر صدارت کے حقوق و اختیارات اصل مقصد [illegible] استعمال کرسکتا [illegible]

کروں - شاید اس طرح اس صحیح راہ عمل کی طرف کوئی قدم اٹھہ سکے جسکو بارہ سال سے اپنے سامنے رکھتا ہوں لیکن رفیقان طریق نے ہمیشہ اس سے اعراض کیا ہے ' اور آج بھی جبکہ اس اعراض کے نتائج سامنے ہیں ' تذبذب و اضطراب عمل ' عزم و ایمان کے استحکام پر غالب نظر آ رہا ہے -

حضرات ! صرف یہی ایک خیال تھا جس نے مجھے اس بات پر آمادہ کردیا کہ آپنے اپنی محبت اور مہربانی سے جو عزت مجھے دینی چاہی ہے اس سے گریز نہ کروں - میں آپکا شکرگزار ہوں ' اور آپکی دلی رفاقت و اعانت کا طلبگار - ہم سب کو اللہ کے فضل و توفیق پر اعتماد ہے جسکے بغیر کائنات ہستی کا کوئی ارادہ اور کوئی عمل کامیابی اور فلاح نہیں پاسکتا -

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہلے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے !

و ما توفیقی الا باللہ - علیہ توکلت و الیہ انیب



بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی - و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

# باب

— : * : —

# فصل

## ( خـــلافـــة )

" خلافة " عربی کی ایک مصدر ہے - اُسکا مادہ ہے " خلف " - اور اسی سے ہے " خلیفہ " - خلیفہ کے لغوی معني نیابت اور قائم مقامي کے ہیں " من قولک خلف فلان فلانا فی ھذا الامر اذا قام مقامه فیه بعدہ " [ ابن فارس ] یعني اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص کے بعد اُسکا نائب و قائم مقام ہوا تو یہ خلافت ہوئی ' اور لغہ میں اسکو خلیفہ یعنے بعد کو آنے والا اور قائم مقام کہینگے - خواہ یہ نیابت سابق کی موت و عزل کی وجہ سے ہوئی ہو ' یا غیبت کی وجہ سے ' یا اپنا اختیار اور منصب سپرد کر دینے کی وجہ سے - مفردات امام راغب میں ہے " الخلافة ' النیابة عن الغیر ' إما بالغیبة المنوب عنه ' و إما لموته ' و إما لعجزہ ' و إما لتشریف المستخلف " ( صفحہ ۱۵۵ )

یہ لفظ بھي قران حکیم کے اختیارات لغویہ میں سے ہے - یعنی عربي زبان کے اُن لفظوں میں سے ہے جنکو لغة میں عام معاني کیلیے استعمال کیا جاتا تھا مگر قرآن حکیم نے اپنے خاص مصطلحۂ شرع معني کیلیے اختیار کرلیا - جیسے ایمان ' غیب ' تقدیر ' بعث ' صلواة وغیرہ ذٰلک - ایمان کے لغوي معني یقین و طمانیة اور زوال خوف و شک کے تھے ' لیکن قرآن حکیم نے اسکو ایک خاص طرح کے یقین واقرار اور عمل کیلیے استعمال کیا ' اور اب [illegible]

باکئنی هے - قرآن کي زبان میں خلافة اور " استخلاف فی الارض " اور " وراثت و تمکن فی الارض " سے مقصود زمین کی قومی عظمت و ریاست اور قوموں اور ملکوں کی حکومت وسلطنت ہے - قرآن حکیم اسکو سب سے بڑی نعمت قرار دیتا ہے جو اچھے نقدن اور اچھے کاموں کے بدلے اقوام عالم کو دنیا میں ملسکتی ہے - قرآن کے نزدیک اس خلافت ارضی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کی ہدایت و سعادت کیلیے ایک خاص ذمہ دار قوم و حکومت قائم ہو - وہ اللہ کی عدالت کو دنیا میں نافذ کرے ' ظلم و جور اور ضلالت و طغیان سے اس کی زمین پاک ہو جاے ' ایک عام امن و سکون اور راحت و طمانینۃ دنیا میں پہیل جاے' اور اللہ کا وہ ہمہ گیر قانون عدل جو تمام کائنات ہستی میں سورج سے لیکر زمین کے ذرات تک نافذ و قائم ہے ' اور جسکو قرآن اپنی زبان میں صراط مستقیم کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے ' زمین کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں جاری و ساری ہوکر کرۂ ارضی کو سعادت و امنیت کی ایک بہشت زار بنادے !

لغۃ کے اعتبار سے یہ اطلاق اسلیے ہوا کہ سب سے پلے جو قوم اور قوم کا جو فرد خلیفہ ہوا ' وہ زمین پر اللہ کی عدالت قائم رکھنے میں ' اللہ کی نیابت اور قائم مقامی رکھتا تھا ' اور اسکے بعد والی قوم اپنے سابق کی نائب تھی' اور ہر خلیفہ ' سابق کا قائم مقام - ظہور اسلام کے بعد جب ارضی خلافۃ کے وارث مسلمان ہوے' تو اس سلسلہ کا پہلا خلیفۃ اللہ صاحب وشارع اسلام تھا - یعنی محمد الرسول‌اللہ صلعم - اور پھر انکے بعد جن لوگوں کے ہاتھہ اسلام کی مرکزی حکومت آئی ' وہ اس خلیفۃ اللہ کے نائب اور قائم مقام ہوے اسلیے اُن پر خلیفہ کا اطلاق ہوا اور ابتک ہو رہا ہے -

یہ زمین کی وراثت و خلافت یکے بعد دیگرے مختلف قوموں کے سپرد ہوتی رہی اور وہ دنیا میں اللہ کی طرف سے دین حق کے خدمت گزار رہے - آیات ذیل میں اسی خلافت کا ذکر ہے :

| | |
|---|---|
| وھــو الــذي جعلکـم خلائف الارض (۶ : ۱۶۵ ) | وہی پروردگار عالم ہے جس نے تم کو زمین میں خلافت دی - |
| ویستخلـف ربي قومـا غیـرکـم - ( ۱۱ : ۵۷ ) | اگر تم نے اپنا فرض ادا نہ کیا تو میرا پروردگار تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو دیدیگا - |

| | |
|---|---|
| ثم جعلناکم خلائف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون ؟ (۱۴.۱۰) | پھر ان لوگوں کے بعد ہم نے تم لوگوں کو جگہ دی تا کہ دیکھیں تمہارے کام کیسے ہوئے ہیں ؟ |
| و اذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح - ( ۷ : ۶۸ ) | اور یاد کرو جب ہم نے تم کو قوم نوح کے بعد انکا جانشین بنایا - |
| یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض (۳۸:۲۶) | اے داؤد ' ہم نے زمین میں تم کو خلیفہ بنایا - |

اسی چیز کو زمین کی وراثت سے بھی تعبیر کیا گیا :

| | |
|---|---|
| ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (۲۱ ۱۰۵) | اور زبور میں بھی ہمارا اعلان یہی تھا کہ یقیناً زمین کی حکومت ہمارے صالح بندوں ہی کی وراثت میں آئیگی - |

یہی چیز زمین کی " تمکین " یعنی طاقت و عظمت کا جماؤ اور قیام بھی ہے جو سر زمین فراعنہ میں کنعان کے ایک اسرائیلی نوجوان نے حاصل کی تھی ' جبکہ وہ غلامی کی حالت میں وہاں فروخت کیا گیا ' اور پھر اپنے عمل حق و صالح کی قوت سے ایک دن مصر کے تاج و تخت کا مالک ہوگیا :

| | |
|---|---|
| کذالک مکنا لیوسف - ( ۱۲ : ۵۶ ) | اس طرح ہم نے یوسف کی عظمت مصر میں قائم کردی - |

اور اسی کا مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا تھا :

| | |
|---|---|
| الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموا الصلوٰة و آتوا الزکوٰة و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر ' و للہ عاقبة الامور - ( ۲۲ . ۴۳ ) | وہ لوگ کہ اگر ہم انکی طاقت زمین میں جمادیں تو اُنکا کام یہ ہوگا کہ نماز کو قائم کرینگے ' زکواة ادا کرینگے ' نیکی کا حکم دینگے ' اور برائی سے دنیا کو روکینگے |

اس آیۂ کریمہ سے صاف طور پر یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ تمکین فی الارض یعنی حکومت کا مقصد اصلی قرآن حکیم کے نزدیک کیا ہے ؟ معلوم ہوگیا کہ صرف یہ ہے کہ اللہ کی عبادت دنیا میں قائم کی جائے ' نیکی اور راستی کا اعلان و ظہور ہو ' برائی سے نوع انسانی کے دلوں اور ہاتھوں کو روک دیا جائے !

دوسری آیۃ میں اسکو خلافت کے لفظ سے تعبیر کیا

وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ، ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا ۔ یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک هم الفاسقون ( ۲۴ : ۵۵ )

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل انجام دیے ، اللہ کا اسسے وعدہ ہے کہ اُنھیں زمین کی خلافت دیگا - ٹھیک اُسی طرح جس طرح پچھلی قوموں کو دی جا چکی ہے - اور ایسا کریگا کہ انکے لیے اُن کا دین حق قائم ہو جائیگا اور خوف کی گھڑیاں امن کی خوشدلی و کامرانی سے بدل دی جائینگی -

یہ آیت اُسوقت نازل ہوئی جب ہجرۃ کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کی زندگی دشمنوں سے گھری ہوئی تھی اور قلت تعداد و بے سروسامانی حال کے ساتھہ دشمنوں کے پے درپے حملوں کا یہ حال تھا کہ کسی وقت بھی ہتیار اپنے جسم سے دور نہیں کرسکتے تھے - اُسوقت بعض مسلمانوں کی زبان سے بے اختیار یہ جملہ نکل گیا " ما یأتی علینا یوم نأمن فیه و نضع عنا السلاح " ایک دن بھی ہم پر ایسا نہیں آیا کہ امن و بے خوفی کے ساتھہ صبح و شام بسرکرتے اور ہتیار اپنے جسم سے الگ کرسکتے - ابو العالیہ راوی ہیں کہ اسپر مندرجۂ صدر آیت نازل ہوئی اور اللہ نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ مضطرب نہوں ، ایمان و عمل صالح کا پھل عنقریب ملنے والا ہے جبکہ خوف کی جگہ امن ہوگا ، مظلومی و بیچارگی کی جگہ فرمانروائی و کامرانی ہوگی ، اور سب سے بڑھکر یہ کہ زمین کی خلافت اُنہی کے قبضۂ اقتدار میں آجائیگی - ( تفسیر طبری جلد ۱۸ صفحہ ۱۲۲ )

اس آیت سے ضمناً یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ قرآن حکیم کے نزدیک جو چیز " خلافت " ہے ، وہ خلافت فی الارض ہے - یعنی زمین کی حکومت و تسلط - پس اسلام کا خلیفہ ہو نہیں سکتا جب تک بموجب اس آیت کے زمین پر کامل حکومت و اختیار اُسے حاصل نہو - وہ مسیحیت کے پوپ کی طرح محض ایک آسمانی و دینی اقتدار نہیں ہے جسکے لیے دلوں کا اعتقاد اور پیشانیوں کا سجدہ کافی ہو - وہ کامل معنوں میں سلطنت و فرمانروائی ہے - اسلام کے قانون میں دینی و روحانی اقتدار خداؤ رسول کے سوا کوئی انسانی وجود نہیں رکھتا - ایسے اقتدار کو قرآن نے شرک قرار دیا

ہے اور اسکا مثال اُس کے ظہور کا پہلا کام تھا : اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ ( ۹ ۳۲ ) اور ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب و الحکم و النبوة ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ و لکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون - ( ۲ : ۷۹ )

اللہ کے تمام وعدوں کی طرح یہ وعدہ بھی پورا ہوا - آٹھہ نو سال بعد جب داعی اسلام دنیا سے تشریف لیگئے تو تمام جزیرۂ عرب مسلمانوں کے قبضہ اقتدار میں آچکا تھا اور رومیوں کے مقابلہ کیلیے اسلامی فوجیں مدینہ سے نکل رہی تھیں - اس سلسلۂ خلافت اسلامیہ کا پہلا خلیفة اللہ خود حضرة داعی اسلام ( صلی اللہ علیہ و سلم ) کا وجود مقدس تھا ' اور آپنے اپنے بعد کے جانشینوں کو خود لفظ خلفاء سے تعبیر فرماکر واضح کردیا تھا کہ وہ آپکے نائب اور قائم مقام ہونگے - " علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین " ( ابن ماجہ عن العرباض بن ساریہ ) و امثالہا - آپکے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب جانشین ہوے تو وہ خلیفۂ رسول اللہ تھے -

# فصل

( خلافت خاصہ و خلافت ملوکی )

آنحضرة کے بعد خلافت اپنے خصائص و نتائج کے اعتبار سے دو بڑے سلسلوں میں منقسم ہوگئی - خود آنحضرت نے نہ صرف ان کی پیشتر سے خبر ہی دیدی تھی ' بلکہ تمام علائم و خصائص صاف صاف بیان کردیے تھے - اس بارے میں جو احادیث موجود ہیں ' وہ کثرت طرق ' شہرت متن ' قبول طبقات ' کی بنا پر حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں - پہلا سلسلۂ خلافت خلفاء راشدین مہدیئین کا تھا جنکی خلافت منہاج نبوة پر تھی - یعنی وہ صحیح و کامل معنوں میں منصب نبوت کے جا نشین اور جامعیة شخص رسالة کے قائم مقام تھے - انکا طریق کار ٹھیک ٹھیک طریق نبوت کے مطابق تھا ' اور اسلیے گویا عہد نبوت کا ایک آخری جزء تھا - اور جس طرح وجود نبوة میں مختلف حیثیتوں کا اجتماع تھا ' اسی طرح أنکی شخصیت بھی جامع و حاوی تھی - دینی دعوة اور شرعی اجتہاد و امر ' حکومت و فرمانروائی اور قوام و نظام شرع ' نظام شریعت اور نظام

سیاست کہ تمام قوتیں انکی ذات واحد میں جمع ہیں - انکی حکومت سچے اور حقیقی اسلامی نظام پر تھی - یعنی حکومت شوری ' جسکو آجکل کی زبان میں ایک خاص تشبیہ کے ساتھہ ری پبلک کہہ سکتے ہیں - یہ سلسلہ حضرة علی علیہ السلام پر ختم ہوگیا -

دوسرا سلسلۂ خلافت منہاج نبوت سے الگ مجرد حکومت و پادشاہت کا تھا ' جسکو عجمی بدعتیں خالص اسلامی و عربی تمدن سے ملکر ایک نیا دور شروع کررہی تھیں - یہ سلسلۂ خلافت اگرچہ بعد کی خلافتوں کے مقابلے میں پہلے سلسلے سے اقرب تھا ' لیکن خلافت راشدہ کے حقیقی خصائص ناپید ہوگئے ہے - خلفاء بنو امیہ سے لیکر آجتک جو سلسلۂ خلافت اسلامیہ جاری ہے ' وہ اسی دوسری قسم میں داخل ہے - احادیث میں پہلے سلسلہ کو بوجہ غلبۂ طریق ہدایت و نبوۃ خلافت کے لفظ سے اور دوسرے کو بوجہ غلبۂ سیاست و شخصیت پادشاہت کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے " الخلافة بعدی ثلاثون عاما ثم ملک بعد ذلک " [ اخرجه اصحاب السنن ] اور حدیث ابو ہریرہ " الخلافة بالمدینة و الملک بالشام " ایک دوسری حدیث میں بالترتیب تین دور بتلائے گئے ہیں " نبوة و رحمة ' ثم خلافة و رحمة " و فی لفظ " خلافة علی منہاج النبوة ثم یکون ملک عضوض ( رواہ البزار و قال السیوطی حسن ) امیر معاویہ نے اسیکی نسبت کہا تھا - ہم نے عہد ملوکی پر قناعت کرلی -

آخری حدیث کے مطابق تین دور ہوے - عہد نبوت و رحمت ' خلافت و رحمت ' پادشاہی و فرمانروائی - پہلا دور آنحضرة صلعم کی وفات پر ختم ہوگیا - دوسرا دور فی الحقیقت عہد نبوت کا ایک تتمہ اور لازمی جزء تھا ( جیسا کہ سلسلۂ دعوة اور تکمیل کار و بار شرائع میں ہمیشہ سنة الله رہی ہے ) جو حضرة امیر علیہ السلام پر ختم ہوگیا - اسکے بعد سے مجرد عہد پادشاہی و استبدادی شروع ہوا جو آجتک جاری ہے - اس دور کی بھی بہت سی مختلف شاخیں علحدہ علحدہ احادیث میں بتلائی گئی تھیں ' اور وہ سب ٹھیک ٹھیک ظہور میں آئیں - نبوت و رحمت کی برکات کی محرومی و فقدان کا ایک تدریجی تنزل تھا ' اور بدعات و فتن کے ظہور و احاطہ کی ایک تدریجی ترقی تھی ' کالحصیر عوداً عوداً ' جو حضرت عثمان کی شہادت سے شروع ہوئی ' اور جسقدر عہد نبوت سے دوری بڑھتی گئی ' اتنی ہی عہد نبوت اور خلافت

رحمت کی سعادتوں سے امت محروم ہونی گئی - یہ محرومی صرف امامت و خلافت کبری کے معاملہ هی میں نہیں ہوئی ' بلکہ قوام و نظام امت کے مذہبیات و اساسات سے لیکر حدات شخصی و انفرادی کی اعتقادی و عملی جزئیات تک ' ساری باتوں کا یہی حال ہوا - مدلۂ و فساد کے اس سیلاب کو صرف ایک دیوار روکے ہوے تھی جو بقول حضرة حذیفہ (اعلم الصحابۃ بالفتن) حضرة عمر (رض) کا وجود تھا - جونہی نہ دیوار مرصوص هتی' وہ سیلاب عظیم اُمڈا ' اور پھر کوئی سد و بند اُسکی راہ نہ روک سکا - اسی سیلاب کو حضرة حذیفہ کی روایت میں " التی تموج کموج البحر " ( رواہ البخاري ) سے تعبیر کیا گیا تھا - یعنی سمندر کی موجوں کی طرح اسکی موجیں اُٹھینگی - سو واقعی اُٹھیں ' اور دور خلافت و رحمت اور " خلافۃ علی منہاج النبوۃ " کی عظیم الشان عمارت اسکے تلاطم و طغیان میں آناً فاناً بہہ گئی -

احادیث میں نہایت کثرت کے ساتھہ اسلام کے ایک آخری دور کی بھی خبر دی گئی ہے جو اپنے برکات کے اعتبار سے دور اول کے خصائص تازہ کردیگا ' اور جسکا حال یہ ہوگا کہ " لا یدری اولہا خیر ام آخرھا " نہیں کہا جاسکتا کہ اُمت کی ابتدا زیادہ کامیاب تھی یا اُسکا اختتام ؟ یہی وہ آخری زمانہ ہوگا جب اللہ کا اعلان اپنے کامل معنوں میں پورا ہوکر رہیگا کہ :

لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون - ( ۶۱ : ۹ )

دین اسلام اور اُسکا رسول اسلیے آیا تاکہ تمام دینوں اور قوموں پر بالآخر غالب ہوکر رہے ( کیونکہ آخری غلبہ و بقاء صرف اصلح کیلیے ہے اور تمام دینوں میں اصلح صرف اسلام هی ہے )

یہی وجہ ہے کہ مایوسیوں اور نامرادیوں کی اس عالمگیر تاریکی میں بھی جو آج چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے ' ایک مومن قلب کیلیے فتح و اقبال کی روشنیاں برابر چمک رہی ہیں - بلکہ جسقدر تاریکی بڑھتی جاتی ہے ' اُتنا هی زیادہ طلوع صبح کا وقت قریب آتا جاتا ہے : ان موعدھم الصبح ' الیس الصبح بقریب !

تفاوت ست میان شنیدن من و تو
تو بستن در و من فتح باب می شنوم !

# فصل

( عہد اجتماع و ائتلاف ' و دور اشتات و انتشار )

آپ آزردہ خاطر نہوں اگر موضوع کی وسعت چند لمحوں کیلیے مجھے اپنے اطراف و جوانب کی طرف بے اختیار مائل کرلے - اس مقام کی مزید وضاحت کیلیے بہتر ہوگا کہ دو خاص اصطلاحی لفظوں کے معانی پر آپ پہلے غور کرلیں - ایک " اجتماع " اور " ائتلاف " ہے - دوسرا " اشتات " اور " انتشار " - نہ صرف امۃ اسلامیہ بلکہ تمام اقوام عالم کی موت و حیات ' ترقی و تنزل' اور سعادت و شقاوت کے جو اصولی اسباب و مراتب قران حکیم نے بیان کیے ہیں ' انکی سب سے زیادہ اہم حقیقت انہی الفاظ کے اندر پوشیدہ ہے - " اجتماع " کے معنی ہیں " ضم الشئ بتقریب بعضہ من بعض " ( مفردات امام راغب ۹۵ ) یعنی مختلف چیزوں کا باہم اکٹھا ہو جانا - اور ائتلاف " الف " سے ہے - اسکے معنی ہیں " ما جمع من اجزاء مختلفۃ ' و رتب ترتیباً ' قدم فیہ ما حقہ أن یقدم ' و اخر فیہ ما حقہ أن یؤخر " ( مفردات : ۱۹ ) یعنی مختلف چیزوں کا اس تناسب اور ترتیب کے ساتھہ اکٹھا ہوجانا کہ جس چیز کو جس جگہ ہونا چاہیے وہی جگہ اسے ملے جو پہلے ہونے کی حقدار ہے وہ پہلے رہے - جسکو آخری جگہ ملنی چاہیے ' وہ آخری جگہ پاے - "عہد اجتماع و ائتلاف" سے مقصود وہ حالت ہے جب مختلف کارکن قوتیں کسی ایک مقام ' ایک مرکز ' ایک سلسلے ' ایک وجود ' ایک طاقت ' اور ایک فرد واحد میں اپنی قدرتی اور مناسب ترکیب و ترتیب کے ساتھہ اکٹھی ہو جاتی ہیں ' اور تمام مواد ' قوی ' اعمال ' اور افراد پر ایک اجتماعی و انضمامی دور طاری ہو جاتا ہے - بحدیکہ ہر قوت اکٹھی ' ہر عمل باہمدگر جڑا اور ملا ہوا ' ہر چیز بندھی اور سمٹی ہوئی ' ہر فرد زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے متحد و متصل ہو جاتا ہے - کسی چیز ' کسی گوشے ' کسی عمل میں علحدگی نظر نہیں آتی - جدائی ' انتشار ' اور الگ الگ ' جزء جزء ' فرد فرد ' ہوکر رہنے والی حالت نہیں ہوتی - مادہ میں جب یہ اجتماع و انضمام پیدا ہو جاتا ہے ' تو اسی سے تخلیق و تکوین اور وجود و ہستی کے تمام مراتب ظہور میں آتے ہیں - اسی کو قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں مرتبۂ " تخلیق " و " تسویہ " سے بھی تعبیر کیا

ہے . انسانی جسم [illegible] ( ۸۹ : ۱ ) میں زندگی اور وجود [illegible] ہے مگر
اجتماع و ائتلاف " اور موت وفنا نہیں ہے مگر یہی صورت یہی حالت جب افعال
و اعمال پر طاری ہوتی ہے تو اخلاق کی زبان میں اسکو " خیر " اور شریعت
کی زبان میں " عمل صالح " اور " حسنات " کہتے ہیں - جب جسم انسانی
پر طاری ہوتی ہے تو طب کی اصطلاح میں " تندرستی " سے تعبیر کی جاتی ہے
اور حکیم کہتا ہے کہ یہ " زندگی " ہے - اور پھر یہی حالت ہے کہ جب قومی
و جماعتی زندگی کی قوتوں اور عملوں پر طاری ہوتی ہے تو اُس کا نام
" حیات قومی و اجتماعی " ہوتا ہے ، اور اُسکا ظہور قومی اقبال و ترقی اور
نمود و تسلط کی شکل میں دنیا دیکھتی ہے - الفاظ بہت سے ہیں -
معنی ایک ہے - مظاہر گو مختلف ہیں مگر اُس حکیم یگانہ و واحد کی
ذات کی طرح ، اُسکا قانون حیات و وجود بھی اس کائنات ہستی میں
ایک ہی ہے - و لنعم ما قیل :

عباراتنا شتی و حسنک واحد
و کل الی ذاک الجمال یشیر

اس حالت کی ضد " اشتات و انتشار " ہے - اشتات " " شتت " سے
ہے جسکے معنی لغت میں " تفریق " اور الگ الگ ہو جانے کے ہیں -
" یقال شت جمعهم شتا و شتاتاً ، و جاؤا اشتاتاً - ای متفرقی النظام "
( مفردات : ۲۵۶ ) قرآن حکیم میں ہے : یومئذ یصدر الناس اشتاتا (۹۹ : ۶)
اور من نبات شتی ( ۲۰ : ۵۳ ) اور و قلوبهم شتی ( ۵۹ : ۱۴ ) ای مختلفة -
انتشار " نشر " سے ہے - اسکے معنی بھی الگ الگ ہو جانے کے ہیں -
یعنی تفرق کے - سورۂ جمعہ میں ہے : فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا -
یعنی تفرقوا - " اشتات و انتشار " سے مقصود وہ حالت ہے جب اجتماع و
ائتلاف کی جگہ الگ الگ ہو جائے ، متفرق اور پراگندہ ہوئے ، اور باہمدگر
علحدگی و بیگانگی کی حالت طاری ہوجائے - مواد میں ، قویٰ میں ،
اعمال میں ، افراد میں ، ہر بات میں پہلی حالت سے بالکل متضاد
حالت پیدا ہوجائے - یہ حالت جب مادہ پر طاری ہوتی ہے تو " تکوین "
کی جگہ " فساد " اور " وجود " کی جگہ " عدم و فنا " کا اُسپر اطلاق ہوتا ہے
جسم پر طاری ہوتی ہے تو اُسکا نام پہلے " بیماری " اور پھر " موت " ہے -
اعمال پر طاری ہوتی ہے تو اُسی کو قرآن حکیم اپنی اصطلاح میں " عمل
سوء " اور " عصیان " سے تعبیر کرتا ہے - اور پھر یہی چیز ہے کہ جب

قوموں اور امتوں کی اجتماعی زندگی پر طاری ہوجاتی ہے تو دنیا دیکھتی ہے کہ اقبال کی جگہ ادبار، عروج کی جگہ تسفل، ترقی کی جگہ تنزل، عظمت کی جگہ ذلت، حکومت کی جگہ محکومی، اور بالآخر زندگی کی جگہ موت اس پر چھا گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جا بجا "اجتماع و ائتلاف" کو قومی زندگی کی سب سے بڑی بنیاد، اور اسلیے انسان کیلیے اللہ کی جانب سے سب سے بڑی رحمت و نعمت قرار دیا ہے، اور اسکو "اعتصام بحبل اللہ" اور اسی طرح کی تعبیرات عظیمہ سے موسوم کیا ہے۔ مسلمانوں کے اولیں مادۂ تکوین امت یعنی اہل عرب کو مخاطب کرکے اور پھر تمام عرب و عجم سے فرمایا:

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا ۱ واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمۃ اخوانا۔ (۳:۱۰۳)

سب مل جلکر اور پوری طرح اکٹھے ہوکر اللہ کی رسی مضبوط پکڑلو۔ سب کے ہاتھ اسی ایک حبل اللہ سے وابستہ ہوں۔ اللہ کا یہ احسان یاد کرو کہ کیسی عظیم الشان نعمت ہے جس سے سرفراز کیے گئے؟ تمہارا حال یہ تھا کہ بالکل بکھرے ہوے اور ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اللہ نے تم سب کو باہم ملادیا اور اکٹھا کردیا۔ جو ایک دوسرے کے دشمن تھے وہ اب بھائی بھائی ہوگئے!

اس کے بعد فرمایا کہ اشتات و انتشار کی زندگی کو بقاء و قیام نہیں ہوسکتا۔ وہ ہلاکی کی ایک آگ ہے جسکے دھکتے ہوے شعلوں کے اوپر کبھی قومی زندگی نشو و نما نہیں پاسکتی:

وکنتم علی شفا حفرۃ من النار، فانقذکم منہا کذلک یبین اللہ لکم آیاتہ لعلکم تہتدون۔ (۳:۱۰۶)

اور تمہارا حال یہ تھا کہ آگ کے دھکتے ہوے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، پر اللہ نے تمہیں بچالیا۔ اللہ اپنے فضل و رحمت کی نشانیاں اسی طرح کھولتا ہے تاکہ کامیابی کی راہ پالو!

یہ بھی جابجا بتلادیا کہ قوموں اور ملکوں میں اس اجتماع و ائتلاف کی صالح و حقیقی زندگی پیدا کردینا محض انسانی تدبر سے ممکن نہیں۔ دنیا میں کوئی انسانی تدبیر امت نہیں پیدا کرسکتی۔ یہ کام صرف اللہ ہی کی توفیق و رحمت اور اسکی وحی و تنزیل کا ہے کہ بکھرے ہوے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک بنادے

لو انفقت ما في الارض جميعا ما الفت بين قلوبهم - و لكن الله الف بينهم - انه عزيز حكيم (۸ : ٦٩)

اگر تم زمین کا سارا خزانہ بھی خرچ کر ڈالتے جب بھی اُن ٹکڑے ہوئے دلوں کو محبت و اتحاد کے ساتھ جوڑ نہیں سکتے تھے - یہ اللہ ہی کا فضل ہے جس نے متفرق دلوں کو اکٹھا کر دیا -

اور اسلیے قرآن حکیم ظہور شریعت و نزول وحی کا پہلا نتیجہ یہ قرار دیتا ہے کہ اجتماع و ائتلاف پیدا ہو ' اور بار بار کہتا ہے کہ تفرقہ و انتشار شریعت و وحی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے - اور اسلیے یہ نتیجہ شریعت سے بغی و عدوان اور اسکو بالکل ترک کردینے کا ہے : فما اختلفوا حتی جاء هم العلم (۱۳ ' ۹۳) و آتینا هم بینات من الامر فما اختلفوا الا من بعد ما جاء هم العلم بغیا بینهم (۴۵ ' ۱٦) و لا تکونوا کالذین تفرقوا من بعد ما جاء هم البینات ( ۲ : ۱۰۴ )

اور اسی بنا پر شارع نے اسلام اور اسلامی زندگی کا دوسرا نام "جماعت" رکھا ہے ' اور جماعت سے علحدگی کو " جاهلیة " اور " حیاة جاهلی " سے تعبیر کیا ہے ' جیساکہ آگے بالتفصیل آئیگا : " من فارق الجماعة ' فمات ' میتة جاهلیة " وغیر ذلک ' اور اسی بنا پر بکثرت وہ احادیث و آثار موجود ہیں جن میں نہایت شدت کے ساتھ ہر مسلمان کو ہر حال میں التزام جماعت اور اطاعت امیر کا حکم دیا گیا ' اگرچہ امیر غیر مستحق ہو ' نا اهل ہو ' فاسق ہو ' ظالم ہو ' کوئی ہو ' بشرطیکہ مسلمان ہو اور نماز قائم رکھے ( ما اقاموا الصلوة ) اور ساتھ ہی بتلا دیا گیا کہ جس شخص نے جماعت سے علحدگی کی راہ اختیار کی تو اُس نے اپنے تئیں شیطان کے حوالے کر دیا - یعنی گمراہی اور ٹھوکر اسکے لیے ضروری ہے - زنجیر کا توڑنا مشکل ہوتا ہے ' لیکن کوئی کڑی زنجیر سے الگ ہوگئی ہو تو ایک چھوٹے سے حلقہ کا حکم رکھتی ہے جسکو انگوٹھے سے مسل دیا جاسکتا ہے - حضرة عمر اپنے خطبوں میں بار بار آنحضرة صلعم سے روایت کرتے " علیکم بالجماعة فان الشیطان مع الفذ و هو من الاثنین ابعد " دوسری روایت میں ہے " فان الشیطان مع الواحد " یعنی جماعت سے الگ نہو - ہمیشہ جماعت بنکر رہو - کیونکہ جب کوئی تنہا اور الگ ہوا تو شیطان اسکا ساتھی ہوگیا - دو انسان بھی ملکر رہیں تو شیطان اُنسے دور رہے - یعنی اتحادی و جماعتی قوت اُن میں پیدا ہوگئی - اب وہ راہ حق سے نہیں بھٹک سکتے - یہ الفاظ مشہور

خطبۂ جابیہ کے ہیں جو عبد اللہ بن دینار، عامر بن سعد، سلیمان بن یسار، وغیرہم سے مروی ہے، اور بیہقی نے امام شافعی کے طریق سے نقل کیا کہ انہوں نے اجماع کے اثبات میں اسی روایت سے استدلال کیا - اسی طرح حدیث متواتر المعنی " علیکم بالسواد الاعظم " اور " فمن شذ شذ فی النار " اور " ید اللہ علی الجماعۃ " اور " لا یجمع اللہ امتی علی الضلالۃ " اور کہا گیا - اور خطبہ حضرت امیر کہ " وایاکم والفرقۃ، فان الشاذ من الناس للشیطان، کما ان الشاذ من الغنم للذئب - الا، من دعا الی ھذا الشعار فاقتلوہ ولو کان تحت عمامتی ھذہ " وغیر ذلک اس بارے میں معلوم و مشہور ہیں - آخری قول دیگر روایات میں بطریق مرفوع بھی منقول ہے - خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ ہمیشہ جماعت کے ساتھ ہوکر رہو - جو جماعت سے الگ ہوا اسکا ٹھکانا دوزخ ہے - افراد تباہ ہوسکتے ہیں مگر ایک صالح جماعت کبھی تباہ نہیں ہو سکتی - اسپر اللہ کا ہاتھ ہے - اللہ کبھی ایسا ہونے نہ دیگا کہ پوری امت گمراہی پر جمع ہوجائے -

اسی طرح نماز کی جماعت کی سنت ہر حال میں التزام پر زور دیا، اور اگرچہ امام نا اہل ہو لیکن سعی قیام اہل کے ساتھ التزام جماعت کو بھی جاری رکھا، حتیٰ کہ " صلوا خلف کل بر و فاجر " تو اسمیں بھی یہی حقیقت مضمر ہے کہ زندگی جماعتی زندگی ہے - انفراد و فرقہ ہر حال میں بربادی و ہلاکت ہے - پس جماعت سے کسی حال میں باہر نہ ہوناچاہئے -

اور یہی سبب ہے کہ سورۂ فاتحہ میں جو قومی دعا مسلمانوں کو سکھلائی گئی، اسمیں متکلم واحد نہیں ہے بلکہ جمع، حالانکہ وہ دعا فرداً فرداً ہر مومن کی زبان سے نکلنے والی تھی " اھدنا الصراط المستقیم " فرمایا - " اھدنی " نہیں کہا گیا - یہ اسلیے ہے کہ قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کی ہستی کوئی شے نہیں ہے - ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے، اور فرد کا وجود اور اعمال بھی صرف اسی لیے ہیں تا کہ انکے اجتماع و تالیف سے ہئیت اجتماعیہ پیدا ہو - اسی لیے اس دعا میں کہ حاصل ایمان، و خلاصۂ قرآن، و عصارۂ اسلام ہے، متکلم جمع کا صیغہ آیا نہ کہ واحد کا - اور اسی لیے مسلمانوں کی باہمی ملاقات کے وقت جو امتیازی دعا سکھلائی گئی، وہ بھی بصیغۂ جمع آئی اگرچہ مخاطب واحد ہو - یعنی

" السلام علیکم " - " السلام علیک " نہیں قرار دیا گیا - اسی طرح نماز ختم ہو کر آئے کہتے بھی " السلام علیکم " بصیغۂ جمع رکھا گیا - واحد کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا - علت اسکی یہی ہے - نہ وہ جو لوگوں نے سمجھی -

اور اسی بنا پر احکام و اعمال شریعت کے ہر گوشے اور ہر شاخ میں یہی اجتماعی و ائتلافی حقیقت بطور اصل و اساس کے نظر آتی ہے - نماز کی جماعت خمسہ اور جمعۂ و عیدین کا حال ظاہر ہے - حج بجز اجتماع کے اور کچھ نہیں - زکواۃ کی بنیاد ہی اجتماعی زندگی کا قیام اور ہر فرد کے مال و اندوختہ میں جماعت کا ایک حصہ قرار دینا ہے - علاوہ بریں اُسکی ادائیگی کا نظام بھی انفرادی حیثیت سے نہیں رکھا گیا بلکہ جماعتی حیثیت سے - یعنی ہر فرد کو اپنی زکواۃ خود خرچ کردینے کا اختیار نہیں دیا گیا جیسا کہ بد قسمتی سے آج مسلمان کررہے ہیں اور جو صریح غیر شرعی طریقہ ہے ' بلکہ مصارف زکواۃ متعین کرکے حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپنی زکواۃ کی رقم امام و خلیفۂ وقت کے سپرد کردے - پس اسکے خرچ کی بھی اصلی صورت جماعتی ہے نہ کہ انفرادی - یہ امام کا کام ہے کہ اسکا مصرف تجویز کرے اور مصارف مخصوصہ میں سے جو مصرف زیادہ ضروری ہو ' اسی کو ترجیح دے - ہندوستان میں اگر امام کا وجود نہ تھا ' تو جس طرح جمعہ و عیدین وغیرہ کا انتظام عذر کی بنا پر کیا گیا ' زکواۃ کا بھی کرنا تھا -

اور پھر یہ حقیقت کسقدر واضح ہوجاتی ہے جب اُن تمام مشہور احادیث پر غور کیا جائے جن میں مسلمانوں کی متحدہ قومیت کی تصویر کھینچی گئی ہے " مثل المومنین فی توادھم و تعاطفھم کمثل الجسد الواحد - اذا اشتکی منہ عضوٌ تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی " ( صحیحین ) اور " المسلم للمسلم کالبنیان - یشد بعضہ بعضا " ( بخاری ) یعنی مسلمانوں کی قومیت ایسی ہے جیسے ایک جسم اور اسکے مختلف اعضا - ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم محسوس کرتا ہے ' اور اسکی بے چینی اور تکلیف میں اسی طرح حصہ لیتا ہے جیسے خود اسکے اندر درد اُٹھ رہا ہو - اور انکی مثال دیوار کی سی ہے - ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سہارا پاتی اور سہارا دیتی ہے - پھر تشبیک اصابع کرکے اسکی تصویر بتلادی - یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں رکھکر دکھلادیا کہ اس طرح ایک دوسرے سے جڑا ہوا اور متصل ہے - سو ان تمام تصریحات میں بھی اسی حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسلام کی قومیت متفرق

اینٹوں کا نام نہیں ہے - دیوار کا نام ہے - الگ الگ اینٹ کا کوئی مستقل وجود نہیں - ہے تو اجتماعی وجود ہے - یعنی دیوار کا ایک جزء ہے ' اور انہی اجزاء کے ملنے سے دیوار متشکل ہوتی ہے -

اور یاد رہے کہ یہ جو نماز میں تسویۂ صفوف پر سخت زور دیا گیا - یعنی صف سیدھی ہو ' اور سب کے سروں ' سینوں ' پاؤں کے ایک سیدھ میں ہوئے پر - " لتسون صفوفکم أو لیخالفن اللہ بین وجوھکم " ( بخاری ) اور روایت انس کہ " سووا صفوفکم فان تسویة الصفوف من اقامة الصلوة " ( بخاری ) ( وفی لفظ " من تمام الصلوة " ) تو اسمیں بھی بہی بھید ہے اور تشریح کا یہ موقعہ نہیں - قرآن و سنت کی تصریحات و حکمدات اس بارے میں اسقدر کثرت سے اور محتاج تفسیر و کشف ہیں کہ ایک مستقل مطلوب - تفسیر البیان میں مفصل لکھہ چکا ہوں

# فصل

( جمع و تفرقۂ قومی و مصائب )

اس قانون الہی کے مطابق مسلمانوں کی قومی زندگی و عروج کا اصلی دور وہی تھا ' جب اُنکی قومی و انفرادی ' مادی و معنوی ' اعتقادی و عملی زندگی پر اجتماع وائتلاف کی رحمت طاری تھی ' اور اُنکے تنزل و ادبار کی اصلی بنیاد اُسی دن پڑی ' جب اجتماع و ائتلاف کی جگہ اشتات و انتشار کی نحوست چھانی شروع ہوگئی - ابتدا میں ہر مادہ مجتمع تھا ' ہر طاقت سمٹی ہوئی تھی ' ہر چیز بندھی ہوئی تھی ' لیکن یہ تدریج تفرقۂ و انتشار کی ایسی ہوا چلی کہ ہر بندھن کھلا ' ہر جماؤ پھیلا ' ہر ملی جلی اور اکٹھی طاقت الگ الگ ہوکر منتشر اور تتر بتر ہوگئی - قرآن حکیم کے بتلائے ہوئے قانون تنزل اقوام کے مطابق یہ حالت ہر چیز اور ہر گوشۂ وجود و عمل پر طاری ہوئی ' اور ایک ہزار برس بر تین صدیاں گزرچکی ہیں کہ برابر طاری ہو رہی اور بڑھتی جاتی ہے - لوگ اسباب تنزل امت پر بحث کرتے اور پھر طرح طرح کی علتیں ٹھہراتے اور طرح طرح کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں ' حالانکہ قرآن و سنۃ اور عقلیات صادقہ کے نزدیک تنزل کے تمام فسادات و نتائج صرف اِسی ایک چیز کا نتیجہ ہیں - اس ایک حقیقت کو کتنے ہی مختلف ناموں سے پکار لو ' مگر اصلی علت اسکے سوا کوئی نہیں

قوتوں کے انتشار کا ذکر ساری جگہوں پر ضروری ہو، لیکن یہاں صرف ایک ہی پہلو واضح کرنا مقصود ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اسلامی طاقت کی اصلی شخصیت تھی - آپ جب دنیا سے تشریف لائے تو صرف ایک داعی شریعت نہ حامل وحی ہی کی جگہ خالی نہیں ہوئی، بلکہ اُن ساری قوتوں، سارے منصبوں، ساری حیثیتوں، اور ہر طرح کے نظری و عملی اختیارات ربوبی کی، جو آپکی شخصیت مقدسہ میں اکٹھی تھیں، اور جنکا آپکے تنہا وجود مقدس میں جمع ہونا اسلام کی شرعی و دینی خصوصیات میں سے تھا - اسلام کا داعی مسیحیت کے مقدس پہاڑی واعظ کی طرح صرف ایک اخلاقی معلم ہی نہ تھا، اور نہ دنیا کے فاتح حکمرانوں کی طرح محض ایک جہانگیر اور عالم ستاں شہنشاہ - اسلام نے دین کو دنیا سے اور شریعت کو حکومت و جہانبانی سے الگ نہیں رکھا - وہ تو یہ سکھلانے آیا تھا کہ دین و دنیا دو نہیں ایک ہی چیز ہیں، اور شریعت سے حکومت و سلطنت الگ نہیں ہے، بلکہ سچی حکومت اور خدا کی مرضی کے مطابق سلطنت وہی ہے جسکو شریعت نے خود پیدا کیا ہو، پس اسلام کے داعی کا وجود ایک ہی وقت میں اُن تمام حیثیتوں اور منصبوں کا جامع تھا، جو ہمیشہ دنیا کی صدہا مختلف شخصیتوں کے اندر منقسم رہی ہیں - وہ اللہ کا پیغمبر تھا، شریعت کا معلن تھا، اُمت کا بانی تھا، ملکوں کا حاکم اور سلطنت کا مالک تھا - وہ اگر پتوں اور چھال سے پٹی ہوئی مسجد کے ممبر پر وحی الٰہی کا ترجمان اور انسانی سعادت و ہدایت کا واعظ تھا، تو اُسی کے صحن میں یمن کا خراج تقسیم کرنے والا اور فوجونکو میدان جنگ میں بھیجنے کیلیے سپہ سالار لشکر بھی تھا - وہ ایک ہی وقت اور ایک ہی زندگی میں گھرونکا نظام معاشرت درست کرتا اور نکاح و طلاق کے قوانین نافذ کرتا اور ساتھ ہی بدر کے کنارے دشمنوں کا حملہ بھی روکتا، اور مکہ کی گھاٹیوں میں سے ایک فاتح حکمراں کی طرح نمایاں بھی ہوتا تھا - غرضکہ اُسکی ایک شخصیت کے اندر مختلف حیثیتیں اور منصب جمع تھے، اور اسلام کا نظام دینی بھی تھا کہ یہ ساری قوتیں ایک ہی فرد میں جمع رہیں -

جب آپ دنیا سے تشریف لیگئے تو خلفاء راشدین کی خلافت خاصہ اسی اجتماع قوی و مناصب پر قائم ہوئی، اور اسی لیے اُسکو " منہاج نبوۃ " سے تعبیر کیا گیا - یعنی یہ نیابت ٹھیک ٹھیک ہر لحاظ اور ہر پہلو سے شخص جامع نبوۃ کی سچی قائمقامی اپنے اندر رکھتی تھی -

منصب نبوة مختلف اجزاء نظر و عمل سے مرکب ھے - ازان جملہ ایک جزء وحی و تدریل کا مورد ھونا اور شریعت میں تشریع و تاسیس قوانین کا اختیار رکھنا ھے - یعنی قانون وضع کرنا اور اسکے وضع و قیام کی معصومانہ و غیر مسئولانہ قوت - اس جزء کے اعتبار سے نبوت آپکے وجود پر ختم ھو چکی تھی اور قیامت تک کیلئے شریعت و قانون کے وضع و قیام کا معاملہ کامل ھوچکا تھا - جب نعمت کامل ھوگئی تو پھر کامل جز ھی کو ھمیشہ باقی رھنا چاھیے - اسکی جگہ کسی دوسرے جز کا آنا نقص کا ظہور ھوگا نہ کہ تکمیل کا " الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ' و رضیت لکم الاسلام دینا ( ۵ : ۴ )

لیکن منصب نبوت اس اصلی جزء کے ساتھہ بہت سے دیگر اجزاء پر بھی مشتمل تھا ' اور ضرور تھا کہ انکا دروازہ ھمیشہ کھلا رھے - اس جز کو مختلف احادیث میں مختلف تعبیرات سے موسوم کیا ھے - حضرۃ عمر کیلیے " محدث " ( بالفتح ) کا مقام بتلایا گیا - علماء کو انبیاء کا وارث کہا گیا - مبشرات صادقہ کو نبوت کا چالیسواں جزء قرار دیا - " لم یبق الا المبشرات " حدیث تجدید بھی اسی سلسلہ میں داخل ھے - پس خلفاء راشدین کو جو نیابت پہنچی ' اسمیں وحی و تشریع کی قائم مقامی تو نہیں ھوسکتی تھی ' لیکن اور تمام اجزاء و خصائص نبوت کی نیابت داخل تھی - داعی اسلام کا وجود نبوت کے ساتھہ خلافت ارضی ' حکومت و سلطنت ' نظام و قوام سیاست ' قیادۃ فوج و حرب ' فتح و عمران ممالک ' ریاست مجالس شوری ' وغیرہ ' جہاں بانی و حکمرانی کے تمام منصب تنہا اپنی شخصیت کے اندر رکھتا تھا ' اسلیے ٹھیک ٹھیک اسی طرح خلافت خاصہ میں بھی خلفاء راشدین کا تنہا وجود ان ساری نظری وعملی دونوں اور تمام منصبوں کا جامع ھوا - وہ ایک ھی وجود کے اندر صاحب امامت و خلافت بھی تھے ' صاحب اجتہاد و قضاء بھی تھے ' اور صاحب سیاست و نظم احکام و بلاد بھی - اصلاً " امامت کبری " کا مقام اجتہاد دینی اور سیاست ملکی ' دونوں سے مرکب ھے - اسلیے انکی امامت میں یہ دونوں قسمیں اپنی تمام شاخوں کے ساتھہ اکٹھی تھیں - حضرۃ عمر مسجد کے دار الشوری میں مسائل شرعیہ کا بہ حیثیت ایک مجتہد کے فیصلہ کرتے تھے ' عدالت میں مقدمات سنتے تھے ' اور دیوان فوجی میں فوجوں کو تنخواہ بھی بانٹتے تھے - اگر وہ نماز جنازہ کی معین تکبیرات پر صحابہ کا اجماع کراتے

تھے ' تو راتوں کو شہر میں گشت لگاکر احتساب کا فرض بھی ادا کرتے تھے میدان جنگ میں احکام بھی دے بھیجتے ' اور رزم کے سفر کو نہ حیثیت شہنشاہ اسلام اپنے سامنے بھی دے دلاتے !

اسی طرح نبوت کا مقام ' تعلیم و تربیت امت کی مختلف قوتوں سے مرکب تھا - قرآن حکیم نے انکو تین اصولی قسموں میں بانٹ دیا ہے :

یتلو علیہم آیاته ' و یزکیهم ' و یعلمهم الکتاب و الحکمة ( ۶۲ ۳ ) تلاوت آیات - تزکیۂ نفوس - تعلیم کتاب و حکمت - خلفاء راشدین ان تینوں منصبوں میں وجود نبوت کے نائب تھے - وہ منصب اجتہاد و قضاء شرع کے ساتھہ قوت ارشاد و تزکیۂ و تربیت بھی رکھتے تھے - وہ ایک صاحب وحی کی طرح خدا کے کلام کی منادی کرتے ' ایک نبی کی طرح دلوں اور روحوں کو پاکی بخشتے ' اور ایک رسول کی طرح تعلیم کتاب اور حکمت سنہ سے امت کی تربیت و پرورش کرنے والے تھے - وہ ایک ھی وجود میں ابو حنیفۂ و شافعی بھی تھے ( رح ) اور جنید و شبلی بھی ( رح ) - نخعی و حماد بھی تھے ' اور ابن معین و ابن راھویه بھی ( رح ) جسموں کا نظام بھی اُنہی کے ھاتھوں میں تھا - دلوں کی حکمرانی بھی اُنہی کے قبضہ میں تھی - یہی حقیقی اور کامل معنی منصب نبوت کی نیابت کے ھیں ' اور اسی لیے اُنکا وجود اور انکے اعمال بھی اعمال نبوت کا ایک آخری جزء تھے کہ " علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین " اور اسی لیے " و عضوا علیها بالنواجذ " کے حکم میں نہ صرف سنة عہد نبوت ' بلکہ خلافت راشدۂ و خاصہ کی سنة بھی داخل ہوئی ' اور شرح اس سر الہی کی بہت طولانی ھے - یہاں محض اشارات مطلوب -

لیکن جیسا کہ پہلے سے خبر دیدی گئی تھی ' اجتماع و ائتلاف کی یہ حالت حضرۃ علی علیہ السلام پر ختم ہوگئی - اسکے بعد سے اشتات و انتشار کا دور شروع ھوا - ازانجملہ مرکزی قوتوں اور منصبوں کا انتشار و اشتات تھا ' جس نے فی الحقیقت امت کا تمام نظام شرعی و اصلی درھم و برھم کردیا - خلافت خاصہ کے بعد یہ ساری یکجا قوتیں الگ الگ ھوگئیں - ایک وجود کی جگہ مختلف وجودوں میں اُنکا ظہور اور نشو و نما ھوا - حکومت و فرماں روائی کا ٹکڑہ الگ ھوکر مجرد پادشاھی کی شکل میں آگیا - اسی کی طرف اشارۃ تھا " الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم ملک " سو واقعی اسکے

بعد صرف بادشاہی ہی رہگئی - اجتہاد اور قضاء شرعی کا جزء خلافت سے الگ ہوا تو مجتہدین و فقہاء کی ایک الگ جماعت پیدا ہوگئی - انہوں نے یہ کام سنبھالا - اسی طرح تعلیم و تربیت روحانی کے کار و بار سے نظام حکومت بالکل الگ ہوگیا - پہلے خلافة کی ایک ہی بعثت تمام مقاصد کی کفیل تھی - اب خلافة کا وجود محض پادشاہی کیلیے اور فقہاء کا مجرد استنباط احکام و مسائل کیلیے رہگیا ' تو تزکیۂ نفوس اور ارشاد قلوب کیلیے ایک دوسری بعثت مستقلاً قائم ہوئی ' جو بعثت نبوۂ و ارشاد ہوئی ' اور اسطرح اصحاب طریقت و تصوف کی بنیاد پڑی - پہلے صرف ایک وجود تھا - وہ پادشاہ ' مجتہد ' مرشد ' قاضی القضاۃ ' سپہ سالار جنگ ' میر عدل و احتساب ' سب کچھہ تھا - اب یہ ساری قوتیں الگ الگ ہوگئیں - حکومت و فرمانروائی الگ ایک وجود میں آئی - اجتہاد و تفقہ کیلیے دوسرا وجود مرکز بنا - قضاء کیلیے تیسرا - ارشاد و تزکیۂ قلوب کیلیے جوتھا - و ھلم جرا - غرضکہ عہد اجتمـــاع قوی و مناصب کے بعد دور انتشار قوی و مناصب شروع ہوکر رفتہ رفتہ کمال ظہور و بلوغ تک پہنچ گیا - حتی کہ یہ تمام قوتیں اسطرح ایک دوسرے سے بیگانۂ و مخالف ہوگئیں کہ یا تو ایک ہی وجود میں جمع نہیں ' یا اب مختلف وجودوں میں بٹ کر بھی متفق نہ رہسکیں - صرف اختلاف تعدد و تنوع ہی نہیں رہا ' بلکہ اختلاف تضاد کی شکل پیدا ہوگئی - یہی سب سے بڑی مصیبت و ہلاکت تھی جو امت پر طاری ہوئی - مسلمانوں کے تنزل و ادبار کی اصلی علت یہ ہے - وہ افسانے نہیں ہیں جنمیں تم سرمست ہو - افسوس کہ سطحی و جزئی حالات کے استغراق نے اصلی اسباب و علل پرغور کرنے کی تمہیں کبھی مہلت نہ دی ' اور نہ بحث و نظر میں یورپ کی تقلید سے آزاد ہوسکے کہ خالص اسلامی فکر و نظر اسباب ترقی و تنزل پر تدبر کرتے !

غرضکہ خلافت راشدہ کے بعد جو سلسلۂ خلافت قائم ہوا ' وہ خواہ قرشی رہا ہو یا غیر قرشی ' مجرد ملوکی و پادشاہی کا سلسلہ تھا ' اور بجز چند مستثنی اوقات کے ( جیساکہ عہد حضرۃ عمر بن عبد العزیز ) یہ نیابت نبوت کے اور تمام اجزاء سے یکقلم خالی رہا - منصب بٹ چکے تھے - قوتیں منتشر ہو چکی تھیں - البتہ جو انقلاب سلطان عبد الحمید خان کے زمانے میں ہوا اور جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ سلاطین عثمانیہ کی خلافت طریق استبدادی و شخصی سے طریق شوری میں تبدیل ہوگئی ' سو بلا شبہ

خلافت راشدہ کی طرف عود و رجعت کا یہ ایک مبارک قدم تھا ' جسکے لیے شوریٰ اور پارلیمنٹ کا ہونا سب سے پہلی شرط ہے - لیکن ان جزئی مستثنیات کے علاوہ عام حالات و خصائص ہر دور اور ہر سلسلے کے وہی رہے جو ایک جامع لفظ " ملک عضوض " میں بتلادیے گئے تھے ' اور اس میں کبھی کوئی نمایاں اور پائدار تبدیلی نہ ہوئی -

# فصل

( اطاعت خلیفہ و التزام جماعۃ )

اس اجمالی تمہید کے بعد سب سے زیادہ اہم مسئلہ سامنے آتا ہے - یعنی اسلام کا وہ نظام شرعی جو ہر مسلمان کو خلیفۂ وقت کی معرفت اور اطاعت پر اسی طرح مجبور کرتا ہے ' جس طرح اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت پر - جب تک وہ اللہ اور اسکے رسول کے خلاف کوئی حکم نہ دے - اسلام کا قانون اس بارے میں اپنی تمام شاخوں اور تعلیموں کی طرح فی الحقیقت کائنات ہستی کے قدرتی نظام کا ایک جزء اور قوام ہستی کی زنجیر فطرۃ کی ایک قدرتی کڑی ہے - کائنات کے ہر حصہ اور ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی قدرت رسیدہ ایک خاص نظام پرکار فرما ہے جسکو " قانون مرکز " یا " قانون دوائر " سے تعبیر کیا جاسکتا ہے - یعنی قدرت نے خلقت و نظام خلقت کے بقا و قیام کیلیے ہر جگہ اور ہر شاخ وجود میں یہ صورت اختیار کر رکھی ہے کہ کوئی ایک وجود تو بمنزلۂ مرکز کے ہوتا ہے ' اور بقیہ اجسام ایک دائرہ کی شکل میں اسکے چاروں طرف وجود پاتے ہیں ' اور پورے دائرہ کی زندگی اور بقاء صرف اس مرکزی وجود کی زندگی اور بقا پر موقوف ہوتی ہے - اگر ایک چشم زدن کیلیے بھی دائرہ کے اجسام اپنے مرکز سے الگ ہوجائیں ' یا مرکز کی اطاعت و انقیاد سے باہر ہوجائیں ' تو معاً نظام ہستی درہم برہم ہوجاے اور دائرہ کی اکائی ہستیاں مرکز سے الگ رہکر کبھی قائم و باقی نہ رہسکیں - یہی وہ حقیقت ہے جسکو بعض اصحاب اشارات نے یوں تعبیر کیا کہ " الحقیقۃ کالکرۃ " اور صاحب فتوحات نے کہا کہ " دائرۂ قاب قوسین " ہے

یہ قانون مرکزیۃ ودائر نظام ہستی کے ہر جزؤ اور ہر حصہ میں صاف صاف دیکھا جاسکتا ہے - یہ نظام شمسی جو ہمارے اوپر ہے ' ستاروں کی یہ گنجان آبادی ' کروں کا یہ صحراے بے کنار ' زندگی اور حرکت کا یہ محیر العقول طلسم ' کیا ہے ؟ کس نظام پر یہ پورا کارخانہ چل رہا ہے ؟ اسی قانون مرکزیۃ پر - متحرک ستاروں کے حلقے اور دائرے ہیں ' ہر دائرہ کا نقطۂ حیات و بقا سورج کا مرکزی نقطہ ہے - تمام ستارے اپنے اپنے کعبۂ مرکز کا طواف کررہے ہیں اور ہر دائرہ کی ساری زندگی اور بقا صرف مرکز شمسی کی اطاعت و انقیاد پر موقوف ہے : ذلک تقدیر العزیز العلیم - خود ہماری زمین بھی ایک ایسے ہی دائرہ کی ایک کڑی ہے اور شب و روز اپنے مرکز کے طواف و انقیاد میں مشغول ہے - ہر ستارے کے طواف و دوران کیلیے حکمت الہی نے ایک خاص راہ اور ایک خاص زمانہ قرار دیدیا ہے - وہ اس سے باہر نہیں جاسکتا - سب بحکم و لہ اسلم من فی السماوات و الارض ( ۲ : ۸۳ ) اور ان اللہ یسجد لہ من فی السماوات و من فی الارض و الشمس و القمر و النجوم ( ۲۲ : ۱۹ ) خدا کے بنائے ہوے قانون کے مطابق اپنی اپنی جگہوں میں کام کر رہے ہیں : لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر ' و لا اللیل سابق النہار ' و کل فی فلک یسبحون ( ۳۶ : ۴۱ )

قانون مرکزیۃ کا یہ پہلا اور بلند ترین نظارہ تھا - اب اسکے بعد جسقدر نیچے اُترتے آئینگے ' اور حرکت و حیات کی بلندیوں سے لیکر زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے گوشوں تک نظر ڈالینگے ' ہر جگہ زندگی اور بقا اسی قانون سے وابستہ نظر آئیگی - عالم نباتات میں درخت کو دیکھو - اسکی ایک مجتمعہ وحدۃ کتنی وسیع کثرت سے مرکب ہے ؟ ڈالیاں ہیں ' شاخیں ہیں ' پتے ہیں ' پھول ہیں - لیکن سب کی زندگی ایک ہی مرکز یعنی جڑ سے وابستہ ہے - جڑ سے جہاں کوئی شاخ الگ ہوئی ' موت و فنا اُسپر طاری ہوگئی - آفاق کو چھوڑ کر عالم انفس کی طرف آؤ ' اور خود اپنے وجود کو دیکھو جسکے دیکھنے کیلیے نظر اُٹھانے کی بھی ضرورت نہیں - تمہارا وجود کتنے مختلف ظاہری و باطنی اعضاء سے مرکب ہے ؟ جسموں اور وجودوں کی ایک پوری بستی ہے

جو تم میں آباد ھے - ھر جسم کا فعل ھے اور ایک خاصہ - لیکن دیکھو ! یہ ساری آبادی کس طرح ایک ھی مرکز کے آگے سر بسجود ھے ؟ سب کی حیات کا مرکز صرف قلب ھے - اس سے الگ رھکر ایک عضو بھی زندہ نہیں رھسکتا " اذا اصلحت ' صلحت کلھا ' و اذا فسدت ' فسدت کلھا "

اسلام فی الحقیقت سنۃ اللہ اور فطرت اللہ ھی کا دوسرا نام ھے - اگر نوع انسانی کی سعادت و ارتقاء کیلیے قانون اسلام اسی فاطر السماوات و الارض کا بنایا ھوا ھے جسنے تمام کائنات کیلیے قانون حیات بنایا ' تو ضرور ھے کہ دونوں میں اختلاف نہو' بلکہ پہلا قانون پچھلے قانون عام کا ایک ایسا فطرتی جز نظر آے ' جیسے زنجیر کی ایک کڑی - پس اسلام کا نظام شرعی بھی ٹھیک ٹھیک اسی قانون مرکزیہ پر قائم ھوا - قرآن نے یہ حقیقت جا بجا واضح کی ھے کہ جس طرح اجسام و اشیاء کی زندگی اپنے اپنے مرکزوں سے وابستہ ھے ' اسی طرح نوع انسانی اور اسکی جماعت و افراد کا جسمانی و معنوی بقاء بھی قانون مرکزیہ پر موقوف ھے - جس طرح ستاروں کی زندگی اور حرکت کا مرکز و محور سورج کا وجود ھے - اسی طرح نوع انسانی کا بھی مرکز سعادت انبیاء کرام کا وجود ھے - پس انکی اطاعت و انقیاد بقاء و حیات کیلیے ناگزیر ٹھہری : و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (۴ : ۶۸) دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا مگر اسلیے کہ اسکی اطاعت کی جاے ' اور اسی لیے فرمایا ' فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ' ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیما ( ۴ ، ۶۹ ) اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ - پھر قوم و ملت کے بقاء کیلیے ھر طرح کے دائرے اور ھر طرح کے مرکز قرار دیے - اعتقاد میں اصلی مرکز عقیدۂ توحید کو ٹھہرایا جسکے گرد تمام عقائد کا دائرہ قائم ھے : ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء ( ۴ : ۵۲ ) عبادات میں نماز کو مرکز عمل ٹھہرایا جسکے ترک کردینے کے بعد تمام دائرۂ اعمال منہدم ھوجاتا ھے - " فمن اقامھا اقام الدین ' و من ترکھا فقد ھدم الدین " اور اسی لیے یہ بات ھوئی کہ " کان اصحاب رسول اللہ صلعم لایرون شئیا من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوۃ " ( ترمذی ) یعنی صحابۂ کرام کسی عمل کے ترک کردینے کو کفر نہیں سمجھتے تھے مگر نماز کے ترک کو - اسی طرح تمام قوموں اور ملکوں کا ارضی مرکز سعادت وادی حجاز کا کعبۃ اللہ قرار پایا : جعل اللہ الکعبۃ البیت

الحرام قیاماً للناس ۔ "قیاماً للناس" پر غور کرو ۔ اور چونکہ یہ مرکز ٹھہرا، اس لیے تمام دائرہ کا رخ بھی اسی طرف ہوا ۔ خواہ دنیا کی کسی جہت میں مسلمان ہوں، لیکن اُنکا منہہ اسی طرف ہونا چاہئیے : و حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ ( ۲ : ۱۴۵ )

پھر جس طرح شخصی اور اعتقادی و عملی زندگی کیلیے مراکز قرار پائے، ضرور تھا کہ جماعتی او رملی زندگی کیلیے بھی ایک مرکزی وجود قرار پاتا ۔ لہذا وہ مرکز بھی قرار دیدیا گیا ۔ تمام امت کو اس مرکز کے گرد بطور دائرہ کے ٹھہرایا ۔ اُسکی معیت، اُسکی رفاقت، اُسکی اطاعت، اُسکی حرکت پر حرکت، اُسکے سکون پر سکون، اسکی طلب پر لبیک، اُسکی دعوہ پر انفاق جان و مال، ہر مسلمان کیلیے فرض کردیا گیا ۔ ایسا فرض جسکے بغیر وہ جاہلیۃ کی ظلمت سے نکلکر اسلامی زندگی کی روشنی میں نہیں آسکتا ۔ اسلام کی اصطلاح میں اسی قومی مرکز کا نام "خلیفہ" اور امام ہے، اور جب تک یہ مرکز اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا ہے ۔ یعنی کتاب و سنۃ کے مطابق اُسکا حکم ہے، ہر مسلمان پر اسکی اطاعت و اعانت اُسی طرح فرض ہے جس طرح خود اللہ اور اُسکے رسول کی :

یا ایھا الذین آمنو اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ۔ فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللہ و الرسول، ان کنتم تومنون باللہ و الیوم الاخر ۔ ذلک خیر و احسن تاویلا ۔ ( ۴ : ۶۳ )

مسلمانو ! اطاعت کرو اللہ کی، اُسکے رسول کی، اور تم میں جو اولو الامر ہو، اُسکی ۔ پھر اگر کسی معاملہ میں تم مختلف ہوجاؤ تو چاہیے کہ اللہ اور اسکے رسول کی طرف لوٹو اور اسکے فیصلہ پر متفق ہوجاؤ ۔

اس آیت میں بالترتیب تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے ۔ اللہ کی، رسول کی، مسلمانوں میں جو اولو الامر ہو، اسکی ۔ اللہ کی اطاعت کتاب اللہ کی اطاعت ہے ۔ رسول کی اطاعت سے مقصود سنت قولی و عملی ہے ۔ باقی رہی اطاعت اولو الامر، تو نہایت قوی و روشن وجوہ موجود ہیں کہ "اولو الامر" سے مقصود مسلمانوں کا خلیفۂ و امام ہے جو کتاب و سنت کے احکام نافذ کرنے والا، نظام امت قائم رکھنے والا، اور تمام اجتہادی امور میں صاحب حکم و سلطان ہے :

اولاً، بحکم " القرآن یفسر بعضہ بعضاً " اولو الامر کی تفسیر خود قرآن ہی کے اندر تلاش کرنی چاہیے - اسی سورت میں آگے چلکر یہ لفظ دوبارہ آیا ہے :

و اذا جاءہم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ، ولو ردوہ الی الرسول و الی اولی الامر منہم ، لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم - ( ۴ . ۸۶ )

اور جب کوئی امن یا خوف کی خبر اُن تک پہونچتی ہے ، تو بلا سوچے سمجھے لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں - حالانکہ اگر وہ اللہ کے رسول کی طرف اور اُن لوگوں کی طرف رجوع کرتے جو اُن میں " اولو الامر " ہیں ، تو فوراً اصلیت کھل جاتی اور وہ اُس خبر کے سچے جھوٹے ہونے کا پتہ لگا لیتے -

اس آیت میں ایسے وقتوں کا ذکر کیا گیا ہے جب امن و خوف یعنی صلح و جنگ اور فتح و شکست کی افواہیں ملک میں پھیلتی ہیں اور بے اصل خبروں کی اشاعت سے لوگوں میں اضطراب و غلط فہمی پیدا ہوجاتی ہے - ایسی صورتیں منافقین اور بعض ضعیف القلب مسلمانوں کی وجہ سے عہد نبوی میں بھی پیش آجاتی تھیں - پس فرمایا کہ جب کوئی افواہ سنو تو پہلے اللہ کے رسول اور اپنے " اولو الامر " تک پہنچاؤ - تا کہ وہ اس کی صحت و عدم صحت کی تحقیق کرلیں اور خبر کی نوعیت اور راویوں کی حالت پر غور کرکے صحیح نتائج کا استنباط کریں - ایسا نہ کرو کہ جہاں کوئی افواہ سنی، فوراً اسپر یقین کرلیا اور لوگوں میں پھیلانا شروع کردیا -

اب غور کرنا چاہیے کہ اس آیت میں " اولو الامر " سے مقصود کون لوگ ہوسکتے ہیں ؟ یہ ظاہر ہے کہ ذکر امن و خوف کے حالات کا ہے - یعنی صلح و جنگ اور فتح و شکست کا - ان حالات کا تعلق صرف حکام و امراء ملک ہی سے ہوسکتا ہے - علما اور فقہاء سے نہیں ہوسکتا - معاملہ نظم ملک و قیام امن کا ہے - استنباط مسائل اور حلال و حرام کا نہیں ہے - پس لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اولو الامر سے مقصود وہی لوگ ہیں جنکے سپرد ملک کا انتظام اور جنگ و امن کا نظم و نسق ہوتا ہے ، اور جو اُن خبروں کی تحقیق کرسکتے ہیں جنکا اثر ملک کے امن و خوف پر پڑسکتا ہے - یعنی ارباب حکومت و امارت -

ثانیاً ، کتاب و سنۃ اور صدر اول کے آثار عربیۃ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ " امر " جب ایسی ترکیب کے ساتھ بولا جائے جیسی کہ یہاں ہے ،

تو اُسکا اطلاق عموماً حکومت و سلطنت ھی کے معنوں پر ھوتا ھے - احادیث میں یہ استعمال اس کثرت سے موجود ھے کہ ایک صاحب نظر کیلیے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں - بلحاظ لغت کی بنا پر بھی ظاھر ھے کہ " امر " کے معنی حکم کے ھیں، اور " اولی الامر " کے معنی امام بخاری نے " ذوی الامر " کے کیے ھیں - یعنی " حکم والا " اور معلوم ھے کہ صاحب حکم وھی ھوسکتا ھے جو صاحب حکومت ھو -

ثالثاً ، احادیث صحیحہ سے ثابت ھے کہ خود یہ آیت جس واقعہ کی نسبت اُتری ، وہ امیر جماعت کی اطاعت ھی کا معاملہ تھا - بخاری و مسلم میں ھے " عن ابن عباس نزلت فی عبد اللہ بن حذافہ بن قیس ابن عدی اذ بعثہ النبی صلعم فی سریہ " اور امام طبری نے تفسیر میں ایک روایت درج کی ھے کہ عمار بن یاسر اور خالد بن ولید کی باھمی نزاع کے بارے میں اُتری - خالد امیر تھے اور عمار نے بلا اُنکے حکم کے ایک شخص کو مزدوری پر رکھہ لیا تھا " فراب فی قصہ جرت لعمار مع خالد وکان خالد امیراً فاجار عمار رجلا بغیر امرہ فتخاصما " دونوں روایتوں سے ثابت ھوتا ھے کہ معاملہ امیر کی اطاعت و عدم اطاعت کا تھا ، نہ کہ احکام و مسائل کے حکم و افتاء کا -

رابعاً ، اکثر اقوال مرویۂ صحابۂ و تابعین سے بھی یہی تفسیر ثابت ھوتی ھے - بلکہ صدر اول میں صرف یہی تفسیر مشہور و معلوم تھی - بہت سی موشگافیاں جو پیدا کی گئی ھیں ، سب بعد کے مفسرین کی طبع زاد ھیں - حافظ ابن حجر نے ابن عیینہ کا قول نقل کیا ھے " سألت زید بن اسلم عنھا و لم یکن بالمدینۃ احد یفسر القران بعد محمد بن کعب مثلہ - فقال اقرأ ما قبلھا تعرف - فقرأت : ان اللہ یامر ان تؤدوا الامانات الی اھلھا و اذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل - فقال ھذہ فی الولاۃ " ( فتح ۱۳ : ۹۹ ) یعنی مدینہ میں محمد بن کعب کے بعد زید بن اسلم سے بڑھکر قران کا کوئی مفسر نہ تھا - میں نے انسے اس بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے کہا - اس آیت سے ما قبل آیت پڑھو - میں نے پڑھا " ان اللہ یامر ان تؤدوا الامانات الی اھلھا و اذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل " پس کہا کہ مقصود اس سے حکام ھیں - یعنی چونکہ پہلے سے ذکر حکومت و قضا کا ھو رہا ھے ، پس اولو الامر سے مقصود وھی ارباب اقتدار ھیں جو حکومت رکھتے ھوں - طبری نے بسند صحیح حضرۃ ابو ھریرہ اور میمون بن مہران وغیرہ سے

نقل کیا ہے " هم الامراء " اور علامۂ ابن حزم نے اُن تمام صحابۂ و تابعین کو شمار کیا جن سے یہ تفسیر منقول ہے تو ۱۳ - سے زیادہ ثابت ہوے - باقی رہا بعض صحابۂ و تابعین کا یہ کہنا کہ مقصود اہل علم و نظر ہیں - مثلاً جابر بن عبد اللہ کا قول کہ " هم اهل العلم و الخير " اور مجاهد و عطاء و ابو العالیہ کا قول کہ " هم العلماء " تو ان اقوال میں اور صحابہ کی مشہور تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں ہے - در اصل اسلام کا نظام حکومت و جماعت تو یہی تھا کہ حکومت و ولایت کا منصب تمام شرعی و علمی قوتوں سے مرکب ہو ' اور اُسوقت تک قوتوں کے انتشار اور مناصب کے تفرقہ کی بنیادیں نہیں پڑی تھیں - پس جو شخص والی ملک اور حاکم مسلمین ہوتا تھا ' وہ بدرجۂ اولی عالم و مجتهد بھی ہوتا تھا - پس جن صحابۂ و تابعین نے " اولو الامر " کی تفسیر میں علم و خیر کا ذکر کیا ' انھوں نے واقعی بہت صحیح تفسیر کی - گویا ظاہر کردیا کہ مسلمانوں کا اولو الامر ایسے ہی افراد کو ہونا چاہیے جو اہل علم و خیر ہوں - مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اولو الامر سے مقصود علماء و فقہا کا وہ مخصوص و متعارف گروہ ہے جو اسلام کے نظام جماعت کے انقراض کے بعد پیدا ہوا ' اور جسکا صدر اول کے مفسرین کو وہم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا ؟

امام ابن جریر نے عکرمہ کا ایک قول نقل کیا ہے " ابو بکر و عمر " اس سے بھی اُنکا مقصود یہی ہے کہ اولو الامر مسلمانوں کا خلیفۂ و امام ہے - جیسے ابوبکر و عمر - رضي الله عنهما -

اصل یہ ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے حجاز میں ایک طرح کی با قاعدہ طوائف الملوکي قائم تھی ' اور مکہ میں قریش کا قبیلہ بالکل خود مختار اور غیر مسئول تھا - اسلام کا جب ظہور ہوا تو اُس نے " جماعت " اور " امارت " کے نظام پر زور دیا ' اور بڑے بڑے گردن کشوں کو بھی مجبور کردیا کہ اطاعت امیر و التزام جماعت سے باہر نہوں - قریش کي نسلي فطرة اس اطاعت کیشي کے خلاف تھی ' اسلیے خصوصیت کے ساتھہ اُنکو اس بات کا خوگر بنانا تھا - حافظ عسقلاني نے امام شافعي کا قول نقل کیا ہے " و رجح الشافعي الاول و احتج بأن قريشا كانوا لا يعرفون الامارة و لا ينقادون الى امير ' فامروا بالطاعة لمن ولى الامر ' و لذلك قال صلعم ' من اطاع اميري ، فقد اطاعني . " ( فتح ۸ : ۱۹۱ )

خامساً ' تاریخ اسلام کے سب سے بڑے فقیہ یعنی امام بخاری کا بھی مذہب یہی ھے - کتاب الاحکام میں باب باندھا ھے " اطیعو اللـــہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم " اور اس میں حضرت ابو ھریرۃ کی روایت درج کی ھے " من اطــــاع امیری فقد اطـــاعنی " الخ جس نے میرے امیر کی اطـــاعت کی اسنے خود میری اطاعت کی - جس نے اُس سے انکار کیا اُس نے خود مجھسے انکار کیا - اس سے معلوم ھوا کہ اُن کے نزدیک اولی الامر کی اطاعت سے مقصود امرا و امام ھی کی اطاعت ھے - حافظ عسقلانی لکھتے ھیں " فی ھذا اشارۃ من المصنف الی ترجیح القول الصائر الی أن الایۃ نزلت فی طاعۃ الامراء ' خلافاً لمن قال نزلت فی العلماء " ( فتح ۱۳ : ۹۹ )

سادساً ' سب سے زیادہ قدیم اور مکمل تفسیر جو اسوقت ھمارے پاس موجود ھے ' وہ امام ابن جریر طبری کی تفسیر ھے ' اور صحابۃ و تابعین کی تفاسیر پر اُنکا احاطۂ و نظر معـــلوم ' انھوں نے بھی تمام اقوال نقل کرکے ترجیح اسی تفسیر کو دی ھے -

سابعاً ' اس نکتہ پر نظر رھنی چاھیے کہ تفسیر قران کے معاملہ میں جسقدر اختلافات کی کثرت اور مذاھب و طرق کا تعدد و تنوع نظر آتا ھے ' وہ تمام تر متاخرین کی فلسفیانہ کاوش پسندی کا نتیجہ ھے جبکہ معقولات کے شیوع اور یونانیہ کے علمۂ و احاطہ سے علوم دینیہ میں اُس " تعمق " کی بنیادیں پوری طرح پڑ چکی تھیں جسکی نسبت کہا گیا تھا کہ " ھلک المتعمقون " - فکر و نظر میں عجمیۃ کے ظہور ' عربیۃ خالصۃ و صالحہ کے بعد ' اور علوم سنۃ کے ترک و ھجر نے اس معاملہ کو اور زیادہ گہرا اور وسیع کردیا - لیکن اوائل و سلف میں یہ تمام اختلافات یکقلم نابید تھے - ھر آیت اور ھر لفظ کے ایک ھی صاف اور سادہ معنی تھے جو عربی لغۃ و محاورہ میں ھوسکتے ھیں اور لوگ اُس پر قانع تھے - ابداع معـــانی کثیرہ اور تفحص اشارات و مفہومات بعیدہ کی کاوش ھی نہیں کی جاتی تھی - نہ فرضی و تخمینی شکوک و ایرادات گڑھکر نئے نئے معانی فرض کیے جاتے تھے - " اولو الامر " کا لفظ جب کبھی ایک ایسے عرب کے سامنے کہا جائیگا جسکی عربیۃ خالص و صحیح ھو ' تو صـــرف ایک ھی معنی اُس کے ذھن میں آئینگے - یعنی صـــاحب حکومت - کسی دوسرے مفہوم کا اسے وھم بھی نہیں گزرے گا - صحابۂ و تابعین اسپر قانع تھے - لیکن امام رازی کی دقیقہ سنجی اس سہل پسندی اور لغوی سادگی پر قانع نہیں ھوسکتی - اس لیے وہ امکانی مطالب کا وسیع

سے وسیع میدان ڈھونڈھتے ہیں اور ہر ممکن مفہوم کو بحث و نظر کی ورزش کیلیے اختیار کرلینا چاہتے ہیں - پس متاخرین کے اختلافات سے متاثر نہیں ہونا چاہیے - صرف اُسی تفسیر کو اختیار کرنا چاہیے جو حدیث و آثار سے ماخوذ ہو' اور لغۃ و عربیۃ اسکی تصدیق کرے - متاخرین کی کاوشیں دراصل ایک طرح کا منطقی تفنن ہے جس سے دماغ کو ورزش ملتی اور ذہن میں جدت پیدا ہوتی ہے - لیکن تفسیر قرآن نہیں ہے - قرآن کی تفسیر صرف وہی ہوسکتی ہے جو خود حامل قرآن کے علوم سے ماخوذ ہو' اور اُن لوگوں نے بتلائی ہو جنکے علم و عمل پر خود الله نے اپنی رضاء و پسندیدگی کی شہادت دی ہے . رضی الله عنهم ورضوا عنه ! اگر سلف سے اعراض و انکار اس بنا پر ہے کہ اصول فقه و علم کلام کی یونانی دقیقه سنجیوں سے نا آشنا تھے' تو کم از کم قرآن کا علم تو اُنکے لیے چھوڑ دینا چاہیے - یہ کیا مصیبت ہے کہ قرآن نازل تو ہوا ہو محمد عربی ( صلی الله علیه و سلم ) پر' لیکن اُسکے معانی و مطالب اُس وقت تک مسلمانوں کو معلوم نہوں جب تک ارسطوے یونانی اُنکی رہنمائی نه کرے ؟

امام رازی ( رح ) وغیرہ کو زیادہ حیرانی اس بنا پر ہوئی ہے کہ اولو الامر کی اطاعت کا ذکر بھی الله اور رسول کی اطاعت کے ساتھہ کیا گیا ہے' اور عطف تسویه پیدا کر رہا ہے' پس اولو الامر ایسا ہونا چاہیے جسکی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہو' سلاطین و امراء کو یہ منصب کیونکر حاصل ہوسکتا ہے ؟ حالانکہ بات بالکل صاف تھی - حیرانی کی کوئی وجه نہیں - قرآن و سنت قانون ہے' لیکن قانون بالکل بیکار ہے اگر کوئی قوت نافذہ نہو - یعنی اس قانون پر عمل کرانے والی قوت' اور ظاہر ہے کہ جو قوت نافذہ ہوگی' اسکی اطاعت عین قوت مقننه کی اطاعت ہوگی - ایک دہقانی تک جانتا ہے کہ گورنر اور نائب السلطنت کی اطاعت عین پادشاہ کی اطاعت ہے - بلکہ ایک سپاہی کی اطاعت بھی عین قانون اور پادشاہ کی اطاعت ہوتی ہے - اور اس سے مقابلہ کرنا عین قانون اور پادشاہ سے بغاوت کرنا - یہ ساری بحثیں اسلیے پیدا ہوگئیں کہ اسلام کے جماعتی نظام کی اہمیت پر نظر نہ ڈالی گئی - اگر یہ حقیقت پیش نظر ہوتی کہ شریعت کے نفاذ اور امت کے قوام و نظام کیلیے ایک مرکزی اقتدار ناگزیر ہے اور وہی امام اور اُسکے نائب امراء ہیں' تو اولی الامر کا مطلب بالکل صاف تھا - کسی کاوش و بحث کی ضرورت ہی نہ تھی

" فان تنازعتم " الخ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ اسلامی خلیفہ کا وجود مسیحیت کے پوپ سے کس درجہ مختلف ہے جو اسلام کے نزدیک اربابا من دون اللہ میں داخل ہے - مسیحیت کا خلیفہ ' ارضی خلیفہ نہیں ہے - آسمانی و دینی فرمانروا ہے جو مذہب کی آخری طاقت اپنے قبضہ میں رکھتا ہے - لیکن اسلامی خلافت کی اصلی بنا خلافت ارضی یعنی حکومت و سلطنت ہے - وہ صرف شریعت اور امت کی حفاظت کرنے والا اور احکام شریعت نافذ کرنے والا ہے - یعنی محض ایک قوت نافذہ ہے - نہ کہ مقننہ - اسکی ذات کو اصل شریعت اور اسکے احکام میں کوئی دخل نہیں - اگر ایسا نہ ہوتا تو فردوہ الی اللہ و الرسول نہ فرمایا جاتا - یعنی اگر کوئی ایسی صورت پیش آجاے جسمیں نزاع و اختلاف پیدا ہو ' تو پھر اسکے آخری فیصلہ کی قوت خلیفہ کا حکم نہیں ہے بلکہ مرکز اولین و حقیقی کا - یعنی قرآن و سنت کا - اور خود خلیفہ بھی اسکی اطاعت پر اسی طرح مجبور ہے جس طرح جماعت امت کا ہر عام فرد -

یہی وجہ ہے کہ " اطیعوا اللہ " کے بعد پھر اطیعوا الرسول " میں فعل کا اعادہ کیا گیا مگر " اولی الامر " میں نہیں کیا گیا - تاکہ واضح ہوجاے کہ اصل اطاعت جو مطلوب ہے وہ اللہ کی ہے اور رسول کی ہے - یعنی کتاب و سنت کی ' اور اولو الامر کی اطاعت صرف اسیلیے ہے تاکہ کتاب و سنت کی اطاعت کی جاے - بالاستقلال نہیں ہے - پھر " فان تنازعتم " کہکر اور زیادہ واضح کردیا کہ اگر اولو الامر کتاب وسنت کے خلاف حکم دے تو پھر اس حکم میں انکی اطاعت نہیں ہے - اللہ اور اسکے رسول ہی کے حکم کی طرف لوٹنا چاہیے - قالہ الطیبی فی الشرح -

بعض امراء بنو امیہ نے اپنے مظالم و بدعات کی اطاعت کرانے کیلیے جب اس آیت سے استدلال کیا اور کہا " الیس اللہ امرکم ان تطیعونا فی قولہ و اولی الامر منکم " ؟ کیا خداے تم لوگوں کو ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے کہ و اولی الامر منکم ؟ تو بعض آئمۂ تا بعین نے کیا خوب جواب دیا " الیس قد نزعت عنکم بقولہ فان تنازعتم " ؟ ہاں ' مگر پھر اس منصب سے تم محروم بھی تو کردیے گیے جب فرمایا کہ فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللہ والرسول -

غرضکہ اس انہ کریمہ میں قرآن نے اس قانون شریعت کا اعلان کیا ہے کہ خلیفۂ و امام کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے ' ارر اسی کا وجود نظام جماعت کا مرکزي اقتدار ہے -

# فصل

( شرح حدیث حارث اشعری )

احادیث صحیحہ سے اسکی مزید توضیح ہوتی ہے - اس بارہ میں اس کثرت کے ساتھہ حدیثیں موجود ہیں ' ارر عہد صحابہ سے لیکر عہد تدوین کتب تک مختلف طبقات رواۃ و حفاظ میں اسقدر اُنکی شہرت رہچکی ہے کہ اسلام کے عقیدۂ توحید و رسالت کے بعد شاید ہی کوئي آرر چیز اس درجہ تواتر و یقین تک پہنچي ہوگی -

سب سے پہلے میں مسند امام احمد وغیرہ کي ایک روایت نقل کرو نگا جسمیں بالترتیب اسلام کا نظام عمل بیان کیا گیا ہے '

قال صلی اللہ علیہ وسلم " انا امرکم بخمس ' اللہ امرني بہن ' الجماعۃ ' و السمع ' والطاعۃ ' والہجرۃ ' والجہاد فی سبیل اللہ - فانہ من خرج من الجماعۃ قید شبر ' فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ الا ان یراجع ' و من دعا بدعوي جاھلیۃ فہو من حثی جہنم - قالوا یا رسول اللہ و ان صام وصلي ؟ قال و ان صلی وصام و زعم انہ مسلم " اخرجہ احمد و الحاکم من حدیث " الحارث الاشعري علی شرط الصحیحین - قال ابن کثیر ھذا حدیث حسن و لہ الشواھد -

یعني فرمایا - میں تم کو پانچ باتوں کیلیے حکم دیتا ہوں جنکا حکم اللہ نے دیا ہے - جماعت ' سمع ' طاعۃ ' ہجرۃ ' ارر اللہ کي راہ میں جہاد - یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باھر ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپني گردن سے نکال دیا ' اور جس نے اسلام کي جماعتی زندگی کي جگہ جاھلیۃ کي بے قیدي کي طرف بلایا تو اُسکا ٹھکانا جہنم ہے - لوگوں نے عرض کیا - کیا ایسا شخص جہنمي ہوگا اگرچہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو ؟ فرمایا ہاں - اگرچہ روزہ رکھتا ہو ' نماز پڑھتا ہو ' اور اپنے زعم میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو -

اس حدیث میں پانچ باتیں بتلائی ہیں

(۱) پہلی چیز "جماعت" ہے - یعنی تمام اُمت کو ایک خلیفہ و امام پر جمع ہوکر اور اسے مرکز قومی سے جڑ کے رہنا چاہیے- الگ الگ نہیں رہنا چاہیے - آگے چلکر کثرت کے ساتھہ وہ حدیثیں ملینگی جن سے معلوم ہوگا کہ جماعت سے الگ ہوکر رہنے کو یا ایسی منتشر زندگی کو جو ایک بندھی اور سمٹی ہوئی جماعت کی شکل نہ رکھتی ہو اور کسی امیر کے تابع نہو' اسلام نے غیر اسلامی اور اہلیسی راہ قرار دیا ہے - انفرادی زندگی کو وہ زندگی ہی نہیں مانتا - اسلامی زندگی " جماعت " ہے -

" جماعت " سے مقصود افراد کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں اتحاد ' ائتلاف ' امتزاج ' اور نظم ہو -

" اتحاد" سے مقصود یہ ہے کہ اپنے اعمال حیات میں منتشر نہوں - ایک دوسرے سے ملے ہوے ہوں اور انکے تمام اعمال مل جلکر انجام پائیں - کسی گوشۂ عمل میں بھی پھوٹ اور بیگانگی نہو-

" ائتلاف " کا مرتبہ " اتحاد " سے بلند تر ہے - " اتحاد " صرف باہم مل جانا ہے - ضرور نہیں کہ کسی تناسب کے ساتھہ ترکیب ہوئی ہو- لیکن " ائتلاف " سے مقصود ایسا اتحاد ہے جو محض اتحاد ہی نہ ہو بلکہ ایک صحیح و مناسب ترکیب کے ساتھہ اتحاد ہو- یعنے منتشر افراد اسطرح باہم ملے ہوں کہ جس فرد کو اسکی صلاحیت و قوت کے مطابق جو جگہ ملنی چاہیے ' وہی جگہ اُسے ملی ہو- اور ہر فرد کی انفرادی قوت کو جماعتی ترکیب میں اُتنا ہی دخل دیا جاے ' جتنی مقدار میں دخل پانے کی اسمیں استعداد ہو- ایسا نہو کہ زید کو سردار ہونا چاھیے اور اس سے چاکری کا کام لیا جاے ' اور عمرو کی قابلیت کا عنصر صرف جھتانک بھر جزو جماعت ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے - اسکو سیر بھر قرار دیدیا جاے -

" امتزاج " ترکیب کا تیسرا مرتبہ ہے - اسمیں کمیت سے زیادہ کیفیت کا اتحاد ہونا چاھیے - یعنی مختلف افراد کو باہم اسطرح ملایا جاے کہ جس فرد کا اجتماعی مزاج جس قسم کے مزاج کے ساتھہ ملکر ایک متحدہ کیفیت حاصل کرسکتا ہے ' ویسا ہی مزاج اسکے ساتھہ ملایا جاے - یہ نہو کہ دو ایسے آدمیوں کو ملا دیا گیا جنکی طبیعت و خصلت اور استعداد و صلاحیت باہمدگر میل نہیں کھا سکتی اور اسلیے خواہ کتنا ہی دونوں کو

ملاؤ، لیکن بدل ذرّاتی کی طرح ہمیشہ الگ الگ شی نظر آئیں، باہم ملکر ایک جان نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح عناصر کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ باہمدگر ملکر ایک نئے مرکب وجود میں متشکل ہوں، اسی طرح افراد انسانی کو بھی اسلئے پیدا کیا تاکہ انکے باہم ملنے سے جماعت پیدا ہو۔ "جماعت" ایک مرکب وجود ہے - افراد اسکے عناصر ہیں - وہ بجائے خود کوئی کامل وجود نہیں رکھتا - محض ایک مبتدی ہے، اور جب تک اپنے بقیہ ٹکڑوں سے مل نہ جائے مکمل وجود نہیں پاسکتا۔ لیکن یہ باہم ملنا "امتزاج" کے ساتھہ ہونا چاہیئے - تاکہ ہر ٹکڑہ اپنے صحیح و مناسب ٹکڑہ کے ساتھہ ملکر اسطرح جڑ جائے کہ معلوم ہو، یہ نگینہ اسی انگشتری کے لیے تھا!

"نظم" سے مقصود جماعت کی وہ ترتیبی و تقویمی حالت ہے جب اسکے تمام افراد اپنی اپنی جگہوں میں قائم، اپنے اپنے دائرہ میں محدود، اور اپنے اپنے فرائض و اعمال کے انجام دینے میں سرگرم ہوں -

اجتماع کے یہ خواص و اوصاف نہ تو حاصل ہوسکتے ہیں، نہ قائم رہ سکتے ہیں، جب تک کوئی بالا تر فعال و مدبر طاقت وجود میں نہ آئے، اور وہ منتشر افراد کو ایک متحد، مؤتلف، ممزوج، اور منظم جماعت کی شکل میں قائم نہ رکھے - پس ایک "امام" کا وجود ناگزیر ہوا، اور اسی لیے ضروری ہوا کہ سب سے پہلے تمام افراد ایک ایسے وجود کو اپنا امام و مطاع تسلیم کرلیں جو بکھرے ہوئے اجزاء کو اتحاد و ائتلاف اور امتزاج و نظم کے ساتھہ جوڑ دینے اور اُڑتے ہوئے ذروں سے ایک حی و قائم جماعتی وجود پیدا کردینے کی قابلیت رکھتا ہو - اصل مرکز اس طاقت کا امام اعظم یعنی خلیفہ ہے - اور پھر ہر ملک، ہر آبادی، ہر گروہ میں اسکے ماتحت امام جماعت ہونے چاہئیں - مسلمانوں کے کسی چھوٹے سے چھوٹے گروہ کیلیے بھی شرعاً جائز نہیں کہ بلا قیام امام کے زندگی بسر کریں - حتیٰ کہ اگر صرف تین مسلمان بھی ہوں، تو چاہیے کہ ایک ان میں سے امام تسلیم کرلیا جائے - "اذا کان ثلاثة في سفر، فلیؤمروا احدهم"

پانچ وقت کی جماعت نماز میں جماعتی نظام کا پورا پورا نمونہ مسلمانوں کو دکھلا دیا گیا - کیونکہ نماز ہی وہ عمل عظیم ہے جو اسلام کے تمام عقائد و اعمال کا جامع ترین نمونہ ہے - کس طرح سیکڑوں ہزاروں منتشر افراد مختلف مقاموں، مختلف جہتوں، مختلف شکلوں، اور مختلف

اندسرن صص آتے هیں ' لیکن دکایک صداے تکبیر سب کے انتشار کو ایک کامل اتحادی جسم میں تبدیل کردیتی هے - یہانتک کہ هزاروں اجزاء کا یہ منتشر مواد بالکل ایک جسم واحد کی صورت اختیار کرلیتا هے - سب کے وجود ایک هی صف میں کھڑے هوے ' سب کے کاندھے ایک دوسرے سے ملے هوے ' سب کے قدم ایک هی سیدھہ میں ' سب کے چہرے ایک هی کی جانب - قیام کی حالت هے تو سب ایک جسم واحد کی طرح کھڑے هیں ' جھکاؤ هے تو تمام صفیں بہ یک وقت جھکی هوئی هیں - ظاهر کے ساتھہ باطن بھی یکسر متحد و ممزوج - سب کے دل ایک هی کی یاد میں محو ' سب کی زبانیں ایک هی کے ذکر میں مترنم - پھر دیکھو ' سب کے آگے صرف ایک هی وجود امام کا نظر آتا هے جسکے اختیار میں جماعت کے تمام اعمال و افعال کی باگ هوتی هے - جب چاهے سب کو جھکا دے - جب چاهے سب کو اٹھا دے -

اسلام کی زبان میں " جماعت " سے مقصود ایسا اجتماع هے - انبوہ اور بھیڑ کا نام جماعت نہیں هے -

جماعت کے جن اوصاف و خواص کا اوپر ذکر کیا گیا ' وہ تمام تر قرآن و سنت سے ماخوذ هیں - لیکن شواهد کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں -

( ۲ ) دوسری چیز " السمع " هے - یعنی امام جو احکام دے ' اسکو سننا ' اور اس سے تعلیم و ارشاد حاصل کرنا - " سمع " کے لفظ میں قبولیت احکام و طلب تعلیم ' دونوں کی طرف توجہ دلائی هے اور امام کی معلمانہ حیثیت کو نمایاں کیا هے -

( ۳ ) تیسری چیز " طاعت " هے - یعنی امام کی کامل درجہ اطاعت و فرماں برداری ' اور اپنی تمام عملی قوتوں کو اس کے سپرد کردینا ' اور اس کے هر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کرنا - البتہ اطاعت معروف میں هے - نہ کہ معصیت میں کہ " انما الطاعة فی المعروف "

(۴) چوتھی بات " هجرۃ " هے - هجرۃ هجر سے هے جسکے معنی ترک کردینے اور چھوڑ دینے کے هیں " الهجر والهجران مفارقة الانسان غیرہ ' اما بالبدن او باللسان او بالقلب - و المهاجرۃ مصارمة الغیر و متارکة " ( ۵۵۸ ) اسلام کی اصطلاح میں جب کبھی کوئی فرد یا جماعت سعادت و صداقت کے کسی مقصد اعلی کیلیے اپنی دنیوی محبوبات و مالوفات ترک کردے - مثلاً دولت کو ' آرام و راحت کو ' عزیز و اقرباء کے قرب کو ' وطن و مکان کو ' تو اسکا نام

ھجرۃ الی اللہ اور ذھاب الی اللہ ہے - خدا کے ھر رسول اور انکے بندوں کو پیغام حق کی راہ میں یہ منزل طے کرنی پڑی "انی مہاجر الی ربی" - اور "انی ذاھب الی ربی" - چونکہ وطن و مکان کا علاقہ ایک ایسا علاقہ ہے جسکے ترک کرنے میں اھل و عیال ' مال و متاع ' دوست و احباب ' ہر طرح کے علاقوں کو ترک کرنا پڑتا ہے ' اور اسکی مصیبت راحت کی زنجیروں اور ساری زنجیروں سے بھاری ہے ' اسلیے ترک وطن کی ھجرۃ اعلی اور جامع قسم کی ھجرۃ ہوئی ' اور زیادہ تر مہاجرۃ کا اطلاق ترک وطن ہی پر کیا گیا - " ولکل امری ما نوی - فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ ' فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ' ومن کانت ھجرتہ لدنیا یصیبہا ' اوامرأۃ یتزوجھا ' فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ" (بخاری عن عمر رض) یعنی ھر شخص کیلیے وہ ہے جسکی اس نے نیت کی - پس جس نے اللہ اور اسکے رسول کیلیے ھجرۃ کی تو اسکی ھجرۃ اللہ اور اسکے رسول کیلیے ہوئی ' اور جس نے اسلیے گھر چھوڑا کہ دنیا کمائے یا نکاح کرے ' تو اسکی ھجرۃ اسی کام کیلیے ہوئی جسکے لیے اس نے گھر چھوڑا - پھر ھجرۃ کے بھی اقسام ہیں اور مراتب - بعضھا فوق بعض - کتاب و سنت اسکی تفصیل سے لبریز ہیں - یہ موقعہ تفصیل کا نہیں -

پانچویں چیز "جہاد فی سبیل اللہ" ہے - "جہاد" جہد سے ہے جسکے معنی " استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو ظاھراً و باطناً " ہیں ( مفردات راغب ) یعنی دشمن اور دشمن کی تمام قوتوں کے دور کرنے اور اپنے کو قائم و باقی رکھنے کیلیے انتہا درجہ کی کوشش کرنا - یہ کوشش زبان سے بھی ہوتی ہے - مال سے بھی ہوتی ہے - جان سے بھی ہوتی ہے - جس قسم کی کوشش کی ضرورت ہو - ہر قسم جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے - " وجاھدوا المشرکین باموالکم و انفسکم و السنتکم " ( رواہ ابوداؤد ' و احمد ' و نسائی ' و ابن حبان ' عن انس )

یہ کہنا ضروری نہیں کہ یہی پانچ چیزیں دنیا میں قوموں اور ملکوں کے بقاء و قیام کی اصلی بنیاد ہیں - دنیا میں کوئی قوم زندہ نہیں رہسکتی جسکی قومی ہستی ان پانچ عناصر سے مرکب نہو - سعی و عمل کا کوئی گوشہ ہو ' کامیابی بغیر ان اصول خمسہ کے نہیں مل سکتی - تم منتہی بھر گیہوں کے طالب ہو یا قطب شمالی کی تحقیق کے ' مگر کوئی چیز بھی بغیر

جماعت، اطاعت، ہجرۃ، اور جہاد کے حاصل نہ ہو سکیگی - دنیا نے آجتک جو کچھہ پایا ہے، غور کروگے تو وہ سب انہی پانچ سچائیوں کے ثمرات و نتائج ہیں -

دنیا کے تمام نزاعات و اختلافات کی ایک سب سے بڑی علت حقیقت کی وحدت اور اسماء و مصطلحات کی کثرت ہے - طلب صداقت کے اکثر جھگڑے حکایت شہد و عسل سے زیادہ نہیں - یعنی سچائی ہر جگہ اور ہر گوشۂ عمل میں حقیقت و مسمی کے اعتبار سے ایک ہی ہے، لیکن نہیں مختلف ہوگئے ہیں اور نام متعدد - مصیبت یہ ہے کہ دنیا معانی کی جگہ لفظوں کی پرستش کرتی ہے، اور گو سب طلبگار و پرستار ایک ہی حقیقت کے ہیں، لیکن محض ناموں کے اختلاف کی وجہ سے باہمدگر لڑ رہے ہیں - ایک کہتا ہے شہد - دوسرا کہتا ہے عسل - مگر کوئی نہیں جو دونوں کو سمجھا دے کہ مقصود دونوں کا ایک ہی ہے - اختلاف مسمی میں نہیں ہے - صرف اسم میں ہے - ایک شخص شب و روز ایک حقیقت کو مانتا اور جانتا ہے، لیکن اپنی اصطلاح و رسم میں کسی خاص لقب سے پکارتا ہے - وہی حقیقت جب ایک دوسرے نام سے اسکے سامنے پیش کی جاتی ہے تو فوراً انکار کردیتا ہے اور اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اس سے ہر طرح نفرت کرے - مذاہب کے اختلافات سے لیکر معاشرت و رسوم کے چھوٹے چھوٹے اختلافات تک، ہر جگہ یہی علت کام کر رہی ہے - اگر کبھی ایسا ہوسکے کہ ظواہر و اسماء کے تمام پردے اٹھادیے جائیں اور حقیقت بے نقاب ہوکر سب کے سامنے آجاے، تو یکایک دنیا کے تمام نزاعات ختم ہو جائیں، اور تمام لڑنے والے دیکھہ لیں کہ سب کا مطلوب ایک ہی ہے اگرچہ نہیں مختلف ہیں، اور سب کا مقصود ایک ہی ہے اگرچہ نام بہت سے ہیں:

عباراتنا شتی و حسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر

علوم و حقائق کے مشاهد و مناظر میں یہ مشهد سب سے اعلی و ارفع مقام رکھتا ہے - اسی کو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ " علم الجمع بین المختلفات " سے تعبیر کرتے ہیں ( ۱ ) اور عامۂ اصحاب اشارات

---

( ۱ ) تفہیمات میں لکھتے ہیں " لما تمت بی دورۃ الحکمۃ، البسنی اللہ خلعۃ المجددیۃ، وعلمت علم الجمع بین المختلفات "

و سلوک نے ” مشہد وحدۃ “ کی اصطلاح اختیار کی ہے جو سالک طریق کیلیے کشف حجب اور سیر حقائق کا سب سے بلند تر مقام ہے - مقصود اس سے وہ قوت نظر و فکر ہے جو ظواہر سے گزرکر حقیقت تک پہنچ جاے ' اور اسماء و تعبیرات کے اختلافات دورکرکے مقاصد و معانی کا اتحاد معلوم کرلے - بعدلکہ سارے نزاعات و اختلافات دور ہوجائیں ' اور سمت سے سمت متنازع و متضاد راہوں پر چلنے والے بھی دیکھہ لیں کہ اصل مطلوب دونوں کا ایک ہی ہے -

اس اصل کو پیش نظر رکھکر اگر غور کروگے تو واضح ہو جائیگا کہ جماعت ' تعلیم ' اطاعت ' ہجرت ' اور جہاد ' دنیا کی وہ عالمگیر صداقتیں ہیں ' جنکی حقیقت سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں ہوسکتا - دنیا کی کوئی صالح جماعت ایسی نہیں ہے جس نے انسے الگ رہکر کامیابی حاصل کی ہو - ہر عقل نے انکا اقرار کیا ہے ' ہر دل میں انکا اعتقاد موجود ہے ' اور ہر عامل جماعت شب و روز انپر عمل کر رہی ہے - البتہ ناموں کے اختلاف نے ساری الجھن ڈال دی ہے - اسلام نے جن ناموں سے انکو تعبیر کیا ہے ' انسے دنیا کو اختلاف ہے ' لیکن اسلام جن حقیقتوں کو پیش کرتا ہے ' انسے دنیا اختلاف نہیں کرسکتی - اگر کرے تو زندگی اور مراد سے محروم ہوجاے -

اس نظام میں پہلی چیز ” جماعت “ ہے جسکی مختصر تشریح اوپر گزر چکی - غور کرو ' دنیا کا کونسا کام ایسا ہے جسکو بلا اجتماع و جماعت کے انجام دیا جاسکتا ہے ؟ جماعت کی زیادہ دقیق اور فلسفیانہ تعریف چھوڑ دو - صاف اور سیدھے سادھے معنی جو ہوسکتے ہیں ' صرف انہیں پر غور کرلو - سوسائٹی ' پارٹی ' کمیٹی ' کلب ' انجمن ' کانفرنس ' پارلیمنٹ ' بلکہ قوم ' ملک ' فوج ' ان سب سے مقصود کیا ہے ؟ یہی کہ ” جماعت “ اور ” التزام جماعت “ - وحشی قوموں تک کو دیکھتے ہو کہ جنگل کے درختوں کے نیچے اکٹھے ہوجاتے ہیں ' اور مل جلکر اپنے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں - پھر جماعت بے سود ہے اگر اسکا نظام نہو اور کوئی سردار و رہنما نہو - تم پانچ آدمیوں کی بھی کوئی مجلس منعقد کرتے ہو ' تو سب سے پہلے ایک پریسیڈینٹ کا انتخاب کرتے ہو اور کہتے ہو کہ جب تک کسی کو صدر مجلس نہ مان لینگے ' یہ پانچ آدمیوں کی مجلس بھی باقاعدہ کام نہ کرسکیگی - فوج ترتیب دیتے ہو تو دس آدمیوں کو بھی بغیر ایک افسر کے نہیں چھوڑتے -

اسکی اطاعت ماتحتوں کا اپنے فرض سمجھتے ہو اور یقین کرتے ہو کہ بغیر اسکے مرج کا نظام قائم نہیں رہسکتا - پانچ دس آدمی بھی اگر بغیر امیر کے کام نہیں کرسکتے تو قومیں کیونکر اپنے فرائض بلا امیر کے انجام دے سکتی ہیں ؟ اس سے بھی سادہ تر مثال یہ ہے کہ اپنے اپنے گھروں اور خاندانوں کو دیکھو ! خود تمہارا گھر بھی تو ایک چھوٹی سی آبادی ہے ؟ اگر بیوی تمہارا حکم نہ مانے تو تم کیوں بگڑتے ہو ؟ اگر گھر کے لوگ تمہارے کہنے پر نہ چلیں ' تو تم کیوں لڑتے ہو ؟ تم کہتے ہو کہ فلاں گھر میں امن و انتظام نہیں - روز خانہ جنگی ہوتی ہے - یہ سب کیوں ہے ؟ صرف اسلیے کہ " الجماعـــہ ' و السمـــع ' و الطاعـــہ " کوئی جماعت امن و نظم نہیں پاسکتی جب تک اسکا کوئی امیر نہو ' اور جب تک امیر کی اطاعت نہ کی جاے - گھر اور خاندان بھی ایک چھوٹی سی جماعت ہے - تم گھر کے بڑے ہو - یعنی امیر ہو - پس گھر کی عافیت و کامیابی اسپر موقوف ہے کہ سب تمہاری سنیں اور تمہارے کہے پر چلیں -

" ہجرت " کا لفظ کسقدر تمہارے لیے نا آشنا اور نا مانوس ہے ؟ تم سمجھے کہ یہ دنیا کے اس عہد جہل و وحشت کی یادگار ہے جب مذہبی جذبات کی بر انگیختگی نے تمـــدنی احساسات کو مغلوب کردیا تھا ' اور انسان دین پرستی کے جنون میں اپنی عقلی و تمدنی زندگی تک کو قربان کردیتا تھا - لیکن بتلاؤ ' اب دنیا کی اعلی سے اعلی علمی و تمدنی ترقیاں بھی تم کو جس راہ کی طرف بلا رہی ہیں ' وہ " ہجرت " کی حقیقت سے کب خالی ہیں ؟ اور خود علم و تمدن کا تمام ذخیرۂ عروج بھی کس عملی حقیقت کا نتیجہ ہے ؟ " ہجرت " سے مقصود یہ ہے کہ اعلی مقاصد کی راہ میں کمتر فوائد کو قربان کردینا ' اور حصول مقاصد کی راہ میں جو چیزیں حائل ہوں ' ان سب کو ترک کردینا - خواہ آرام و راحت ہو ' مال و دولت ہو ' نفسانی خواہشیں ہوں ' حتی کہ قوم ہو ' ملک ہو ' وطن ہو ' اہل و عیال ہوں ' سب کو چھوڑ دینا - پھر بتلاؤ ' علم و عمل کا کون گوشہ ہے جس میں کامیابی بغیر اس جذبہ کے ملسکتی ہے ؟ انسان کی مطلوبات میں سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ایسی بتلاسکتے ہو جو بلا ہجرت کے مقام سے گذرے آسکے پالی ہو ؟ یہ دنیا کی علمی و تمدنی ترقیاں ' حیرت انگیز اکتشافات ' انقلاب انگیز ایجادات ' دولت کی فراوانی ' تجارت کی عالمگیری ' نئی نئی آبادیوں کا قیام ' طرح طرح کے وسائل معیشت و فلاح کا ظہور ' پھر

ملکوں کا عروج ' قوموں کی دلا دسی ' تمدن کی وسعت ' فی الحقیقت انسان کے کس عمل حق کے نتائج و ثمرات ھیں ؟ اگر کج نظری چھوڑ دو تو معلوم کرلوگے کہ صرف عمل ھجرت کے - اگرانسان اور انسانوںکی جماعتوں نے طلب مقاصد و عزائم میں ہزاروں قربانیاں نہ کی ہوتیں ' ہر طرح کے آرام و راحت سے مفارقت نہ کرجاتے ' اپنی ساری خواهشوں اور ولولوں کو ترک نہ کردیتے ' گھر کے عیش ' اهل و عیال کی محبت ' خویش و یگانہ کی الفت ' اور ملک و وطن کی دامنگیریوں سے بالکل آزاد ہوکر راہ هجرت میں قدم نہ اٹھاتے ' تو آج دنیا میں علم کی جگہ جہل ہوتا ' تمدن کی جگہ وحشت ہوتی ' آبادیوں کی جگہ جنگل ہوتے ' اور اس تمام ترقیوں میں سے ایک ترقی بھی کرۂ ارضی کی پیٹھہ پر نظر نہ آتی - دنیا میں جس قدر علوم وفنون موجود ھیں ' اُن سب کی تکمیل کیونکر ہوتی اگر ولولۂ ھجرت سے انسان کا قلب خالی ہوتا ؟ کتنے ھی انسانوں نے اپنے گھروں اور وطنوں سے ھجرتیں کی ھیں ' دنیا کے ایک ایک گوشہ ایک ایک چپہ کو چھان مارا ھے ' جب کہیں جاکر فن طب کی تکمیل ہوئی ھے اور ادویۂ و اشیاء کے خواص کا علم مکمل ہوا ھے - اگر مہاجرین علم کے قافلے اپنے اپنے گوشوں سے نہ نکلتے ' اور گھر کے آرام و راحت کی جگہ سفر و غربت کی صعوبتیں گوارا نہ کرلیتے ' تو اشیـــاء کی تحقیق کیونکر ہوتی ؟ پیدا وار کی معلومات کیونکر تکمیل پاتی ؟ جغرافیــہ کیونکر وجود میں آتا ؟ علم الحیـــات کے تعارف کی جزئیـــات کیونکر جمع ہوسکتیں ؟ نئی نئی ایجادات اور اکتشافات کی کس طـــرح راہ کھلتی ؟ کولمبس اگر ھجرت نہ کرتا ' تو آج دنیا کا نصف تمدن ناپید تھا - یورپ اگر ھجرت نہ کرتا تو آج نیویارک اور واشنگٹن کی سر بفلک عمارتوں کا وجود نہ ہوتا - اگر یورپ کی قومیں اپنے ملکوں سے مہاجرت نہ کرتیں ' تو آج تمام دنیا کی دولت اُن کے گھروں میں کھنچکر نہ جاتی - یہ کیسی عجیب بات ھے کہ اگر صرف قطب شمالی کی تحقیق کے لیے مہـــاجرین کشف کے ڈیڑہ سو قافلے یکے بعد دیگرے نکلیں ' اور نکسر قربان و ہلاک ہو جائیں ' تو تم کہو کہ یہ تحقیق علم کا کمال اور جذبۂ نوع پرستی کی انتهـــا ھے ' لیکن اگر اُسی چیز کو اللہ کی شریعت ایک جامع تر لفظ " ھجرت " سے تعبیر کرے ' تو تم اسکا انکار کردو ؟ تمھارے نزدیک یہ تو تمدن ھے کہ دریاے نیل کا مخرج دریافت کرنے کیلیے سیکڑوں انسان اپنا گھر بار چھوڑ دیں اور ہلاک ہو جائیں ' لیکن یہ وحشت ھے کہ قیام حق اور اشاعت

صداقت کی راہ میں اللہ کے بندے ترک وطن کریں ؟ اگر نیوٹن اپنی راتوں کی نیند اور دسدو کی راحت چھوڑ دے تاکہ " کشش ثقل " کا قانون دریافت کرلے ' تو تم اسکی پرستش کرو اور کہو کہ یہ علم پرستی ہے - لیکن اگر تم عزم و طلب کے ایسے ہی پرستار ہو تو اُس عازم صادق کیلیے کیا کہتے ہو جو قانون کشش ثقل کیلیے نہیں بلکہ قانون نجات عالم کیلیے اپنا گھر بار چھوڑ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ حق پرستی ہے ؟

آج تمام یورپ قومی ترقی اور ملکی استحکام کی سب سے بڑی بنیاد " کالونیل سسٹم " کو تقدن کرتا ہے - یعنی نو آبادیوں کے اصول کو ' اور اسکا اس درجہ پرستار ہے کہ صرف اسی کی خاطر پانچ سال تک دنیا کو عالمگیر جنگ و قتال میں مبتلا رکھتا ہے - لیکن نو آبادیوں کے اُصول کے کیا معنی ہیں ؟ یہی کہ ترک وطن کرکے اپنی نئی نئی آبادیاں قائم کرنا ' اور قومی دولت و طاقت کو بڑھانے کیلیے دنیا میں دور دور تک پھیل جانا - اب غور کرو کہ یہ وہی "ہجرت" اور ترک وطن کی بات ہوئی یا نہیں ؟ اور " الجماعة ' و السمع ' و الطاعة ' و الهجرة " پر دنیا عمل کررہی ہے یا نہیں ؟ نام مختلف ہیں مگر حقیقت ایک ہی ہے -

"جہاد" کے معنی یہ ہیں کہ دفع اعداء میں اپنی جان و مال سے کمال درجہ سعی و محنت کرنا - کیا دنیا میں کوئی قوم ' کوئی ملک ' کوئی جماعت ' کوئی قبیلہ ' کوئی خاندان ' کوئی گھر ' کوئی انسان ' بلکہ کوئی وجود اور زندگی بغیر جہاد کے زندہ و قائم رہسکتی ہے ؟ کون ہے جو زندہ رہنا چاہتا ہے اور جہاد نہیں کرتا ؟ جس چیز کو تم ہزاروں ناموں اور لفظوں میں بولتے ہو اور کارزار ہستی میں بقاؤ قیام کی اصلی بنیاد سمجھتے ہو ' اُسی کو اسلام نے ایک جامع لفظ " جہاد " سے تعبیر کیا ہے - اگر تم سے ڈارون اور رسل ریلیس تنازع البقاء ( Struggle for existence ) اور انتخاب طبعی ( Natural Selectian ) اور بقاء اصلح ( Survival of the fittest ) کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کارزار حیات میں بقا صرف اصلح و امثل کیلیے ہے '- تو تم پوری طرح کان دھرتے ہو ' اور فطرة کے قتل و غارت کا افسانۂ خونین تم کو پریشان خاطر نہیں کرتا - لیکن اُسی حقیقت کو قرآن و اسلام زیادہ مکمل شکل میں بیان کرتا ہے - وہ کہتا ہے کہ جو قانون الہی زمین کے کیڑوں مکوڑوں تک پر نافذ ہے ' اُس سے جمعیت بشری کیونکر بری ہوسکتی ہے ؟ پس دنیا میں

اُسی قوم کو باقی رہنا چاہیے جو حق و ہدایت کے اعتبار سے اصلح ہو - غیر اصلح عقائد و اعمال کو مٹ جانا چاہیے اور قانون الہی کا ہاتھ ہمیشہ مٹا دینا چاہیے - ہدایت یافتہ اقوام کا یہ حق ہے کہ غیر ہدایت یافتہ قوموں پر غالب آئیں " لیظہرہ علی الدین کلہ " - پھر اس بات پر تم کیوں مضطرب ہوئے ہو؟ کیوں اس قدرتی قانون ہستی کے ذکر میں تم کو قتل و غارتگری کی دہشت ناکی نظر آتی ہے؟ یورپ کی قومیں تمام دنیا کو اپنی نو آبادیوں سے بھر دیں ' اور کہیں کہ افریقہ کے وحشیوں کی جگہ ہم متمدن اقوام زیادہ خدا کی زمین کی حقدار ہیں - اسکو تو تم گوارا کرلو' لیکن اگر اسلام کہے کہ " ان الارض للہ و لرسولہ " خدا کی زمین حق پرستوں کیلئے ہے - کفر و ضلالت کے پرستاروں کیلئے نہیں ہے ' تو تم اسکو وحشت اور خونریزی کہو؟

# فصل

## ( جماعت و التزام جماعت )

یہاں ایک اور اہم اور قابل غور امر یہ بھی ہے کہ اس حدیث اور نیز دیگر احادیث میں ہمیشہ جماعت اور اطاعت خلیفہ کی زندگی کو اسلامی زندگی قرار دیا ہے اور اسکے عکس کو جاہلیۃ - جاہلیۃ کی زندگی میں ہلاکت کا اصلی تخم کیا تھا؟ قرآن نے واضح کیا ہے کہ تفرقہ اور باہم دگر علحدگی' اور کسی ایک مرکزی قوت کے ماتحت نہ ہونا - اسلام نے ظاہر ہوکر زندگی کی جو تخم ریزی کی ' وہ کیا تھی؟ باہمی اتحاد و ائتلاف - تمام منتشر افراد کو ایک متحدہ جماعت بنا کر نفس واحدہ کردیا اور سب کے سر ایک ہی چوکھٹ پر جھکادیے . واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً ' فالف بین قلوبکم ' فاصبحتم بنعمتہ اخوانا - وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا " الخ -

پس جاہلیۃ کا دوسرا نام تفرقۃ ہوا ' اور اسلام کا دوسرا نام جماعت اور التزام جماعت - یہی وجہ ہے کہ تمام احادیث میں یہ حقیقت واضح کی گئی' اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص جماعت اور اطاعت امام سے الگ ہوگیا '

گویا وہ اسلام سے خارج ہوگیا - اسکی موت اسلام پر نہیں بلکہ جاهلیہ پر ہوگی- اگرچہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو اور اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو - مزید احادیث میں سے بعض روایات صحاح یہ ہیں :-

" من اطاعنی فقد اطاع اللہ ، و من اطاع امیری فقد اطاعنی ، و من عصی امیری فقد عصانی " ( صحیحین عن ابی هریرة ) جس نے میری اطاعت کی ، اس نے اللہ کی اطاعت کی ، اور جس نے میرے امیر کی ( یعنی میرے نائب کی ) اطاعت کی ، اسنے خود میری اطاعت کی ، اور جس نے امیر سے روگردانی کی ، اس نے میری اطاعت سے انکار کیا - یعنی امیر المومنین کی اطاعت عین رسول کی اطاعت ہے - مسلم کی ایک روایت میں " امیری " کی جگہ صرف " الامیر " ہے - یعنی جو شخص مسلمانوں کا امام ہو، اسکی اطاعت -

" اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسه زبیبة " ( صحیحین عن انس ) اگر ایک حقیر صورت حبشی غلام بھی تمہارا امیر بنا دیا جاے ، تو چاہیے کہ اسکی سنو اور اطاعت کرو -

معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ بار بار اور کثرت سے خطبوں میں آپ فرماتے تھے - اسی لیے مختلف لفظوں میں اور مختلف مواقع کی نسبت مروی ہے - حجة الوداع کے عظیم الشان اور یادگار عالم موقعہ پر ( جبکہ دو تین ماہ کے بعد آپ دنیا سے تشریف لیجانے والے تھے اور ایک آخری اور وداعی پیام دنیا کو سنا رہے تھے ) فرمایا " و لو استعمل علیکم عبد یقودکم بکتاب اللہ ، اسمعوا و اطیعوا " ( مسلم ) اگر ایک حبشی غلام بھی تم پر امیر بنا دیا جاے اور وہ کتاب اللہ کے ساتھ تم پر حکومت کرے ، تو اسکی سنو اور اطاعت کرو !

" من خرج من الطاعة و فارق الجماعة ، فمات ، مات میتة جاهلیة " و عن ابن عباس " من رای من امیرہ شیئا یکرهه ، فلیصبر ، فانه من فارق الجماعة شبرا ، فمات ، فمیتة میتة جاهلیة " و فی لفظ " فانه لیس احد من الناس خرج من السلطان شبرا فمات علیه ، الا مات میتة جاهلیة " ( متفق علیه ) یعنی جس نے جماعت کا ساتھ چھوڑ دیا ، خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہوگیا ، اور اسی حالت میں بغیر توبہ کے مرگیا ، تو اسکی موت جاهلیة کی موت ہوئی ( اسلام سے پہلے اہل عرب پر جو زمانہ

گذرا ہے ' اسکو عہد جاهلیة کہتے هیں - اس مصاب نہ هوا کہ عرب جاهلیة کی طرح گمراهی پر موت هوئی ) دوسری روایت میں هے - اگر کوئی شخص اپنے امیرکو ایسی بات کرتے دیکھے جو اُسے پسند نہ آے تو چاهیے کہ صبر کرے - اسکی اطاعت سے باهر نہو - کیونکہ جو کوئی سلطان اسلام کی اطاعت سے بالشت بھر بھی باهر هوا اور اسی حالت میں مرگیا ' تو اسکی موت جاهلیة کی حالت پر هوئی - حضرة ابن عمر کی روایت میں هے :

" من خلع یدا من طاعة ' لقی الله یوم القیامة و لا حجة له ' و من مات و لیس فی عنقه بیعة ' مات میتة جاهلیة " جس نے خلیفة کي اطاعت سے هاتھه کھینچا ' یعنی اطاعت نہ کي ' تو قیامت کے دن وہ الله کے سامنے حاضر هوگا اور اسکے لیے کوئی دلیل نہوگا - اور جو مسلمان دنیا سے اس حال میں گیا کہ خلیفہ کی بیعت و اطاعت کے حلقہ سے اُسکی گردن خالی هوئی ' تو یقین کرو کہ اسکی موت جاهلیة کي موت هوئی -

" من فارق الجماعة شبرا فکانما خلع ربقة الاسلام من عنقه " ( ترمذی ) جو جماعت سے بالشت بھر بھي باهر هوا ' اس کا حکم یہ هے کہ گویا اس نے اسلام کی اطاعت کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا - ایک روایت میں هے " دخل النار " ( اخرجه الحاکم علی شرط الصحیحین ) یعنے جو خلیفہ کي اطاعت سے باهر هوا ' اُسکا ٹھکانا دوزخ هے -

" کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء - کلما هلک نبی ' خلفه نبی - و انه لا نبی بعدی - و سیکون خلفاء فیکثرون - قالوا - فما تامرنا ؟ قال - فوا ببیعة الاول فالاول ' ثم اعطوهم حقهم ' فان الله یسائلهم عما استرعا هم " ( متفق علیه ) بنی اسرائیل کي رهنمائی و ریاست انبیاء کرتے تھے - ایک نبی گیا تو دوسرا اُسکي جگہ مامور هوا - لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں هے - البتہ خلفاء هونگے - لوگوں نے عرض کیا - هم کو اُنکی نسبت کیا حکم هوتا هے ؟ فرمایا - جس سے پہلے بیعت کي یعني جس کی حکومت پہلے مان لي گئي ' اُسکی اطاعت مقدم هے - پھر کسی دوسرے کو خلیفہ نہ مانو - اور فرمایا - اُنکا تم پر جو کچھہ حق هے ' وہ اُنکے حوالے کرو - یعني اُنکي اطاعت کرو - زکواۃ و خراج وغیرہ اُنھي کو دو -

انکے علاوہ بے شمار احادیث هیں - اجماع کے شواهد اور کتب عقائد و فقہ کے اقوال نقل نہیں کیے گئے کہ مشہور و معروف هیں ' اور احادیث کے بعد اُنکی ضرورت بھی نہیں -

# فصل

( شرائط امامت و خلافة )

تمام نصوص و دلائل کتاب و سنۃ اور اجماع امۃ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ھے کہ شریعت نے شرائط امامت و خلافۃ کے بارے میں دو صورتیں اختیار کی ھیں - اور قدرتی طور پر بھی دو صورتیں اس مسئلہ کی ھوسکتی نہیں -

اسلام نے اس بارے میں نظام عمل یہ مقرر کیا تھا کہ امام کے انتخاب کا حق امت کو ھے - اور طریق انتخاب جمہوری تھا نہ کہ شخصی و نسلی - یعنے قوم اور قوم کی اصحاب الرائے جماعت ( اھل حل و عقد ) کو شرائط و مقاصد خلافت کے مطابق اپنا خلیفۃ منتخب کرنا چاھیے - بحکم و امرھم شوریٰ بینھم- بنیاد تمام امور کی شرعا شوریٰ یعنی باھمی مشورہ ھے - نہ کہ نسل و خاندان - خلافت راشدہ کا عمل اسی نظام پر تھا - خلیفۂ اول کا انتخاب عام جماعت سے ہوا - خلیفۂ دوم کو خلیفۂ اول نے نامزد کیا اور اھل حل و عقد نے منظور کرلیا - خلیفۂ سوم کا انتخاب جماعت شوریٰ نے کیا - خلیفۂ چہارم کے ھاتھہ پر خود تمام جماعت نے بیعت کی - نسل ' خاندان ' ولی عہدی ' کو اسمیں کوئی دخل نہ تھا - اگر دخل ھوتا ، تو ظاھر ھے کہ خلافت خلیفۂ اول کے خاندان میں آجاتی ' یا دوم و سوم کے خاندان میں ' مگر ایسا نہیں ھوا - خلیفۂ دوم نے تو قوم کو بھی اسکا موقعہ نہ دیا کہ اُنکے لڑکے کو خلیفہ منتخب کرے - وصیت کردی کہ وہ کسی طرح منتخب ھی نہیں ھوسکتا -

پس پہلی صورت یہ ھے کہ اگر صحیح نظام شرعی قائم ھو جو خالص جمہوری ھے ' اور قوم کو اپنا خلیفہ منتخب کرنے کا موقع ملے ' تو کیسا شخص منتخب کرنا چاھیے ؟ اور اُسمیں کیا کیا اوصاف ھونا چاھیئیں ؟

دوسری صورت یہ ھے کہ اگر یہ نظام باقی نہ رھا ھو - قوم کی راے اور انتخاب کو اُسمیں دخل نہو - محض طاقت اور تسلط کی بنا پر کوئی خاندان یا کوئی طاقتور فرد تخت خلافت پر قابض ھوجاے ' تو اُس صورت میں از روے شرع مسلمانوں کو کیا کرنا چاھیے ؟ اگر وہ اھل نہیں

ہے، ظالم ہے، جابر ہے، شرائط خلافت اسمیں نہیں پائے جاتے؟ تو اسکی اطاعت کرنی چاہیے، یا اس پر خروج کرنا چاہیے؟ وہ شرعاً خلیفۃ المسلمین ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اسکے ماتحت وہ تمام کام انجام پاسکتے ہیں یا نہیں جو از روے شرع حکومۂ اسلام کی موجودگی پر موقوف ہیں؟ اسکو زکوٰۃ دینی چاہیے؟ اسکے پیچھے جمعہ پڑھنا چاہیے؟ اسکے تمام احکام کی اطاعت کرنی چاہیے؟

یہ مسئلہ امت کی اجتماعی زندگی کا بنیادی مسئلہ تھا، اور ممکن نہ تھا کہ شریعت اسکی پوری پوری تشریح و توضیح نہ کردیتی - اس بارے میں نصوص سنہ بے شمار اور بالکل واضح ہیں - اسی لیے جب خلافۃ راشدہ کے بعد بنو امیہ کی حکومت جبر و استبداد کے ساتھ قائم ہوئی، تو صحابۂ کرام کو اپنے طرز عمل کے فیصلے میں ذرا بھی تامل و تذبذب نہوا - بالکل اُس شخص کی طرح جو پہلے سے ایک خاص وقت کا سمجھا بوجھا منتظر ہو، فوراً یکسوئی کے ساتھ فیصلہ کرلیا - جو کچھ انھوں نے بتلایا اور کیا، اُسی پر اجماع امت کی مہر لگ گئی، اور تیرہ سو برس سے جمہور اہل اسلام کا وہی متفقہ اعتقاد و عمل قرار پاگیا - بلا شبہ پہلی صورت میں بعض اسلامی فرقوں کو اختلاف ہوا، مگر دوسری صورت میں قولاً و فعلاً سب متفق ہوگئے -

پہلی صورت میں شریعت نے اہلیت و صلاحیت کی وہ تمام شرائط اپنے انتہائی اور کامل مرتبہ میں قرار دی ہیں جو ایک ایسے مرکزی اور اہم ترین منصب کیلیے قدرتی طور پر ہونا چاہیئیں - کیا باعتبار قوت علمی کے - کیا بہ لحاظ قوت عملی کے - اور چونکہ یہ منصب متعدد حیثیتوں سے مرکب ہے، اسلیے ہر حیثیت کے لحاظ سے ضروری اوصاف بتلائے گئے - مثلاً اسلام، علم و نظر، عمل و تقوی، شجاعت و صولۃ، عدالۃ و ایثار، قدرت و نفوذ، طاقت و شوکت - چنانچہ تمام کتب عقائد میں صدیوں سے مسلمان پڑھتے پڑھاتے آے ہیں: "و یشترط ان یکون من اهل الولایة المطلقة الكاملة بان یکون مسلماً، حراً، ذکراً، عاقلاً، بالغاً، سائساً بقوة رائه و رویته، و معونة باسه و شوکته، قادراً بعلمه و عدالته و كفايته و شجاعته على تنفيذ الاحكام، و حفظ حدود الاسلام، و انصاف المظلوم من الظالم عند حدوث المظالم" الخ - كذا في شرح المواقف، و النسفي، و التمهيد، و شرح فقه الاكبر للقاري، و شرح المقاصد - و من كتب المتاخرين شرح عقيدة ابن عقيل، و فتح الباري،

و شرح منظومة الاداب ' و خلاصة ابن مفلح ' و نيل الاوطار ' و وبل المرام للشوكانی ' و الاقناع و شرحه ' وغيرهم - يعنی ايسے شخص کو خليفه منتخب کرنا چاهيے جس ميں حسب ذيل اوصاف پاے جائيں - مسلمان هو ' آزاد هو ' مرد هو ' عاقل و بالغ هو ' صاحب راے و نظر هو ' تدبير و انتظام کي پوري قوت رکهتا هو ' احکام شريعت کا محافظ هو ' انکے جاري و نافذ کرنے اور اسلامی ممالک کی حفاظت اور دشمنون کي ررک تهام کيليے جسقدر علمی و عملی قوتوں کی ضرورت هے ' وه سب اس ميں موجود هوں - اتباع شريعت ' عدل و انصاف ' شجاعت و همت ' شوکت و صولت ' ساري صفتيں هوني چاهيئيں -

جس وقت تک خاندان عباسيه کی خلافت باقي رهي ' يعني خلافت خاندان قريش و عرب ميں رهی ( سنه ۶۴۰ ھ مطابق سنه ۱۲۴۳ع - تک اور اس کے بعد بهی کچهه عرصه تک بوجه بقاء خـلافت عباسيهٔ مصر ) علمـاء اسلام کی ايک بڑي جماعت کا يه خيال رها که بموجب حديث " ان هذ الامرفی قريش " خليفه کو قرشی بهی هونا چاهيے - يعني اگر مسلمان خليفه مقرر کريں ' تو جهاں اور بهت سی باتيں اوسميں هوني چاهيئيں ' وهاں يه بات بهی هو که خاندان قريش ميں سے هو -

اسی طرح جماعت اماميه اس طرف گئي که خلافت آئمهٔ اهل بيت نبوة کيليے منصوص هے - انکے اعتقاد ميں آنحضرة صلعم کے بعد حضرة علی عليه السلام کو خليفه هونا چاهيے تها - اور انکے بعد انکي نسل کے آئمهٔ عترة رضی الله عنهم کو -

زيديه اسطرف گئے که بنی فاطمه يعنے تمام سادات مستحق خلافت هيں - آئمهٔ عترة کي خصوصيت ضروري نهيں - اور شرطوں کے ساتهه صرف اسقدر کافي هے که امام سيد يعنی بنی فاطمه ميں سے هو -

ليکن دوسري صورت ميں ( يعنی اگر نظام شرعي کي جگه ملکي قبضهٔ وتسلط کی صورت پيدا هوجاے ' اور جمهور کو انتخاب و نصب کا موقعه نه ملے ' تو اس صورت ميں از روے شرع مسلمانوں کو کيا کرنا چاهيے ؟ ) سو اسکی نسبت چونکه خود احاديث صحيحه اور اجماع صحابهٔ و عترة بالکل صاف صاف موجود تها ' اسليے تمام امت بلا اختلاف اس پر متفق هوگئي که جب ايک مسلمان منصب خلافت پر قابض هو جاے اور اسکي حکومت جم جاے ' تو

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اُسی کو خلیفۂ اسلام تسلیم کرے ' اُسی کے سامنے گردن اطاعت جھکاے - بالکل اُسی طرح ' جیسے ایک اہل و مستحق خلیفہ کے آگے جھکنا چاہیے - اطاعت و اعانت کی وہ تمام باتیں جو منصب خلافت کے شرعی حقوق میں سے ہیں ' ایسے خلیفہ کو حاصل ہوجاتی ہیں - اُس سے روگردانی کسی مسلمان کیلیے جائز نہیں - اُسکے مقابلے میں خروج اور دعوے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا - اگرچہ کیسا ہی افضل اور جامع الشروط کیوں نہ ہو - جو کوئی ایسا کرے ' مسلمانوں پر واجب ہے کہ اُسکے مقابلے اور قتل میں خلیفہ کا ساتھ دیں - وہ شرعاً باغی ہے - اُسکو قتل کردینا چاہیے -

شریعت نے دوسری صورت میں یہ حکم کیوں دیا ؟ اسکی علت و مصلحت اسقدر واضح ہے کہ شرح و تفصیل کی حاجت نہیں - شریعت اور اُمت کا قائم و باقی رہنا حکومت کے وجود و قیام پر موقوف تھا - ساری باتیں شاخ ہیں - جڑ یہی مقام و منصب ہے - پس اسکے لیے ایک نظام شرعی مقرر کردیا گیا جو بہتر سے بہتر نظام ہوسکتا ہے - یعنی اسلامی حکومت کی بنیاد جمہور اور شوری کے انتخاب پر رکھی - شخص ' نسل ' تسلط ' اقتدار ' اور بادشاہی و ملوکی کو اسمیں دخل نہیں - ساتھہ ہی اس منصب کی اہلیت کیلیے تمام ضروری شرطیں اور صفتیں بھی بتلادیں کہ اپنا خلیفہ بناؤ تو ایسے شخص کو بناؤ - ایسے کو نہ بناؤ جو اُسکی اہلیت نہ رکھتا ہو - پھر پورے زور کے ساتھہ اسکا بھی اعلان کردیا کہ لوگوں کو خود خلیفہ بننے اور امارت و سرداری حاصل کرنے کا خواہشمند نہ ہونا چاہیے - نہ دعویدار بنکر دوسروں سے لڑنا چاہیے - آنحضرت ہمیشہ اس عہد پر لوگوں سے بیعت لیتے " لا ننازع الامر اہلہ " سرداری کا جو اہل ہوگا ' اسی پر سرداری چھوڑ دینگے - دنیا اگر اس چھوٹے سے جملہ پرعمل کرے تو روے زمین کے سارے جھگڑے ختم ہوجائیں - امام بخاری نے کتاب الاحکام میں باب باندھا ہے " ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ " ( ۱ ) اور

---

( ۱ ) حق یہ ہے کہ بقول علامۂ ابن خلدون صحیح بخاری کی شرح و تفسیر کا قرض ابتک اُمت کے ذمہ باقی ہے - بے شمار شرحوں اور حاشیوں کے بعد بھی یہ قول ویساہی صحیح ہے ' جیسا ابن خلدون کے عہد میں تھا - اس کتاب کے علوم و دقائق کا کوئی احاطہ نہ کرسکا - ہر کتاب ' ہر باب '

ابوموسیٰ کی روایت لائے ہیں جس میں آپ نے فرمایا: " إنا لا نولی هذا من سأله ، ولا من حرص علیه " جو شخص خود اس چیز کا طالب ہوتا اسکی حرص رکھتا ہو، اسکو میں یہ کام سپرد نہ کرونگا - مقصود اس سے یہ تھا کہ جب لوگ خود طلب و حرص نہ کرینگے تو کشمکش اور معاملہ بھی نہ ہوگا، اور امت کیلیے نہایت آسان ہوجائیگا کہ اہل و اصلح کو منتخب کرلے -

مسئلۂ خلافت کا اصلی نظام شرعی یہ تھا - اگر یہ قائم ہوتو دنیا امن و سکون کی بہشت بن جاے - لیکن چونکہ معلوم تھا کہ ابھی وہ وقت

[ بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵ ]

ابواب کی ہر ترتیب ، اور ہر ہر عنوان و ترجمہ ، اس فقیہ الارض و اعجوبۂ الدهر کی فقاهة ربانی کی ایک آیۂ باهرہ و حجۂ قاهرہ ہے - اسی مسئلۂ خلافت کو سامنے لاؤ ، اور دیکھو ، کس دقت نظر کے ساتھہ محض ترتیب ابواب ہی میں اسلام کا نظام شرعی واضح کردیا ہے اور ساری مشکلات حل کردی ہیں ؟ سب سے پہلی بات یہ تھی کہ اسلام کا نظام مرکزیۃ اس بارے میں کیا ہے ؟ تو پہلا باب " اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولي الامر منکم " کا باندھا ، اور " من اطاع امیري فقد اطاعني " الخ کی روایت درج کرکے بتلادیا کہ مرکز کتاب اللہ ہے ، رسول ہے ، اور پھر خلیفۂ و امام ہے - " اولوالامر " خلیفہ کے سوا کوئی نہیں - اسکی اطاعت ( بشرطیکہ کوئی خلاف شرع حکم نہو ) مثل خدا و رسول کی اطاعت کے فرض ہے - پھر باب باندھا " الامراء من قریش " اور اسمیں ابن جبیر والی روایت لاے " ما اقاموا الدین " جب تک قریش میں دین قائم رکھنے کی اہلیت رہیگی ، خلافت بھی انہی میں رہیگی - یعنی واضح کردیا کہ ایک خاص مدت تک قرشی خلافت کی پہلے سے خبر دیدی گئی ہے ، مگر خلیفہ کا قرشی ہونا کوئی شرط اصلی و تشریعی نہیں - صرف پیشین گوئی ہے اور " ما اقاموا الدین " کے ساتھہ مشروط - اسکے بعد ایک نہایت ہی اہم اور دقیق نکتہ کی طرف متوجہ ہوے اور باب باندھا " أجر من قضی بالحکمة - " افسوس اس باب کے ربط و ترتیب کی اصلی علت لوگ نہ سمجھے - منصب خلافت کے اثبات کے بعد یہ چیز سامنے آتی تھی کہ اعمال خلافت کی بنیاد کیا ہے ؟ اور اسکا طریق کس منہاج سے ماخوذ ہے ؟ امام صاحب واضح کرنا چاہتے ہیں کہ بنیاد اسکی طریق " حکمت " پر ہے - یعنی انبیاء کرام کے طریق تربیت امم پر جو " سنت " کا اصلی اور وسیع

نہیں آیا - یہ نظام نیس برس تک زندہ قائم رہنے والا نہیں ' اسلئے شرع و سنت کی حفاظت کیلئے ضروری تھا کہ نظام اصلی ہر روز دیدے کے

[ بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵ ]

مفہوم ہے ' اور حسکو قرآن حکیم اپنی اصطلاح میں " حکمت " سے تعبیر کرتا ہے - ترجمۃ باب میں اسپر قرآن سے دلیل بھی دے " و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الفاسقون " حکم و قضا " ما انزل اللہ " کے مطابق ہونا چاہیے - اگر خلاف ہو تو فسق ہے - " ما انزل اللہ " کتاب و سنت ہے : " یعلمہم الکتاب والحکمۃ " پس ثابت ہوا کہ اعمال خلافت کی بنیاد حکمت و منہاج نبوۃ پر ہونی چاہیے - اس بارے میں جو زیادہ واضح و مفصل احادیث نہیں ' وہ چونکہ آنکی شروط کے مطابق نہیں لی جا سکتی تھیں ' اور بنیاد استدلال کی صرف مرفوع ہی پر رکھتے ہیں ' اسلئے آثار و موقوفات بھی نہیں لے سکتے تھے ' پس مشہور حدیث " لا حسد الا فی اثنتین " الخ درج کرکے قضاء بالحکمۃ کی اہمیت و مطلوبیت واضح کردی - جب یہ مقدمات طے ہوچکے ' تو اب دکھلانا تھا کہ اس مرکز کی اطاعت کس طرح اُمت پر فرض کردی گئی ہے ؟ پس باب باندھا " السمع و الطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ " اُمت کا سننا اور اطاعت کرنا امام کے حقوق میں سے ہے - بجز اُس حکم کے کہ معصیت ہو - اسمیں وہ تمام حدیثیں لائے ہیں جنمیں صریح حکم موجود ہے کہ خلیفہ اہل ہو یا نا اہل ' جامع الشروط ہو یا فاقد الشروط ' عادل ہو یا جابر ' مکروہات کا حکم دے یا محدثات کا ' جب تک وہ مسلمان ہے ' نماز قائم رکھتا ہے ' اُسکی اطاعت کرنی چاہیے - کسی مسلمان کیلیے اُسکی اطاعت سے باہر ہونا جائز نہیں - اسکے بعد بالترتیب تین باب آتے ہیں - " من لم یسأل الامارۃ أعانہ اللہ " دوسرا " من سأل الامارۃ وکل الیہا " تیسرا " ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ " حاصل ان تینوں عنوانوں کا یہ ہے کہ جہاں شارع نے اُمت کو خلیفۃ و امام کی ضروری صفتیں اور شرطیں بتلا دی ہیں ' وہاں اِس سے بھی روکدیا ہے کہ کوئی شخص خود امامت و سرداری کا خواہاں ہو اور اسکے لیے مقابلہ کرے - حتی کہ عبد الرحمن بن سمرۃ سے کہا " جو اہل اور احق ہو ' اُسی کا ساتھ دو - خود اپنے لیے خواہاں نہ ہو - اگرچہ اسکے لیے قسم بھی توڑنی اور کفارہ بھی دینا پڑے " پس ان تمام ابواب کی یکے بعد دیگرے ترتیب سے واضح ہوگیا کہ اس بارے میں نظام شرعی کی اصلی ترتیب یہ ہے

ساتھہ اُن زفدوں کیلیے ایسی صاف صاف احکام دیدئے جائیں ' جب انتخاب و نصب خلافت کے بارے میں شریعت کا ٹھہرایا ہوا طریقہ باقی نہ رہے ' اور جمہوری حکومت کی جگہ شخصی و استبدادی طریقہ قائم ہو جائے -

ظاہر ہے کہ اس صورت میں دو ہی راہیں سامنے آتی تھیں - اگر ایسے لوگونکی خلافت تسلیم کرلی جائے تو اس سے اُمت کی جمعیۃ ' جان و مال کا امن ' ممالک اسلامیہ کی حفاظت ' احکام شرع کا اجراء ' جماعت کا قیام و بقا ' اور اسیطرح کے بے شمار مصالح و فوائد حاصل ہو جاتے ہیں ' کیونکہ بلا کسی

---

( بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵ )

( الف ) اُمت کیلیے حسب نص " و اولی الامر منکم " مرکز اجتماع و جماعت خلیفـہ کا وجود ہے - اسکی اطـاعت فرض ہے -

( ب ) خبر دیدی گئی تھی کہ جب تک عرب و قریش میں صلاحیت رہیگی ' خلافت پر قائم رہیگے - چنانچہ ایسا ہی ہوا -

( ج ) بنیاد معاملۂ خلافت کی " حکمت " پر ہے - وہ حکمت کہ و یعلمہم الکتاب و الحکمۃ - نہ نیابت نبوت ہے ' اور اعمال و سنۃ نبوت ہی کا نام قرآن کی اصطلاح میں " حکمت " ہے - پس ضرور ہے کہ خلیفہ کے تمام کاموں کی بنیاد سنۃ پر ہو - بدعۃ و احداث پر نہ ہو - یہی معنی خلافۃ علی منہاج النبوۃ ہیں -

( د ) جب خـــلافت منعقد ہوگئی تو تمام امت پر اسکی اطاعت فرض ہے - فی ما احب و یکرہ ' ما لم یؤمر بمعصیۃ -

( ہ ) امت کو چاہیے کہ احق و اہل کو منتخب کرے - لیکن مستحق کو نہ چاہیے کہ خود خلافت کی خواہش کرے - جس نے ایسا کیا ' اللہ کے حضور شرمندگی پائیگا - نتیجہ یہ نکلا کہ جب لوگ خود خواہش نہ کرینگے ' اور حق انتخاب جمہور کو ہے ' تو کسی طرح بھی کشمکش نہوگی - نہ بہت سے دعویداروں میں باہم جھگڑا ہوگا - امن و سکون کے ساتھہ یہ معاملہ انجام پا جائیگا -

یہ تھا صحیح نظام شرعی ' جسکے علم و فہم کیلیے صرف صحیح بخاری ہی کافی ہے ' اور اسلام کی کونسی حقیقت ہے جسکے لیے صحیح بخاری کافی نہیں ؟ لیکن افسوس کہ نظام شرعی قائم نہ رہا - مجلس شوری کی جگہ میدان جنگ میں خلافت کا فیصلہ ہوا ' اور محض تسلط و جبر سے دعویدار قابض ہونے لگے - چنانچہ پہلے ہی سے اسکی خبر دیدی گئی تھی -

نزاع کے اسلامی حکومت قائم ہوجاتی ہے اور مرتد جنگ و جدال اور کشت و خون کا سدباب ہوجاتا ہے ۔ مگر ساتھ ہی غیر مستحق کی خلافت اور عدم نظام شرعی کے قائم ہوجانے سے بہت سی خرابیاں بھی پیدا ہوجاتی ہیں ۔

لیکن اگر خلافت تسلیم نہ کی جائے ' اس پر خروج کرنے کی اجازت دیدی جائے ' اور اطاعت امت کا مستحق صرف اہل اور جامع الشروط خلیفہ ہی کو قرار دیا جائے ' تو پھر دائمی کشت و خون ' جنگ و قتال ' دعوؤں میں تصادم ' قوتوں میں تزاحم ' ہمیشگی کی بد امنی ' کبھی ختم نہ ہونے والی طوائف الملوکی اور انارکی ' امت کی تباہی ' ملکوں کی خرابی ' نظام جماعت کا اختلال ' احکام شرع کی تعطیل ' مسلمانوں کے جان و مال کی بد امنی ' اندرونی خانہ جنگی کی وجہ سے دشمنوں کا حملہ و تسلط ' اور اسی طرح کی بے شمار ہلاکتوں اور بربادیوں کا ہمیشہ کیلیے دروازہ کھل جاتا ہے ۔ مگر ساتھ ہی اسکی امید بھی کی جاسکتی ہے کہ شاید ان بربادیوں کے بعد اصلی نظام خلافت قائم ہوجائے اور نا اہلوں کی جگہ کسی اہل اور جامع الشروط کو خلافت دلائی جاسکے ۔

پہلی صورت میں مصلحت کا بقاؤ حصول ' مگر خرابیوں کا امکان تھا ۔

دوسری صورت میں خرابیوں کا وقوع ' مگر مصالح کا امکان تھا ۔

اسلام نے پہلی صورت اختیار کی ' اور پوری قوت و اصرار کے ساتھ دوسری راہ مسدود کردی ۔ یعنی مصالح کے امکان پر انکے وقوع کو ترجیح دی ۔

کیا دنیا میں ایک عقل صحیح بھی ایسی مل سکتی ہے جو شریعت کے اس فیصلہ کو غلط بتلائے ؟ اللہ کی شریعت کا اصل اصول جلب مصالح اور دفع مفاسد ہے ۔ یعنی ہمیشہ فوائد حاصل کرنا اور مفاسد کو دور کرنا ۔ اور جب مصالح کے ساتھ مفاسد بھی جمع ہوجائیں ' تو جس راہ میں مصالح زیادہ ہوں اور خرابیاں کم ' اسیکو اختیار کرنا ۔ تمام احکام کا محور یہی اصل ہے ۔ پس اگر پہلی راہ اختیار کی جاتی اور خلیفہ کی اطاعت کیلیے خلیفہ کا جامع الشروط اور بطریق صحیح منتخب ہونا شرط قرار دیدیا جاتا ' تو اسکا کیا نتیجہ نکلتا ؟ نصب و انتخاب کیلیے نظام شرعی درہم برہم ہوچکا تھا ۔ ہر دماغ میں حرص و دعوا ' اور ہر ہاتھ میں تلوار تھی ۔ یہی نتیجہ نکلتا کہ ایک عام طوائف الملوکی اور انارکی پھیل جاتی ۔ ہر شخص یہ کہکر کہ خلیفہ اہل و مستحق نہیں ہے ' بغاوت کیلیے اٹھ کھڑا ہوتا ۔ تمام امت

میں خون اور موت کی رنا پھیل جاتی - شہروں کا کوئی محافظ نہ رہتا - آبادیوں کا کوئی حاکم نہ ہوتا - نہ مجرموں کو کوئی سزا دینے والا ' نہ ڈاکوؤں سے کوئی بچانے والا - زکواۃ کس کو دی جاتی ؟ جمعہ کون قائم رکھتا ؟ سرحدوں کی کون حفاظت کرتا ؟ تمام عالم اسلامی ایک دائمی خانہ جنگی و بد امنی میں مبتلا ہوجاتا - امن و نظم ہمیشہ کے لیے رخصت ہوجاتا - دشمنان اسلام ہرطرف سے اُمنڈ آتے - اُنکو روکنے کے لیے کوئی طاقت موجود نہ ہوتی - پس اگرچہ ایک نا اہل مسلمان کا خلیفہ ہوجانا برائی ہے ' لیکن اس سے بھی بڑھکر برائی یہ ہے کہ تمام ملک برباد ہوجاے - اسلام نے ملک و شرع کی حفاظت کو مقدم رکھا جو کلی مصلحت کا حکم رکھتی ہے ' اور نا اہل و فاقد الشروط کا تسلط گوارا کرلیا جس کا فساد جزئی فساد ہے -

# فصل

( نصوص سنہ و اجماع امت )

سب سے پہلے احادیث پر نظر ڈالنی چاہیے - اگر داعی اسلام ( صلی اللہ علیہ و سلم ) کی نبوت کی صداقت کی اور کوئی دلیل نہ ہوتی ' تو صرف یہی ایک بات بس کرتی تھی کہ آنے والے واقعات کی تمام تفصیلات کس طرح اول روز ہی بتلادی گئیں ؟ اور ایک ایک جزئی حالت کا کیسا کامل نقشہ صدیوں پہلے کھینچ دیا گیا ؟ یہ معاملہ اسقدر یقینی اور ہرطرح کے شک و شبہ سے ما ورا ہے ' کہ اگر دنیا اس پر یقین لانے کیلیے طیار نہیں ' تو دنیا کے پاس ماضی کی جسقدر معلومات موجود ہیں اُن میں سے کوئی بات بھی یقینی نہیں ہوسکتی - نہ تو اس دنیا میں سکندر نامی کوئی پادشاہ گزرا ' نہ روما نامی کوئی سلطنت قائم ہوئی ' نہ ہم بیسویں صدی کے انسان اسکے لیے مجبور ہیں کہ نپولین کا وجود اور واٹر لو کی جنگ کا وقوع تسلیم کرلیں !

بہر حال احادیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ہونے والے واقعات پیشتر سے معلوم تھے - ہر حالت اور ہر وقت کیلیے صاف صاف حکم دیدیا گیا تھا - احادیث کے اس حصہ کا نہایت دقت نظر کے ساتھہ مطالعہ کرنا چاہیے - ہر دور کی خاص حالت ہے اور اسلیے اسی کے مطابق خاص حکم ہے -

سب سے پہلے وہ حدیثیں سامنے آتی ھیں جن میں خلافۃ خاصۃ و راشدہ کا ذکر کیا گیا ھے' اور چونکہ یہ خلافہ ٹھیک ٹھیک طریق نبوۃ و سنۃ پر قائم ھونے والی تھی' اسلیے امت کو وصیۃ کی ھے کہ نہ صرف انکی اطاعت کی جاے بلکہ انکے تمام اجماعی باتوں اور کاموں کو مثل اعمال نبوۃ کے " سنۃ " سمجھا جاے اور انکی پوری طرح پیروی و تأسی کی جاے -

چنانچہ مشہور حدیث عرباض بن ساریہ " قام فینا رسول اللہ صلعم ذات یوم ' موعظنا موعظۃ بلیغۃ ' وجلت منھا القلوب و ذرفت منھا العیون' فقیل یارسول اللہ ! وعظتنا موعظہ مودع فاعھد الینا بعھد - فقال علیکم بتقوی اللہ' و السمع و الطاعۃ و ان کان عبداً حبشیا ' و سترون من بعدی اختلافاً شدیدا ' فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین - عضوا علیھا بالنواجذ " ( ابن ماجہ و ترمذی ) اور حدیث " خیر القرون قرنی ' ثم یلونھم " الخ اور " اما طبقتی و طبقۃ اصحابی فاھل علم و ایمان " الخ رواہ البغوی عن انس و امثالھا ' اسی قسم میں داخل ھیں -

خلاصہ انکا یہ ھے کہ آنحضرۃ ( صلعم ) نے خطبہ دیا اور فرمایا - میں تم کو وصیت کرتا ھوں کہ اللہ سے ڈرو' اپنے امام کا حکم سنو اور مانو اگرچہ وہ ایک حبشی غلام ھو - اور دیکھو ! میرے بعد بڑے سخت اختلافات پڑنے والے ھیں' پس چاھیے کہ فتنوں سے بچو اور ھمیشہ میری سنت اور میرے بعد کے جانشینوں کی سنت پر کاربند رھو' اور اسکو اسطرح مضبوطی سے پکڑ لو جیسے کوئی شخص دانتوں سے کوئی چیز پکڑ لیتا ھے - اور فرمایا : بہتر زمانہ میرا ھے ' پھر وہ جو میرے بعد کا ھے - اور فرمایا : میرا اور میرے یاروں کا طبقہ علم اور ایمان کا طبقہ ھے - اسی طرح حضرت ابن مسعود کی حدیث " ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی ' الا کان لہ حواریون و اصحاب ' یاخذون بسنتہ و یقتدون بامرہ " الخ ( مسلم ) میں بھی اسی عہد خلافت کا ذکر کیا گیا ھے -

غرضکہ اس پہلے دور کیلیے دو حکم دیے گئے - ایک اطاعت کا ' دوسرا اقتداء اور پیروی کا -

لیکن اسکے بعد وہ حدیثیں سامنے آتی ھیں جن میں خلافت کے دوسرے دور کا ذکر کیا گیا ھے - اس دور میں پہلا حکم توبدستور باقی رھا ' لیکن دوسرا حکم بالکل بدل گیا - یعنے اس دور کے خلفاء و سلاطین کی اطاعت کی

دوسری ہی وصیت کی جاتی ہے ' جیسے پہلے دور کیلیے کی گئی ہے '
لیکن انکے کاموں کی پیروی اور اقتداء کا حکم نہیں دیا جاتا ' بلکہ بتدریج
ترک اقتداء و مخالفت کا حکم دیا جاتا ہے - اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے
کہ اس دور میں جو لوگ خلافت پر قابض و متسلط ہونگے ' انکی خلافت
شریعت کے مطلوبہ نظام پر نہ ہوگی - نہ انکا چلن قرآن و سنت کے مطابق
ہوگا - ان میں اچھے بھی ہونگے - اور برے بھی - اسلیے امت کو ان
صرف اطاعت کا اور انکی خلافت کے آگے سر جھکا دینے کا حکم دیا جاتا ہے -
انکے طور طریقوں کی پیروی کرنے اور انکے کاموں کو شرعی کام سمجھ لینے کا
حکم نہیں دیا جاتا - بلکہ اس بات کی بھی وصیت کی جاتی ہے کہ جب یہ
لوگ برائیاں پھیلائیں ' تو جس کی طاقت جہاں تک کام دے ' برائیوں
کے روکنے کی پوری کوشش کرے - ہاتھ سے کام لے - زبان کو حرکت میں
لائے - یہ دونوں درجے نصیب نہ ہوں تو کم ازکم دل ہی دل میں برائی
کو برا سمجھے - " و ذلک اضعف الایمان " - لیکن برے کاموں کو انکی
حکومت کے دباؤ سے اچھا نہ سمجھ لے اور نہ ان کا ساتھ دے - " و لیس
وراء ذلک من الایمان حبة خردل " ( ۱ )

عن عبادہ بن الصامت - قال " بایعنا رسول اللہ صلعم علی السمع والطاعة
في منشطنا و مکرهنا و عسرنا و یسرنا و اثرة علینا ' و ان لا ننازع الامر اهله '
الا ان تروا کفرا بواحا عندکم فیه من اللہ برهان " متفق علیه - عبادہ بن
الصامت کہتے ہیں - ہم نے رسول اللہ ( صلعم ) سے اس بات پر بیعت لی

---

( ۱ ) احادیث کا یہ حصہ نہایت اہم اور غور طلب ہے - مختلف
حدیثوں میں مختلف دوروں اور لوگوں کا ذکر ہے ' اسلیے احکام بھی
مختلف ہوے - اس نکتہ پر جسکی نظر نہ گئی وہ احکام و علائم کو مختلف
و متضاد دیکھکر یا تو حیران رہگیا - یا سخت غلطیوں سے دو چار ہوا - عہد
نبوۃ سے لیکر آخر تک مختلف دور آنے والے تھے - ہر دور کے خصائص و
حالات دوسرے سے مختلف تھے - پس انکے احکام میں بھی اختلاف ضروری تھا
پوری دقت نظر کے ساتھ احادیث کا مطالعہ کرنا چاہیے - پہلے انکے باہمی
مشترکات و مختلفات کو الگ الگ کردینا چاہیے - پھر ہر حدیث اور ہر
حکم کو اسکی صحیح جگہ دینی چاہیے - ایسا نہ کرنے سے لوگوں کو بڑی
بڑی غلط فہمیاں ہوی ہیں -

کہ ہر حال اور ہر طرح کی زندگی میں امام کی اطاعت کرینگے - حکومت و سرداری کو اسکے کرنے والوں پر چھوڑ دینگے ' اور کبھی اس بارے میں کوئی

( بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲ )

بہتوں کو یہ لغزش ہوئی کہ " اطاعت " اور " اقتدا " کا فرق نہ سمجھے - جن حدیثوں میں " اقتدا " کی ممانعت بلکہ خلاف کرنے کا حکم پایا ' انکو مدع اطاعت اور جواز خروج پر محمول کرلیا - خوارج اور معتزلہ کے ایک گروہ کو یہی دھوکا ہوا - ایک دوسری جماعت نے یہ غلطی کی کہ حکم اطاعت کو عام مطلق سمجھہ لیا ' اور مدع اقتداء و تأسی اور وجوب امر بالمعروف نے جو تخصیص کردی تھی ' وہ انکی سمجھہ میں نہ آئی - یعنی اس دھوکے میں پڑگئے کہ جب امراء و حکام کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ' خواہ انکے اعمال کیسے ہی خراب ہوں ' تو پھر چاہیے کہ نہ کسی برائی پر ٹوکیں ' نہ منکرات کے خلاف جد و جہد کریں - ہر حال میں چپ چاپ بیٹھکر اطاعت کرتے رہیں - یہ جو صدیوں سے علماء و مشائخ نے اصحاب اقتدار کے خلاف امر بالمعروف یکقلم ترک کردیا ہے ' تو نفس خادع انکو بھی یہی دھوکا دے رہا ہے - بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ اطاعت نہ کرنے میں فتنہ ہے - ان لوگوں نے چونکہ " اطاعت " اور " اقتدا " کا فرق نہیں سمجھا ' اور دیکھا کہ پادشاہوں اور امیروں کو برائی پر ٹوکنے اور انکے خلاف حق کے اعلان میں بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں ' اسلیے اس دھوکے میں پڑگئے کہ یہی مصائب فتنہ ہیں - پس اس فتنہ سے بچنا چاہیے - نتیجہ یہ نکلا کہ حق و باطل میں کوئی تمیز باقی نہ رہی - تمام زبانیں گونگی اور تمام دل مردہ ہوکر رہگئے -

حالانکہ دونوں جماعتوں نے ٹھوکر کھائی - دونوں نے حدیثوں کا صحیح مورد اور محل نہ سمجھا -

ایک صورت تو یہ ہے کہ مسلمان کسی کو اپنا قومی پادشاہ مان لیں ' اور ایک پادشاہ کی جیسی فرماں برداری رعایا کو کرنی چاہیے ' ٹھیک ٹھیک ویسی ہی فرماں برداری بجالائیں - کوئی بات ایسی نہ کریں جس سے ثابت ہو کہ اسے اپنا حاکم نہیں سمجھتے - اسکا نام " اطاعت " ہے -

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی انسان کو اپنے دینی و اخلاقی اعتقاد و عمل میں پیشوا مان لینا ' اور راستی و ہدایت کے اعتبار سے اسکی

جھگڑا نہیں کریںگے- الا یہ کہ بالکل کھلا کھلا کفر امام سے ظاہر ہو- اور ایسی بات میں جسکےلیے اللہ کی کتاب میں حکم و دلیل موجود ہے- سو اُسوقت کسی

( بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲ )

زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنالینا ' اور اُسکے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرنا اسکا نام " اقتدا " اور " تأسی " ہے -

دونوں صورتیں الگ الگ ہیں - بلا شبہہ " اطاعت " ایک عام حالت ہے اور اس میں " اقتداء " کی حالت بھی داخل ہے ' لیکن " اقتداء " اطاعت سے زیادہ خاص ہے ' اور ضروری نہیں کہ ہر اطاعت اقتداء بھی ہو- احادیث میں خلفاء راشدین کی نسبت امت کو " اطاعت " اور " اقتداء " دونوں کا حکم دیا گیا ' لیکن بعد کے خلفاء و سلاطین کو صرف " اطاعت " کا مستحق بتلایا - " اقتداء " کا نہیں - کیونکہ معلوم تھا کہ اُنکے کام اچھے نہ ہونگے - شریعت و عدالت سے منحرف ہو جائینگے - اور چونکہ نظام جماعت کے قیام کے ساتھہ احکام کتاب و سنت اور عدل و صداقت کی حفاظت کا انتظام بھی ضروری تھا ' اسلیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ہر حال میں باقی رہا - یعنی حکم دیا گیا کہ ایسے وقتوں میں سلطان اسلام کو اپنا امام مانکر پوری پوری اطاعت کرو ' لیکن پادشاہ کی اطاعت کے یہ معنی نہیں کہ سفید کو سیاہ ' اور دن کو رات مان لو - حق حق ہے - باطل باطل - برائی جب دیکھو ' ٹوکو - ظلم جب کیا جاے ' روکو - اس کام میں ایک پادشاہ اور ایک مزدور ' دونوں برابر ہیں - " لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق " قاعدۂ کلیہ ہے ' اور و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر حکم عام و مطلق - کسی مخلوق کی ایسی اطاعت نہیں کی جا سکتی جس میں خالق کے حکم سے نافرمانی کرنی پڑے -

اور یہ جو جابجا کہا گیا کہ اطاعت نہ کرنے میں فتنہ ہے - تو یاد رہے کہ " اطاعت " نہ کرنے میں فتنہ ہے - نہ کہ " اقتداء " نہ کرنے میں ' اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں - یعنی خلیفۂ اسلام سے بغاوت نہ کرو - اسمیں جمعیت امت کیلیے بڑا ہی فتنہ ہے - یہ مطلب نہیں کہ برائی کی مخالفت اور حق کے اعلان میں فتنہ ہے - حق کا اعلان تو ہمیشہ اور ہر حال میں دنیا کیلیے نظم و امن ہے - وہ کبھی فتنہ نہیں ہوسکتا - اگر حق کی پکار فتنہ ہو جاے تو پھر نظام ہستی کس بنیاد پر قائم رہے ؟

و لو اتبع الحق اھوائھم ' لفسدت السماوات و الارض و من فیھن ! ( ۲۳ : ۷۴ )

کی اطاعت بھی اللـــہ کی اطاعت سے نہ روک سکیگی - یعنی جب تک امام سے صریح کفر نہ سرزد ہو' ہر حال میں اُسکی اطاعت واجب ہے -

" خیار ائمـــتکم الذین تحبونہم و یحبونکم ' و تصلون علیہم و یصـلون علیکم ' و شرار ائمتکم الذین تبغضونہم و یبغضونکم ' و تلعنونہم و یلعنونکم" قال قلنا أفلا ننابذ ہم عند ذلک ؟ قال " لا ' ما أقاموا فیکم الصلوۃ ' الا من ولی علیہ وال فراہ شیئاً من معصیۃ اللہ فـلیکرہ ما یأتی من معصیۃ اللـــہ ' و لا ینزعن یداً من طاعۃ " رواہ احمد و مسلم -

و عن حذیفۃ أنہ ( صلعم ) قال " یکون بعدی أئمۃ لا یہتـــدون بہدی و لا یستنون بسنتی ' و سیقوم فیکم رجال قلوبہم قلوب الشیاطین فی جثمان انس" - قال قلت "کیف اصنع یا رسول اللہ ان أدرکت ذلک" ؟ قال " تسمع و تطیع و ان ضرب ظہرک و اخذ مالک فاسمع و اطع " رواہ مسلم و احمد -

یعنی فرمایا : تمہارے بہتر حاکم وہ ہیں کہ اُنکی محبت تمہارے دلوں میں ہو اور تمہاری انکے دلوں میں - تمہاری زبانوں سے انکے لیے رحمت کی دعا نکلے اور اُنکی زبانوں سے تمہارے لیے - اور بدترین حـاکم وہ ہیں کہ تمہارے دلوں میں اُنکی دشمنی ہو' اور وہ تمہیں دشمن سمجھتے ہوں - تم اُن پر لعنت بھیجو - وہ تم پر - صحابہ نے عرض کیا - یا رسول اللہ ! کیا ایسے حاکموں سے ہم نہ جھگڑیں ؟ فرمایا نہیں - جب تک وہ تم میں نماز قائم رکھیں - اُنکی اطاعت ہی کرو - ہاں جو بات گناہ کی دیکھو اُسے پسند نکرو مگر امام کی طاعت سے ہاتھہ نہ کھینچو - نیز فرمایا - میرے بعد ایسے امام ہونگے جو میرا طور طریق چھوڑ دینگے - میری سنۃ پر نہیں چلینگے - عنقریب تم پر ایسے لوگ حکمراں ہونگے کہ اُنکا جسم تو انسانوں کا ہوگا مگر دل شیطان کا سا - راوی نے پوچھا - اگر ہمنے ایسا زمانہ پایا تو کیا کریں ؟ فرمایا - سنو اور اطاعت کرو - اگر وہ تمہاری پیٹھہ پر تازیانے لگائیں اور تمہارا مال چھین لیں ' جب بھی اُنکی سنو اور اطاعت کرو !

" ستکون بعدی اثرۃ و امور تنکرونہا " قالوا - فما تأمرنا ؟ قال " تؤدون الحق الذی علیکم ' و تسألون اللہ الذی لکم " متفق علیہ عن ابن مسعود ' و اخرجہ ایضاً الحرث بن وہب و أوردہ الحافظ فی التلخیص ' و عن جابر بن عتیک مرفوعاً عند ابی داؤد بلفظ " سیاتیکم رکب مبغضون ' فاذا اتوکم فرحبوا بہم و خلوا بینہم و بین ما یبتغون - فان عدلوا ' فلا نفسہم ' و ان ظلموا ' فعلیہم "

و عن وائل بن حجر - قال سمعت رسول الله صلعم و رجل يسأله - فقال - ارايت إن كان علينا امراء يمنعونا حقنا و يسألونا حقهم ؟ قال " اسمعوا و اطيعوا ' فانما عليهم ما حملوا ' و عليكم ما حملتم " ( مسلم و الترمذي و صححه )

" على المرء المسلم السمع و الطاعة فيما أحب و كره ' الا ان يومر بمعصية ' فان امر بمعصية فلا سمع و لا طاعة " ( شيخان و غيرهما عن ابن عمر )

سب کا خلاصہ وہي ہے جو اوپر گزر چکا - آخري روايت ميں فرمايا - ايک مسلمان کا فرض ہے کہ خواہ گوارا ہو يا ناگوار ' مگر امام کا کہا سنے اور مانے - ہاں اگر وہ ايسا حکم دے جسکي تعميل ميں گناہ ہو ' تو پھر اُس حکم کو بہ نہ تو سننا ہے اور نہ ماننا -

بڑے سے بڑے مخلوق کي خاطر بھي خدا کا چھوٹا سے چھوٹا حکم نہيں ٹالا جا سکتا ' اور نہ مخلوق کي خاطر خالق سے نافرماني کي جاسکتي ہے - يہ اسلام کا ' اور در اصل دنيا کي تمام سچي تعليموں اور سچے انسانوں کا عالمگير قاعدۂ کليہ ہے -

اور يہي وجہ ہے کہ صدقات و زکواۃ و غيرہ ماليات کي ادائيگي کي نسبت حکم ديا گيا کہ اگرچہ وصول کرنے والے حکام ظالم و جابر ہوں ' يا بيت المال کا روپيہ ناجائز طور پر خرچ کر رہے ہوں ' ليکن اگر امام کي طرف سے مامور ہيں تو اُنکي اطاعت ہي کرني چاہيے - جس شخص نے زکواۃ اسے عامل کو ديدي ' اُسکي زکواۃ ادا ہوگئي - بلاشبہ قوم کو کوشش کرني چاہيے کہ ايسے عامل معزول کيے جائيں - ليکن جب تک معزول نہوں ' نظام شريعت و حکومت کے قيام کيليے ضروري ہے کہ اُنکے احکام کي تعميل کي جاے - بشير بن خصاصہ کي روايت ميں ہے کہ لوگوں نے کہا " ان قوماً من اصحاب الصدقة يعتدون علينا " عمال صدقہ ليدے ميں ہم پر ظلم کرتے ہيں - کيا حق سے زيادہ نہ دينے ميں اُنکا مقابلہ کريں ؟ فرمايا نہيں - ( ابوداؤد ) سعد بن وقاص کي روايت ميں فرمايا " ادفعوا اليهم ما صلوا " ابن ابي شيبہ ميں حضرۃ ابن عمر کي نسبت ہے کہ کسي نے کہا - زکواۃ کسے ديں ؟ کہا وقت کے حاکموں کو - سائل نے کہا " اذا يتخذون بها ثيابا و طيبـــاً " وہ تو زکواۃ کا روپيہ اپنے کپڑوں اور زينت ميں خرچ کرڈالتے ہيں - فرمايا " و ان " اگرچہ ايسا کرتے ہوں مگر زکواۃ اُنہي کو دو -

اسی بنا پر محدثین نے باب باندھا ہے " براءۃ رب المال بالدفع الی السلطان مع العدل و الجور" کما فی المنتقی - یعنی صاحب مال نے جب اپنی زکواۃ عمال کے حوالے کردی تو وہ شرعاً بری الذمہ ہوگیا اگرچہ وہ ظالم و جائر ہوں - اور اسی لیے جمہور فقہا کا بھی یہی مذہب قرار پایا کہ اگر حکام جور کو زکواۃ دیدی گئی تو ادا ہوگئی - آئمۂ اہل بیت و عترۃ نے بھی قولاً و فعلاً اس سے اتفاق کیا جیسا کہ حضرۃ امام باقر ( علیہ و علی آبائہ السلام ) سے اصول میں منقول ہے - اور اسی لیے محققین امامیہ و فقہاء زیدیہ بھی اس فیصلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں -

# فصل

( اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا آخرهما )

اگر ایک خلیفہ کی حکومت جم چکی ہے اور قائم ہے اور دوسرا مدعی کھڑا ہو، تو اسکا حکم یہ ہے کہ وہ باغی ہے - فرمایا اسے قتل کردو - اسکی زندگی تمام امت کے نظم و امن کیلیے فتنہ ہے - وہ امت میں پھوٹ ڈالنا

اور جمے ہوے انتظام کو درہم برہم کردینا چاہتا ہے - والفتنۃ اشد من القتل -

عن عرفجۃ الاشجعی - قال : سمعت صلعم یقول " من أتاکم و امرکم جمیع علی رجل واحد، یرید ان یشق عصاکم أو یفرق جماعتکم، فاقتلوہ " ( احمد و مسلم )

اسی لیے جمہور اہل اسلام نے اتفاق کیا کہ خلیفہ خواہ اہل ہو یا نا اہل، لیکن اگر اسکی حکومت قائم ہے تو جو اس پر خروج کرے، اسکا حکم باغی کا ہوگا اگرچہ کیسا ہی افضل اور جامع الشروط ہو - اس سے لڑنا اور اسکی جماعت کو قتل کرنا جائز ہے - بشرطیکہ تبلیغ و دعوۃ اور دفع شکوک کے بعد بھی باز نہ آے - ایک گروہ علماء نے کہا کہ نہ صرف جائز ہے بلکہ بحکم

فقاتلوا التي تبغي ( ۴۹ : ۹ ) واجب ہے - " و قد حکي في البحر عن العترۃ جمیعاً ان جهادهم افضل من جهاد الکفار الی دیارهم، اذ فعلهم في دار الاسلام کفعل الفاحشۃ في المسجد " ( نیل الاوطار - جلد ۷ صفحہ ۸۰ ) یعنی تمام آئمۂ اہل بیت و عترۃ سے منقول ہے کہ ایسے باغیوں سے جہاد کرنا کفار پر حملہ کرنے سے بھی افضل ہے -

مصلحت و حکمت اس حکم کی ظاہر ہے - اگر اول روز ہی سے دعووں اور خروج کا دروازہ بند نہ کردیا جاتا ' تو کوئی بہتر سے بہتر اسلامی حکومت بھی خروج و شورش سے محفوظ نہ رہسکتی - ایک جامع الشـــروط خلیفہ کی موجودگی میں بھی صدہا دعویدار اُٹھہ کھڑے ہوئے اور کہدیے کہ جمع شرائط و اہلیت میں ہم زیادہ احق و افضل ہیں - اوصاف و فضائل کا قطعی فیصلہ کرنا نہایت مشکل ہے ' اور نہ افضل و مفضول کے امتیاز کیلیے کوئی قطعی معیار ہوسکتا ہے - نتیجہ یہ نکلتا کہ ہمیشہ کشت و خون کا بازار گرم رہتا اور امت کا نظام جمعیت کبھی نہ سدھرتا - پس ناگزیر تھا کہ خلافت قائمہ کی موجودگی میں ہر طرح کے دعوے کو بغاوت و جرم قرار دیدیا جاے ' اور اسکے لیے ایسی سزا تجویز کی جاے جو سخت سے سخت سزا ہوسکتی ہے - یعنے قتل - ایک انسان کو قتل کردینا بہتر ہے - بمقابلۂ اسکے کہ ہزاروں انسان قتل ہوں - یہی وجہ ہے کہ حدیث میں حکم کی علت کی طرف واضح اشارہ کردیا گیا کہ " یرید ان یشق عصا کم "

یہ مضمون مختلف الفاظ و اسناد سے صحاح میں مروی ہے - ہم نے صرف ایک روایت پر اختصاراً اکتفا کیا -

## فصل

( اجماع امت و جمہور فقہاء و اعلام )

امراء بنو اُمیہ کی حکومت جبر و استبداد کے ساتھہ قائم ہوئی اور اُسوقت ایک جم غفیر صحابۂ کرام و ائمۂ اہل بیت نبوۃ کا موجود تھا - عہد عباسیہ کی پوری پانچ صدیاں گذر گئیں ' اور یہی زمانہ تمام علوم شرعیہ کی تدوین و ترتیب کا ہے - تمام آئمۂ ؤ اعلام اور فقہاء مذاہب اسی عہد میں پیدا ہوے اور عقائد و مسائل نے آخری ترتیب و تنظیم پائی - لیکن ان تمام عہدوں میں سب کا اتفاق اسی اعتقاد و عمل پر رہا - عقائد ضروریہ اور ارکان اربعہ کے بعد شاید ہی کسی اسلامی اعتقاد پر اس درجہ محکم و یقینی اجماع و تعامل امت ثابت کیا جاسکے -

صحابۂ کرام و ائمۂ تابعین کا حال معلوم ہے - مروان مدینہ کا گورنر تھا اور حضرت ابو ہریرہ مسجد نبوی میں مؤذن تھے - مروان کی عبادت سے بد دلی کا یہ حال تھا کہ سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہتا اور مقتدیوں

کو شرکت کا موقعہ دینا بھی اسکی جلد بازی پر بہادت شاق گزرتا تھا - سورہ فاتحہ ختم کرے ھی بلا سکتہ کے قرأت شروع کردیتا حالانکہ احادیث میں آمین کہنے کی بہابت درجہ فضیلت وارد ھے " ومن وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ " ( بخاری ) ابو ھریرہ اس سے وعدہ لے لیتے " لا تفتنی بآمین " قرأت میں ایسی جلدی نہ مچائیو کہ میری آمین ضائع جاے ' لیکن نماز اسی کے پیچھے پڑھتے اور اسکی اطاعت سے انکار نہ کرتے - ( بخاری )

لوگ انکی یاوہ گوئی سننا پسند نہیں کرتے تھے - اسلیے اکثر ایسا ہوتا کہ عید کے دن نماز کے بعد ھی مجمع منتشر ھو جاتا - خطبہ کا لوگ انتظار نہ کرتے - یہ حال دیکھکر مروان نے ایک مرتبہ چاہا - عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ دیدے تا کہ نماز کے انتظار کی وجہ سے لوگوں کو مجبوراً خطبہ سننا پڑے - حالانکہ یہ صریح سنت کے خلاف تھا - سنۃ ثابتۃ خطبۃ عید کے بارے میں یہی ھے کہ نماز پہلے ادا کی جاے - پھر خطبہ دیا جاے - صحیح مسلم کی روایت میں ھے کہ اسپر فوراً ایک شخص نے ٹوکا اور حضرت ابو سعید خدری نے " من رای منکم منکراً فلیغیرہ " الخ - والی روایت بیان کی -

ایسی بے شمار باتیں کی جاتی تھیں - صحابۂ کرام نہایت بے باکی سے امر بالمعروف کا فرض ادا کرتے اور ہمیشہ ٹوکتے - لیکن خلیفہ انہی کو مانتے اور اطاعت انہی کی کرتے - کسی صحابی نے بھی اطاعت سے پہلے اسکی جستجو نہ کی کہ خلیفہ میں ساری شرطیں خلافت کی پائی جاتی ھیں یا نہیں ؟ اگر اسکی جستجو کرتے تو سب سے پہلی شرط یعنی بطریق انتخاب شرعی و شوری منتخب ھونا ھی مفقود تھا - باقی شرطیں تو سب اسکے بعد کے دیکھنے اور جانچنے کی ھیں -

حضرۃ سید التابعین سعید بن المسیب کہا کرتے - بنی مروان انسانوں کو بھوکا مارتے ھیں اور کتوں کو کھلاتے ھیں (۱) اور پھر انکے ھاتھوں ھر طرح کے مظالم و شدائد بھی سہتے ' مگر ساتھہ ھی بہ حیثیت سلطان اسلام کے اطاعت بھی انہی کی کرتے -

مامون و معتصم کے عہد میں بدعت اعتزال اور قول بخلق قران کی وجہ سے ایک فتنۃ عظیم برپا ھوا - علماء سنۃ پر جو جو مظالم و شدائد ھوے'

---

( ۱ ) تذکرۃ الحفاظ امام ذھبی - ۱ : ۴۷ -

معلوم ھیں - حضرة امام احمد بن حنبل نے اسی کوڑوں کی ضرب اور برسوں تک قید خانے میں رھنا گوارا کرلیا ' اور مامون و معتصم کی دعوة بدعت کی پیروی نہ کی - لیکن اطاعت کا مستحق اُنھی کو سمجھا ' اور اپنے نامۂ وصیۃ میں لکھا تو یہی لکھا " والدعاء لائمۃ المسلمین بالصلاح ' ولا تخرج علیھم بالسیف ' ولا تقاتل ھم فی الفتنہ " کذا نقل عنہ ابن الجوزي فی سیرتہ -

حافظ عسقلانی نے ابن التین کا ایک قول نقل کیا ھے " قد اجمعوا انہ ( ای الخلیفہ ) اذا دعی الی کفر أو بدعة ' انہ یقام علیہ " یعنی علما نے اسپر اجماع کیا کہ اگر خلیفہ کفر اور بدعت کی طرف بلائے تو اسپر خروج کرنا چاھیے - پھر اس قول کی نسبت لکھتے ھیں " ما ادعاہ من الاجماع علی القیام فی ما اذا دعا الی البدعة ' مردود ' الا اذا حمل علی بدعۃ تؤدی الی صریح الکفر ' والا ' فقد دعا المامون والمعتصم والواثق الی بدعۃ القول بخلق القرآن و عاقبوا العلماء من اجلھا بالقتل والضرب والحبس وأنواع الاھانۃ ' ولم یقل أحد بوجوب الخروج علیھم بسبب ذالک ' و دام الامر بضع عشرة سنۃ حتی ولی المتوکل الخلافۃ وابطل المحنۃ " ( فتح - ۱۳ : ۱۰۳ ) یعنی یہ جو ابن التین نے کہا کہ اگر خلیفہ بدعت کی طرف بلائے تو اسپر خروج کرنا جائز ھے اور اسپر اجماع ھوچکا ھے ' تو یہ قول مردود ھے - الا یہ کہ بدعت سے اسکا مقصود ایسی بدعت ھو جو صریح طور پر کفر تک پہنچ جاتی ھو - کیونکہ یہ معلوم ھے کہ مامون ' معتصم ' الواثق ' تینوں خلیفوں نے بدعت خلق قرآن کی طرف دعوت دی ' اور اسکی وجہ سے علماء سنۃ کو طرح طرح کے مصائب و شدائد جھیلنے پڑے - قتل ھوے ' پیٹے گئے ' قید کیے گئے ' لیکن پھر بھی کسی نے اندر خروج واجب نہیں بتلایا ' اور برابر انکی اطاعت کرتے رھے - حتی کہ تقریباً دس برس تک یہی حالت رھی - خلیفہ متوکل نے تخت نشین ھوکر اس مصیبت کو دور کیا - انتہی -

حقیقت یہ ھے کہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت و اطاعت کے بارے میں جو کچھہ فرمایا تھا ' عہد سلف کے مسلمانوں نے کرکے دکھلا دیا کہ اسکا اصلی مفہوم و مقصد کیا ھے ؟ وہ اپنے طرز عمل میں احکام خلافت کے ھر تذکرہ اور ھر قسم کی ایک عملی تفسیر و شرح تھے - گذشتہ فصول میں اُن احادیث پر نظر ڈال چکے ھو جن میں آنے والے فتنوں کی نسبت امت کو احکام دیے گئے ھیں - خلافۃ راشدہ کا عہد فتنوں فسادوں سے محفوظ

تھا - لیکن اسکے بعد جو سلسلۂ خلافت شروع ہونے والا تھا، وہ اپنے متضاد خصائص و حالات کی وجہ سے امت کیلیے ایک درجے ہی سخت کشمکش اور ابتلا رکھتا تھا - وہ ایک ہی وقت میں سیاہ بھی تھا اور سفید بھی، نور بھی تھا اور ظلمت بھی، حق بھی تھا اور باطل بھی - حب و بغض، ہجر و وصل، ترک و طلب، اطاعت و مخالفت، دونوں چیزیں ایک ہی وجود میں جمع ہوگئی تھیں، اور حکم شریعت یہ تھا کہ بہ یک وقت دونوں کو نبھاؤ، اور ایسی ایسی جگہوں پر دونوں باتیں نبھاؤ - ایک طرف تو اس پر زور دیا گیا کہ وہ خلیفہ و امام ہیں - اسلیے واجب الاطاعت ہیں - جب تک کفر صریح ظاہر نہو، انکی فرمانبرداری سے منہ نہ موڑو - دوسری طرف یہ بھی کہدیا گیا کہ اُنکے اعمال اچھے نہ ہونگے - پس اطاعت کرو - مگر پیروی و اقتداء نہ کرو - برائیوں کی طرف بلائیں تو ہاتھ سے، زبان سے، دل کے اعتقاد سے، جس طرح بھی بن پڑے، پوری طرح مخالفت کرو اور اُنکے قہر و تسلط سے دب کر حق کا ساتھ نہ چھوڑو - غور کرو! معاملہ کسدرجہ کٹھن اور جذبات انسانی کیلیے کیسا پر از امتحان تھا؟

انسان ایک وقت میں ایک ہی جذبہ کام میں لاسکتا ہے - یا محبت کریگا یا دشمنی - یا اطاعت کریگا یا نافرمانی - جسکو اطاعت کا مستحق سمجھیگا، اسکی ہر بات اسکی نظروں میں محبوب ہوجائیگی - جسکو برا سمجھیگا، اُسکی فرمانبرداری کبھی اُسکے نفس کو گوارا نہ ہوگی - لیکن یہ وہ منزل عمل تھی جس میں ایک ہی وجود ممدوح و مذموم اور محبوب و مبغوض، دونوں صورتیں رکھتا تھا - ایک ہی انسان کے آگے جھکنا بھی تھا، اور پھر اُسی کے سامنے سرکشی بھی کرنی تھی - البتہ جھکنے کا موقعہ دوسرا تھا - سرکشی کی گھڑی دوسری - جذبات و عواطف کیلیے سخت آزمایش اسمیں آ پڑی تھی کہ ہر جذبہ اپنے صحیح موقعہ پر کام میں لایا جائے - ورنہ ذرا سی بے اعتدالی بھی سخت گمراہی و ہلاکت کا موجب ہوجاتی - اطاعت کیشی میں اگر بے اعتدالی ہوتی، تو وہ اقتداء اور تأسی ہوجاتی جسکا نتیجہ باطل پرستی اور حق سے انحراف تھا - عدم اقتداء اور امر بالمعروف میں اگر بے اعتدالی ہوتی، تو وہ خروج و بغاوت تک پہنچادیتی، جسکا نتیجہ بد امنی و خونریزی ہوتا اور سخت معصیت و فسق کا وقوع - اس تیرہ سو برس میں کتنے ہی فتنے صرف اسی بے اعتدالی اور افراط و تفریط سے پیدا ہوے - کتنوں ہی نے جوش حق پرستی میں

بغاوت و خروج کرکے جمعیت امت و استحکام خلافت کو نقصان پہنچایا ' اور کتنوں ھی نے افراط اطاعت کیشی میں حق کو باطـــل اور باطل کو حق بنا کر امت کا نظام حق و عدل درھم برھم کردیا -

دنیا میں کوئی قوم نہیں جسکے اجتماعی اعمال کی تاریخ میں کوئی ایسی نظیر مل سکے که اسے سخت و نازک حکم پر عمل کیا گیا ھو' اور پوری کامیابی کے ساتھه اسکے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا ھو- لیکن عہد صحابهٔ و سلف کے مسلمانوں نے صدیوں تـــک عمل کرکے ثابت کردیا که سچائی اور اخلاق کی کوئی عملی مشکل ایسی نہیں جو پیروان اسلام کیلیے مشکل ھوسکے - انھوں نے نه صرف اسپر عمل کیا ' بلکه پوری کامیابی کے ساتھه اس اخلاقی امتحان سے عہدہ برا ھوکر نکلے - انھوں نے ایک ھی وقت میں دونوں متضاد عمل کر دکھلاے - اطاعت بھی کی اور مخالفت بھی - لیکن اطاعت اُسی بات میں کی جو مستحق اطاعت تھی ' اور مخالفت وھیں کی جہاں مخالفت کرنی تھی - " اطاعت " اور " اقتداء " کے اُس نازک فرق کو جسکو فلسفهٔ اخلاق بڑی بڑی دقیقه سنجیوں کے بعد حل کرسکتا ھے ' انھوں نے اپنی عملی زندگی کی سادگی سے حل کر دکھایا ' اور دنیا پر ثابت کردیا که اخـــلاق کے فلسفه کیلیے جو چیز سب سے زیادہ مشکل ھے ' وھی ایک مومن کے عمل کیلیے سب سے زیادہ آسان ھے !

قومی حکومت کی اطاعت اور فرماں برداری اس سے بڑھکر اور کیا ھوسکتی ھے جو صحابهٔ و تابعین نے بنو امیه کے امراء جور کی کی ؟ اور اُنکے بعد علماء سلف نے بنوعباس کے دعاۃ بدعت کی؟ ھر طرح کے مظالم سہے' ھر طرح کی مصیبتیں جھیلیں ' قید کیے گئے ' دروں سے مارے گئے ' قتل ھوے ' مگر پھر بھی اطاعت سے باھر قدم نه رکھا ' اور ھمیشه یہی کہتے رھے " ینصب لکل غادر لواء یوم القیامه ' و نحن بائعنا هم " وہ جو فرمایا تھا که " قیـــد شبر " بالشت بھر بھی اطاعت سے الگ نہو ' سو واقعی ویسا ھی عمل کرکے دکھا دیا !

مگر ساتھه ھی استقامت حق اور امر بالمعروف و دعوۃ الی السنة کا بھی یه حال تھا که نه بوعبد الملک کی بے پناہ تلوار اسپر غالب آ سکتی تھی ' نه حجاج کی خون آشامی ' اور نه مامون و معتصم کی قہرمانیۃ - قدم جب اُٹھتا تھا تو حق کی طرف ' زبان جب کھلتی تھی تو سچائی کیلیے ' اور دل میں کسی کی گنجائش نه تھی مگر عشق کتاب و سنة کی -

انہوں نے جس طرح اُس حکم کی پیروی کی که " تسمع و تطیع و ان ضرب ظهرک و اخذ مالک فاسمع و اطع " رواه مسلم - ٹھیک اُسی طرح اس فرمان کی بھی کی که " فان امر بمعصیة فلا سمع و لا طاعة " اور " من رای منکم منکرا فلیغیره بیده ' فان لم یستطع فبلسانه ' و ان لم یستطع فبقلبه ' و ذلک اضعف الایمان " رواه مسلم -

حضرة امام احمد بن حنبل کی پیٹھ پر تو جلاد تازیانے مار رہے تھے - خود المعتصم سر پر کھڑا تھا - تمام پیٹھ سے خون کے فوارے بہہ رہے تھے - اور یه سب کچھ صرف اتنی بات کیلیے ہو رہا تھا که قرآن کی نسبت ایک ایسے سوال کا جواب دیدیں جسکا جواب الله کے رسول اور اُسکے یاروں نے نہیں دیا ھے اور نه دینے کا حکم دیا ھے - وہ سب کچھ سہه رہے تھے مگر جواب نہیں دیتے تھے - اگر کوئی صدا نکلتی بھی تھی تو یہی نکلتی " اعطونی شیئاً من کتاب الله او سنة رسوله حتی اقول " درے مارنے سے کیا ہوتا ھے ؟ الله کی کتاب اور اسکے رسول کی سنت سے ثابت کر دکھاؤ تو اقرار کرلوں - اسکے سوا اور کوئی چیز نہیں ھے جسکے آگے اقتداؤ اتباع کا سر جھک سکے -

ما قصهٔ سکندر و دارا نه خوانده ایم
از ما بجز حکایت مهر و وفا مپرس !

# فصل

( سنی اور شیعه دونوں متفق هیں )

اسی طرح تمام ائمهٔ اهلبیت کا زمانه خلفاء بنو امیهٔ و عباسیه کے عہدوں میں گزرا - یه معلوم ھے که وہ خلافه کا مستحق صرف اپنے هی کو یقین کرتے تھے نه که بنو امیهٔ و عباسیه کو - تا ایں همه کسی نے بھی اُنکے خلاف خروج نه کیا اور نه اطاعت سے انکار کیا - سب اسی پر متفق هوے که حکومت اُنکی قائم هوچکی ھے ' اسلیے سلطان وقت وهی هیں -

خاندان اهل بیت میں سے جس کسی نے خروج کیا ' ائمه نے برابر اپنی مخالفت اُن سے ظاهر کی - جیساکه حضرت زید کے خروج اور امام جعفر صادق علیه السلام کے انکار سے ثابت و معلوم ھے -

حضرۃ امام علی رضا کو مامون الرشید نے اپنا ولی عہد قرار دیا - امام موصوف نے ولی عہدي قبول کرلی - یعنے تسلیم کرلیا کہ مامون خلیفہ ہے ' اور اُسکو اپنے استخلاف اور ولي عہدي کا حق پہنچتا ہے - اگر وہ خود خلیفہ نہ تھا تو دوسرے کو ولي عہدي کیونکر مل سکتی تھی ؟

آئمۂ اہل بیت کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی موجود نہیں کہ انہوں نے لوگوں کو بنو اُمیۂ و عباسیہ کي اطاعت سے روکا ہو- بر خلاف اسکے کتب حدیث امامیہ ( مثلاً اصول کافی وغیرہ ) میں ایسی تصریحات موجود ہیں کہ با وجود اظہار استحقاق خود و شکوۂ غصب و تعدي ' عدم اطاعت و حکم خروج سے ہمیشہ مانع رہے -

سب سے زیادہ قاطع اور فیصلـــہ کن اسوۂ حسنہ اس بارے میں خود حضرۃ علی علیہ السلام کا ہے - حضرات امامیہ انکی خلافت کو منصـــوص تسلیم کرتے ہیں ' اور کہتے ہیں کہ انکی موجودگی میں اور کوئی جائز خلیفہ نہیں ہوسکتا تھا - با ایں ہمہ ظاہر ہے کہ یکے بعد دیگرے تین خلیفہ ہوے ' اور حضرۃ علی نے نہ تو خروج کیا ' نہ بیعت سے انکار کیا ' نہ علحدگي اختیار کی - متصل بیس برس تک اُنکا یہي طرز عمل قائم رہا - اس سے بڑھکر قاطع و فاصل دلیل اس بات کیلیے اور کیا ہوسکتی ہے کہ جب امت ایک سلطان پر مجتمع ہو جاے ' تو پھر کسی طرح بھي اسکي مخالفت جائز نہیں - اور اسکی اطاعت کرنا ہر فرد پر واجب ہے ؟ جب ایک خلیفۂ و امام منصوص من اللہ کیلیے انکار جائز نہ تھا ' تو عامۂ امت کیلیے کب جائز ہوسکتا ہے ؟

غرضکہ اس بارے میں اہل سنت و امامیہ دونوں متفق ہیں -

یہیں سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ حضرات امامیہ اور اہل سنت میں مسئلۂ خلافۃ کي نسبت جو مشہور اختلاف ہے' وہ صرف پہلي صورت میں ہے ' نہ کہ دوسري صورت میں - یعنی اسْ بارے میں ہے کہ اگر امت خلیفہ ؤ امام منتخب کرے تو کس کو اور کیسے کو منتخب کرے ؟ شیعہ کہتے ہیں کہ اسکا استحقاق صرف آئمۂ اہل بیت کو ہے - وهي امام ہوسکتے ہیں - اہل سنۃ کہتے ہیں کہ یہ شرط ضروري نہیں :

لیکن اگر اصلي نظام باقي نہ رہا ہو اور غلبۃ و تسلط سے کوئیْ شخص اسلام کي مرکزي سلطنت پر قابض ہوگیا ہو ' تو اُسکيْ اطاعت پر جسطرح

اہل سنہ کی تمام جماعتیں متفق ہیں، ٹھیک اسی طرح شیعہ بھی متفق ہیں۔ اہل سنہ کے نزدیک خلافت کی تمام شرطیں صرف خلفاء راشدین ہی میں جمع تھیں اور انہی کا انتخاب صحیح نظام شرعی کے مطابق ہوا - انکے بعد پھر نہ ہوا - امامیہ کے نزدیک ابتدا ہی سے نہ ہوا - لیکن اطاعت دونوں عہدوں میں اہل سنہ نے بھی ضروری قرار دی - شیعوں نے بھی ضروری قرار دی - نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ظالم و نافذ اسلامی سلطنت کی اطاعت پر سنی و شیعہ، دونوں متفق ہیں - یہی حال زیدیہ وغیرہ فرقوں کا ہے -

# فصل

( بعض کتب مشہورۂ عقائد و فقہ )

تمام اسلامی مدرسوں میں صدیوں سے جو کتابیں پڑھی پڑھائی جا رہی ہیں، ان میں سے بعض کی عبارتیں ہم نقل کرینگے :

شرح مقاصد میں ہے : " و اما اذا لم یوجد من یصلح لذالک، او لم یقدر علی نصبه لاستیلاء اهل الباطل و شوکة الظلمة و ارباب الضلال، فلا کلام فی جواز تقلید القضاء و تنفیذ الاحکام و اقامة الحدود و جمیع ما یتعلق بالامام من کل ذی شوکة " اور شروط امامۃ بیان کرکے لکھتے ہیں " نعم اذا لم یقدر علی اعداد الشرائط، جاز الابتداء للاحکام المتعلقة بالامامة علی کل ذی شوکة یقتدر بغلب او استولی " اور اسی میں ہے " فان لم یوجد من قریش من یجمع الصفات المعتبرة، ولی کنانی، فان لم یوجد، فرجل من ولد اسماعیل، فان لم یوجد فرجل من العجم " -

مرقات شرح مشکواۃ میں ہے " و اما الخروج علیهم و قتالهم، فمحرم و ان کانوا فسقة ظالمین " اور حدیث " من اتاکم و امرکم جمیع علی رجل واحد " کی شرح میں لکھتے ہیں " ای له اهلیة الخلافة، او التسلط و الغلبة " -

شامی میں ہے " و یثبت عقد الامامة اما باستخلاف الخلیفة ایاه کما فعل ابوبکر، و اما ببیعةِ جماعةٍ من العلماء او من اهل الرأی "

مسامرہ میں ہے " و المعتمد تصح بھذہ الامور ( ای ولاية القضاء و الامارۃ و الحکام و الاستفتاء و نحوھا ) للضرورۃ ۔ و صار الحال عند التغلب کما لم یوجد قرشی عدل ، او وجد و لم نقدر ( ای لم نوجد قدرۃ علی تولیتہ لغلبۃ الجورۃ ) ان نحکم فی کل من الصورتین بصحۃ ولاية من لیس بقرشی و من لیس بعدل للضرورۃ "

اور شرح مواقف میں امامت کی شرطوں کا بیان کرکے لکھتے ھیں ۔ " لکن للامۃ ان ینصبوا فاقد ھا ، دفعا للمفاسد التی تندفع بنصبہ " ( ٦١٤ )

سب سے زیادہ مشرح بحث حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں کی ہے : " و قد اجمع الفقہاء علی وجوب طاعۃ السلطان المتغلب و الجہاد معہ ، و ان طاعتہ خیر من الخروج علیہ لما فی ذلک من حقن الدماء و تسکین الدھماء ، و لم یستثنوا من ذلک الا اذا وقع من السلطان الکفر الصریح ، فلا یجوز طاعتہ فی ذلک بل تجب مجاھدتہ لمن قدر علیھا کما فی الحدیث " ( جلد ١٣ : ٧ )

اور روایت حذیفہ " فاعتزل تلک الفرق کلھا " الخ مندرجۂ کتاب الفتن کی شرح میں لکھتے ھیں " قال ابن بطال : فیہ حجۃ لجماعۃ الفقہاء فی وجوب لزوم جماعۃ المسلمین و ترک الخروج علی أئمۃ الجور ، لانہ وصف الطائفۃ الاخیرۃ بانھم دعاۃ علی ابواب جھنم ، مع ذالک امر بلزوم الجماعۃ " ( ١٣ ۔ ٢١ )

اور حدیث " اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشي " کی شرح میں لکھتے ھیں " و اما لو تغلب عبد حقیقۃ بطریق الشوکۃ ، فان طاعتہ تجب اخماداً للفتنۃ " ( ١٣ ۔ ١٠٩ )

حافظ نووي شرح مسلم میں لکھتے ھیں " و ھذہ الاحادیث في الحث علی السمع و الطاعۃ في جمیع الاحوال ، و سببھا اجتماع کلمۃ المسلمین ، فان الخلاف سبب لفساد احوالھم فی دینھم و دنیا ھم - و قولہ صلعم ، و ان کان عبد مجدع الاطراف - یعنی مقطوعھا ، و المراد اخس العبید - ای اسمع و اطیع للامیر و ان کان دنیي النسب * * * * و یتصور امارۃ العبد اذ ولاہ بعض الائمہ ، او یغلب علی البلاد بشوکتہ " الخ - ( جلد ٢ : ١٢٥ )

اور قاضي شوکانی درر البھیہ میں لکھتے ھیں " و طاعۃ الائمۃ واجبۃ الا في معصیۃ اللہ ، و لا تجوز الخروج علیھم ما اقاموا الصلوۃ " ( شرح درر : ٤١٤ )

[illegible]
خروج بر تقدیر ... [illegible]

فتح الباري میں ایک مفصل اور طویل بحث مسئلهٔ خلافت و حقیقت خلافت پر کرتے هوے (جس سے ... بحث ... کی کسی دوسری جگه ملیگی) لکھتے هیں : " خروج ست خروج بر سلطان بعد ازان که مسلمین بر وے جمع شدند مگر آنکه کفر بواح از وے ظاهر شود اگرچه آن سلطان مستجمع شرائط نباشد و این مضمون متواتر بالمعنی ست "
( جلد ۱ : ١٣٧ )

حاصل ان تمام عبارتوں کا یهی هے جو اوپر گزرچکا - یعنی هر زمانے میں امت کیلیے ایک خلیفه هونا چاهیے جو صاحب طاقت و قوت هو - اگر امت منتخب کرے تو اسکے لیے فلاں فلاں شرطیں هیں - لیکن اگر کسی مسلمان کی حکومت قائم هوگئی هے اور وهی صاحب اقتدار و شوکت هے تو اسی کو خلیفه ماننا چاهیے - خواه تمام شرطیں اسمیں پائی جائیں یا نه پائی جائیں - قرشی هو یا غیر قرشی ، ظالم هو یا عادل ، عالی خاندان هو یا ادنی النسب ، حتی که ایک حبشی غلام هی کیوں نهو ، لیکن اسکی اطاعت و حمایت هر مسلمان پر واجب هے - جب تک کفر صریح اس سے ظاهر نهو - لیکن اگر ایسا هوا ، تو پهر نه بیعت قائم رهی نه عهد اطاعت باقی رها - اس حالت میں مسلمانوں پر واجب هو جائیگا که اسکا مقابله کریں - جو شخص مقابله کی طاقت اپنے میں نه دیکھے ، وه اسکے ملک سے هجرت کر جاے - " فمن قام علی ذلک فله الثواب - و من داهن ، فعلیه الاثم - و من عجز ، وجبت علیه الهجرة من ذلک الارض " کذا فی الفتح ( ١٣ : ١٠٩ )

فتح الباري کی اس عبارت سے ضمناً یه بات بهی معلوم هوگئی که جس ملک میں کفار کی سلطنت قائم هو جاے ، وهاں مسلمانوں کو خروج کرنا چاهیے ، اور حق کے اظهار و اعلان میں کسی طرح کی مداهنت گوارا نه کرنی چاهیے - لیکن اگر اسکی طاقت اپنے اندر نه دیکھیں ، تو پهر اس ملک سے هجرت کر جائیں - یعنی یه کسی حال میں جائز نهیں که تسلط کفر پر قانع و رضامند هوکر زندگی بسر کریں -

# فصل

( من حمل علینا السلاح فلیس منا )

سورۂ نساء میں ہے

| | |
|---|---|
| ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزآؤہ جہنم خالداً فیہا و غضب اللہ علیہ و لعنہ ' و اعدلہ عذاباً عظیما - ( ۴ ۹۵ ) | جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو جان بوجھکر قتل کرڈالے تو اسکی سزا دوزخ کی ہمیشگی ہے ' اللہ کا غضب ہے ' اسکی پھٹکار ہے ' اور بڑا ہی درد ناک عذاب ہے جو اسونکے لیے طیار ہورہا ہے - |

یہ آیت اس بارے میں نص قطعی و ظاہر ہے کہ جو مسلمان دانستہ بلا کسی حق شرعی کے دوسرے مسلمان کو قتل کرے ' وہ دوزخ میں ڈالا جائیگا ' اللہ کے غضب و لعنت کا مورد ہوگا ' اور عذاب الیم کا مستحق -

بخاری و مسلم میں ہے " سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر " ( و رواہ الترمذی و صححہ و لفظہ " قتال المسلم اخاہ کفر و سبابہ فسوق " ) یعنی مسلمان کو دشنام دینا فسق ہے اور اُس سے لڑائی لڑنا کفر -

آنحضرة نے آخری حج کے موقعہ پر جو یادگار عالم خطبہ دیا تھا ' اور جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے ' اسمیں ہمیشہ کیلیے تمام امت کو وصیت فرمائی " لا ترجعوا ( وفی روایۃ لا ترجعون ) بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض " ( بخاری ) میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہوجانا کہ تم میں سے ایک دوسرے کی گردن اڑاے -

اور بخاری میں حضرة ابو ہریرہ سے مروی ہے " لایشیر احدکم علی اخیہ بالسلاح فانہ لا یدری لعل الشیطان ینزغ فی یدہ ( و فی روایۃ ینزع بالعین ) فیقع فی حفرۃ من النار " ( و ایضاً اخرجہ مسلم عن ابن رافع ' و ابو نعیم فی المستخرج من مسند ابن راھویہ ) یعنی فرمایا : کبھی اپنے بھائی مسلمان کی طرف ہتیار سے اشارہ نہ کیا کرو - ممکن ہے کہ ہتیار لگ جاے اور تم جہنم کے گڑھے میں گر پڑو - یعنی اگر اشارہ کرنے میں تلوار کام کر گئی اور مسلمان کا خون ہوگیا ' تو ایک ایسے فعل کا ارتکاب ہو جائیگا جسکی پاداش عذاب جہنم ہے -

اور ابن ابی شیبہ نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کی ہے " الملائکۃ تلعن أحدکم اذا أشار الی الاخر بحدیدۃ و ان کان اخاہ لابیہ و امہ " اور امام ترمذی نے ایک دوسری اسناد سے موقوفاً روایت کیا ہے "من اشار الی اخیہ بحدیدۃ لعنتہ الملائکۃ" ( قال حسن صحیح غریب - وکذا صححہ ابوحاتم من ھذا الوجہ ) یعنی فرمایا - جب کبھی کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے تو فرشتے اسپر لعنت بھیجتے ہیں - فتح الباری میں ہے " قال ابن العربی اذا استحق الذی یشیر بالحدیدۃ اللعن ' فکیف الذی یصیب بہا ؟ و انما استحق اللعن اذا کانت اشارتہ تہدیداً ' سواء کان جاداً أم لاعباً " ( جلد ١٣ ٢١ ) یعنی ابن العربی نے کہا : جب صرف ہتھیار اُٹھاکر اشارہ کرنے کی نسبت ایسی شدید وعید آئی کہ فرشتے لعنت بھیجتے ہیں ' تو اُس بد بخت کا کیا حال ہوگا جو صرف اشارہ ہی نہ کرے ' بلکہ سچ مچ اپنے ہتھیار سے ایک مسلمان کو قتل کر ڈالے ؟ اور یہ جو فرمایا کہ اشارہ کرنے والا مستحق لعنت ہوتا ہے ' تو اس سے مقصود وہی شخص ہوگا جو ڈرانے کیلیے ایسا کرے - خواہ غصہ سے ہو خواہ ہنسی سے - انتہی - اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہنسی دل لگی سے بھی کوئی شخص ہتیار اُٹھاکر کسی مسلمان کو ڈرائے ' تو وہ لعنت کا مستحق ہوگا - یعنی کسی حال میں بھی یہ بات مسلمانوں کیلیے جائز نہیں - اور یہ فعل اسدرجہ شریعت کے نزدیک مبغوض ہے کہ اُسکی ہنسی دل لگی بھی لعنت کا موجب ٹھہری !

حضرۃ عبد اللہ بن عمر سے مرفوعاً مروی ہے " زوال الدنیا کلہا اھون علی اللہ من قتل رجل مسلم " ( اخرجہ الترمذی و قال حدیث حسن ' و اخرجہ النسائی بلفظ " لقتل المومن اعظم عند اللہ من زوال الدنیا " ) یعنی آنحضرۃ نے فرمایا - اللہ کی نظروں میں تمام دنیا کے زائل ہوجانے سے بھی بڑھکر جو چیز ہے ' وہ ایک مسلمان کا قتل ہونا ہے - اور اسی بنا پر فرمایا " اول ما یقضی بین الناس فی الدماء " ( رواہ البخاری عن ابن مسعود و زاد مسلم " فی یوم القیامہ " ) قیامت کے دن سب سے پہلے جس معاملہ کا فیصلہ چکایا جائیگا وہ انسان کا خون ہے - ( ١ )

---

( ١ ) یہاں یہ شبہ وارد نہو کہ یہ حدیث محاسبۂ صلوات کی مشہور حدیث سے معارض ہے ' کیونکہ نماز کی نسبت قضاء کا لفظ نہیں آیا ہے - حساب کا آیا ہے - بخاری کی روایت میں ہے " اول ما یحاسب بہ المرء

حضرت عبد اللہ بن عمر کے سامنے جب ایک قاتل لایا گیا تو آپ نے فرمایا " تزود من الماء البارد فانك لن تدخل الجنة " اور امام شعبی ان پڑے تو اچھی طرح ٹھنڈے پانی کی طلب کرلے کیونکہ پھر آگے کا درجہ ہے تو ابتدا جنت میں نہ جائیگا ۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک مسلمان کے لیے شرک کے بعد اس سے بڑھکر اور کوئی کفر نہیں ہوسکتا کہ اپنے مسلمان بھائی کے خون سے ہاتھ رنگین کرے ۔

---

( بقیہ نوٹ صفحہ ٦٥ )

صلاۃ " قیامت میں سب سے پہلے آدمی سے جس عمل کا حساب لیا جائیگا وہ نماز ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن کاموں میں محاسبہ ہوگا ، اُن میں سب سے پہلا کام نماز ہے ۔ لیکن جن کاموں میں فیصلہ چکایا جائیگا ، اُن میں سب سے پہلا معاملہ خون کا ہوگا ۔ پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں ۔ چنانچہ نسائی نے یہ دونوں ٹکڑے ایک ہی متن و اسناد سے روایت کیے ہیں " اول ما یحاسب به العبد الصلاۃ ، و اول ما یقضی بین الناس فی الدماء " امام بخاری نے صحیح میں حدیث ابن مسعود سے بہ طریق اعمش عن ابی وائل روایت کی ہے اور منجملہ الابات بخاری کے ہے ۔ نسائی بھی یہ روایت ابو وائل ہی کے طریق سے لائے ہیں ۔ پس سنداً و متناً روایت ایک ہی ہوئی ۔ باقی رہا محاسبہ و قضاء کا فرق ، تو وہ بالکل ظاہر ہے ۔ بعض اعمال انسان کی ذات خاص سے تعلق رکھتے ہیں ۔ بعض دوسروں کے حقوق سے ۔ شریعت نے اسی فرق کو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے تعبیر کیا ہے ۔ پہلی قسم کے کاموں میں قضاء اور فیصلہ کی ضرورت نہیں کیونکہ ہرشخص کی ذات خاص سے تعلق رکھتے ہیں ۔ کوئی دوسرا شخص مدعی نہیں ہوتا ۔ البتہ پرسش ہو سکتی ہے کہ وہ فرائض انجام دیے گیے یا نہیں ؟ لیکن دوسری قسم کے لیے پرسش کافی نہیں ۔ فیصلہ چکانے کی ضرورت ہے ۔ کیونکہ وہ ایسے کام ہیں جن میں دوسروں کے حقوق تلف ہوے ہیں اور وہ بہ حیثیت مدعی کے کھڑے ہونگے ۔ نماز پہلی قسم کے اعمال میں سب سے زیادہ اہم ہے ، اور قتل نفس کا معاملہ دوسری قسم میں سب سے زیادہ اہم ۔ پس جب حساب ہوگا تو سب سے پہلے نماز کی نسبت پوچھا جائیگا ، اور جب فیصلہ چکایا جائیگا تو سب سے پہلے قتل نفس کا معاملہ پیش ہوگا ۔

محبت کے رشتوں کی جو اہمیت زندگی کی بنیادی اہمیت رکھت
رکھتی ہے - یہی تو مسلمانوں کا شرعی رشتہ دوسرے مسلمانوں سے ہوتی ؟
رشتہ ہے واعتصموا بالعصمۃ ثوب ( ... ) انما المؤمنون اخوۃ فاصلحو
بین اخویکم (حجرات ۱۰) مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس سے ان
بھائیوں میں ربط قائم ہونے کے بعد ... مسلمانوں کی قوت ... کے
ہوتی - اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین (مائدہ ۵۹) اشداء علی الکفار
رحماء بینھم (فتح ۲۹) ان کی شان یہی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے
ساتھ ہے - ... ہو سکتی ہے ... کے ساتھ - وہ سب سے زیادہ نرم
بھی ہیں اور سب سے زیادہ سخت بھی - نرم اپنوں کے لیے، سخت غیروں
کے لیے - ان کے پاس محبت بھی ہے، عداوت بھی - لیکن محبت پرستاران
حق کے ساتھ کرتے ہیں عداوت دشمنان حق کے ساتھ -

احادیث میں اس حقیقت کی جو بے شمار تشریحات و تفصیلات ملتی ہیں، وہ مشہور و معلوم ہیں، اور مہاجرین و انصار اور عموم صحابۂ کرام کے ایک عملی تصویر ہمیں بتلا دیا ہے کہ اخوت دینی کے معنی کیا ہیں؟ ہر مسلمان کو اسکی بہتر اور زیادہ سے بھی بڑھکر جو چیز ورثہ کردی گئی وہ یہی ہے کہ مسلمانوں سے محبت کرے، جہانتک بن پڑے انکی بھلائی چاہے، اور کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے کسی مسلمان کو نقصان پہونچے - اگر یہ چیز نہیں ہے تو ایمان و اسلام بھی نہیں - باقی جتنا بھی زہد و عبادت ہو اور سمندر جتنی بھی دولت خرچ کرڈالی جائے، لیکن اگر یہ چیز نہیں تو بالکل بیکار و عبث ہے -

فرمایا " لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ " (رواہ الشیخان) کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس میں یہ بات پیدا نہ ہوجائے کہ جو بات اپنے لیے پسند کرے، وہی اپنے بھائی مسلمان کے لیے بھی پسند کرے -

اور فرمایا " لا تدخلون الجنۃ حتی تومنوا و لا تومنون حتی تحابوا " ( شیخان ) تم کبھی جنت میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک ایمان نہ لاؤ، اور کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک آپس میں محبت و پیار نہ کرو -

اور فرمایا " لا تجسسوا ، و لا تحسسوا ، و لا تناجشوا ، و لا تباغضوا ، و لا تدابروا ، و لا تدابروا ، و کونوا عباد اللہ اخوانا " ( شیخان ) ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو ، باہم کینہ اور عداوت نہ رکھو ، بدگوئی نہ کرو ، اور ایسا کرو کہ آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ -

حضرۃ جابر کو وصیت کی " ان تصبح و تمسي و لیس في قلبک غش لاحد " ( مسلم ) تجھپر صبح کا سورج چمکے تو اس حالت میں چمکے کہ اسکی کرنوں کی طرح تیرا دل بھی صاف ہو ، اور شام آے تو اسطرح آے کہ کسی کے طرف سے تیرے اندر کھوٹ نہو -

اور فرمایا " المسلم من سلم المسلمون من یدہ و لسانہ " ( بخاری ) مسلمان وہ ہے کہ اسکے ہاتھہ اور زبان سے مسلمانوں کو کوئي گزند نہ پہنچے -

اور فرمایا " المسلم اخو المسلم ، لا یظلمہ ، و لا یخذلہ ، و لا یحقرہ " ( مسلم ) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے - پس اپنے بھائی کے ساتھہ نہ تو ظلم کرے ، نہ اُسے ذلیل کرے ، نہ اُسکو حقیر جانے -

اور فرمایا " لا یحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلاث " ( شیخان ) کسی مسلمان کیلیے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے روٹھا رہے -

اور فرمایا " ملعون من ضار مومنا او مکر بہ " ( ترمذي ) اللہ کي اسپر پھٹکار جس نے مسلمان کو نقصان پہنچایا یا اسکو دھوکا دیا -

ایک حدیث میں یہانتک زور دیا کہ " من کان یومن باللہ و الیوم الاخر ، فلا یحد النظر الی اخیہ " ( رواہ الحاکم و صححہ ) جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے ، اسکو نہ چاھیے کہ اپنے بھائي مسلمان کی طرف تیز نظروں سے گھورے - یعنی جب مسلمان بھائی کو دیکھے تو محبت اور پیار کی نظروں سے دیکھے -

پس جب اللہ کی شریعت حقہ نے مسلمانوں کي قومیت کي بنیاد ھی باھمي محبت و برادري پر رکھي ، اسي کو ایمان کی جڑ قرار دیا ، وھی اسلام کي اصلي پہچان ہوئي ، اسي پر ایمان کي تکمیل موقوف ٹھہري ، تو ظاھر ھے کہ جو مسلمان خدا کے اس جوڑے ہوے رشتے کو توڑ دے ، اور اپنے آھنی ھاتھوں سے جو مسلمانوں کی دستگیري و مددگاري کیلیے بناے گئے ، مسلمانوں کي گردنیں کاٹے ، اس سے بڑھکر خدا کي زمین پر اُسکي

شریعت کا کون مجرم ہوسکتا ہے ؟ اور اگر انسان کی لڑائیاں اور ...
اللہ کی لعنت کا مستحق ہوسکتی ہیں ' تو اس فعل سے بڑھکر اور کونسا فعل ہے جو اللہ کے عرش جلال و عزت کو ہلا دے ' اور اسکی لعنتیں بارش کی بوندوں کی طرح آسمانوں سے زمین پر برسنے لگیں ؟

جس مومن کا وجود اللہ کو اس قدر محبوب و محترم ہو کہ تمام دنیا کا زوال اُس کی ہلاکت کے مقابلے میں ہیچ بتلائے ' اُسی کا خون خود ایک مسلمان کے ہاتھوں بہے ؟ اس سے بڑھکر شریعت الٰہی کی کیا توہین ہوسکتی ہے ؟ اور اُن سارے گناہوں میں جو انسان کے ہاتھ پاؤں کرسکتے ہیں ' کونسا گناہ ہے ' جو اس سے زیادہ ملعون و مردود ہوسکتا ہے ؟

دنیا کی کونسی بڑائی اور عظمت ہے جو کلمۂ لا الہ الا اللہ سے بڑھکر خدا کی نظروں میں عزت رکھتی ہو؟ اور کونسی محبوبیت ہے جو اس کلمۂ عزیز کے اقرار کرنے والے کو اللہ کے حضور نہیں ملجاتی ؟ پس جس بدبخت کا احساس ایمانی یہانتک مسخ ہوجاے کہ با وجود دعوئے اسلام مسلمانوں کا خون بہانے لگے ' وہ یقیناً مسلمانوں کا خون نہیں بہاتا' بلکہ اللہ کے کلمۂ توحید کو ذلیل و خوار کرتا ' اور اسکی عزت و اجلال کو بٹہ لگانا چاهتا ہے -

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت اسامہ کی روایت ہے کہ اُنکو آنحضرت نے بنو الحرقہ کی طرف ایک فوجی مہم دیکر بھیجا تھا - لڑائی میں اُسامہ نے ایک آدمی پر حملہ کیا - ساتھ ھی ایک انصاری بھی حملہ آور ہوا - اُسامہ کہتے ہیں کہ جب میری تلوار اُسکے سر پر چمکی تو وہ پکار اُٹھا " لا الہ الا اللہ " - میں نے کچھہ پروا نہ کی اور قتل کر ڈالا - لیکن کلمہ کی صدا سنکر انصاری نے تلوار روک لی - آنحضرت کو جب یہ حال معلوم ہوا تو نہایت ناراض و غمگین ہوے اور فرمایا " أقتلته بعد ما قال لا اله الا الله " ؟ تونے اُسے قتل کردیا باوجودیکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا ؟ میں نے عرض کیا " انما کان متعوذا " وہ تو اس نے محض میری تلوار سے بچنے کیلیے کہدیا تھا - فی الحقیقت مسلمان نہیں ہوا تھا - " فما زال یکررھا علی حتی تمنیت أنی لم أکن اسلمت قبل ذلک الیوم " لیکن آنحضرۃ برابر یہی جملہ دھراتے رہے " تونے قتل کرڈالا باوجودیکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا " یہانتک کہ آنحضرۃ کا حزن و ملال اور اس واقعہ کا تاثر دیکھکر مجھے اسقدر ندامت ہوئی کہ دل نے کہا ' کاش آج کے دن

ت پہلے وہیں مسلمان ھی نہ ھوا ھوتا - ایک روایت میں ھے " افلا شققت عن قلبه حتی نعلم " تونے اسکا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ واقعی دل سے اقرار کیا ھے یا نہیں ؟ یعنی جب زبان سے یہ کلمہ نکلا تو اُسکا احترام واجب ھوگیا - خواہ تلوار کے ڈر سے کہا ھو یا سچے دل سے اقرار کیا ھو - دل کا حال صرف اللہ ھی کو معلوم ھے -

یہی واقعہ صحیح مسلم میں جندب بن عبد اللہ کی روایت سے بھی مروی ھے اور اسمیں بعض زیادات ھیں - وہ یہ ان النبی صلعم قال له " فکیف تصنع بلا اله الا الله اذا أتتک یوم القیامه " ؟ قال یا رسول الله استغفرلی - " قال فکیف تصنع بلا اله الا الله " ؟ فجعل لا یزیده علی ذلک - یعنی آنحضرۃ صلعم نے اُسامہ سے کہا " قیامت کے دن جب وہ لا اله الا الله کے ساتھ تیرے سامنے آئیگا تو اسوقت تو کیا کریگا ؟ یعنی اللہ کو کیا جواب دیگا ؟ اُسامہ نے عرض کیا - یا رسول اللہ ! ابتو مجھہ سے یہ قصور ھوگیا - میری بخشش کیلیے دعا کیجیے - لیکن آنحضرۃ یہی کہتے رھے کہ قیامت کے دن لا اله الا الله کا جب دعوا ھوگا تو تم کیا جواب دوگے ؟ اور اس جملہ کے سوا کوئی بات نہ فرمائی -

بخاری میں ھے کہ آپ سے مقداد بن عمرو الکندی نے پوچھا " ان لقیت کافراً فاقتتلنا ' فضرب یدی بالسیف فقطعها ' ثم لاذ بشجرۃ و قال أسلمت لله ' أأ قتله بعد ان قالها ؟ " اگر ایسا ھو کہ ایک کافر سے مقابلہ کروں ' اور وہ تلوار میرے ھاتھہ پر اسطرح مارے کہ ھاتھہ کٹ جاے - پھر الگ ھوکر کہے میں اللہ پر ایمان لایا ' تو یہ کہنے کے بعد اُسے قتل کروں یا نہ کروں ؟ فرمایا " لا تقتله " مت قتل کر - " قال فانه طرح احدی یدی ثم قال ذلک بعد ما قطعها " مقداد نے عرض کیا - اس نے تو میرا ھاتھہ کاٹ ڈالا اور اسکے بعد اسلام لانے کا اقرار کیا - پھر کیوں نہ میں اُس سے اپنا بدلا لوں ؟ فرمایا " لا تقتله ' فان قتلته ' فانه بمنزلتک قبل أن تقتله ' و انت بمنزلته قبل ان یقول کلمته التی قال " جو کچھہ بھی ھوا ھو ' لیکن جب کلمۂ توحید کا اقرار کرلیا تو پھر قتل نہ کر - اقرار کرنے سے پہلے وہ کافر تھا ' اور تو مسلمان ' لیکن اگر تونے اقرار کے بعد اُسے قتل کردیا تو وہ تیری جگہ ھو جائیگا اور تو اسکی جگہ -

یہ دو روایتیں اس بارے میں نہایت ھی عبرت انگیز ھیں - جب اللہ کے رسول کا یہ حال تھا کہ ایک مشرک دشمن کا جنگ کی حالت میں بھی

قتل ہو جانا گوارا نہ ہوا کیونکہ اُس نے خوف جان سے تک عرصہ لا الہ الا اللہ کہدیا تھا ' اور اسپر سخت رنج و افسوس فرمایا' کہ عرصہ تک صدائے الم زبان مبارک سے نکلتی رہی ' تو پھر غور کرو کہ جو مسلمان اُن مسلمانوں کو قتل کرے' جنکی ساری زندگیاں اسلام و ایمان میں بسر ہوئی ہیں' اور جنہوں نے محض خوف جان سے ایک مرتبہ ہی نہیں ' بلکہ دل کے یقین و ایمان سے لاکھوں مرتبہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار اور ورد کیا ہے' اسکی شقاوت و خسران کا کون اندازہ کرسکتا ہے ؟ اور شریعت کے نزدیک اس فعل سے بڑھکر اور کون سا فعل ہے جو ایک مسلمان کیلیے عذاب الیم کا مستوجب ہو ؟

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس فعل کیلیے وہ وعید فرمائی جو کسی معصیت کیلیے نہیں فرمائی - یعنی فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا ' وغضب اللہ علیہ و لعنہ - اسمیں خلود فی النار' غضب ' لعنت ' تین چیزوں کا ذکر کیا ہے' اور تمام قرآن و سنت میں یہ تینوں کلمات وعید کفار کیلیے مخصوص ہیں - مسلمانوں کی نسبت کہیں استعمال نہیں کیے گئے - اس سے معلوم ہوگیا کہ عام معاصی و فسوق سے اس فعل کی برائی کہیں زیادہ ہے - کفر صریح و قطعی کے بعد ' اور عام معاصی سے اشد ' کوئی فعل ہوسکتا ہے تو وہ یہی ہے - اور اسی لیے تمام احادیث میں اس فعل کو کفر فرمایا کہ " و قتالہ کفر" اور " لا ترجعوا بعــدی کفارا " معصیت و فسوق کا لفظ اسکی ناپاکی و ملعونیت ظاہر کرنے کیلیے کافی نہ تھا - جب مسلمان کو صرف دشنام دینا فسق ہوا کہ " سباب المسلم فسوق " تو پھر اسکو قتل کردینا صرف فسق ہی کیوں ہو ؟

ثانیاً ' جس طرح ایمان و اسلام کی سر سے کچھہ اوپر شاخیں ہیں ' اور اُن میں سے ہر شاخ ایمان و اسلام ہے - " الایمان بضع و سبعون شعبة ' اعلاها لا اله الا الله و ادناها اماطة الاذي عن الطريق " ( رواہ مسلم و اصحاب السنن الثلاثہ ' و رواہ البخاري " بضع و ستون " ) اسی طرح کفر کی بھی شاخیں ہیں اور اعلی و ادنی مراتب ہیں ' جیسا کہ اپنے مقــام پر ثابت ہوچکا ہے' اور اسی لیے صحــابۂ و سلف سے مروی ہے " کفــر دون کفر و ظلم دون ظلم " (۱) - اور پھر جس طرح ایمان و اسلام اعتقادي بھي ہے

---

( ۱ ) امام بخاري نے کتاب الایمان میں باب باندھا ہے " کفـران العشیرة وکفر دون کفر" - لیکن در اصل یہ خود صحابۂ کرام کے آثار سے

اور عملي بهي - يعني اعتقادات و معدوبات میں بهي هے ' اور عملیات و ظواهر میں بهی - ذکر میں بهی هے اور فعل میں بهی - ایمان بالله و الرسل بهی اسلام هے اور نماز بهي اسلام هے - ٹهیک اسی طرح کفر اور نفاق کی بهي دو قسمیں هیں - اعتقادي اور عملی - ایک کفر و نفاق اعتقادات و افکار کا هے - ایک اعمال و افعال کا - شرک کفر اعتقـــادي هے ' اور ترک صلواة متعمداً کفر عملی - پس یه جو فرمایا که " سباب المسلم فسوق و قتاله کفر "

اور فجزاوه جهـــنم خالداً فیهـــا اور " لا ترجعوا بعدی کفارا " اور " فلبس منا " تو ان میں اور عموم احکام کفر و اسلام میں کوئی تعارض نہیں - نه لفظ " کفر " کی یہاں کوئی تاویل کرني چاهیے ' اور نه نفی اسلام کو نفی کمال پر محمول کرنے کی ضرورت - شارع نے جس فعل کو کفر کہا ' وہ کفر کے سوا اور کچھ نہیں هوسکتا ' اور جب تک دنیا باقي هے وہ کفر هی هے اور کفر هي رهیگا - البته یه کفر بهی مثل دیگر اعمال کفریه کے عملی کفر هے ' نه که کفر اعتقادي و مخرج عن الملة - اسکا کرنے والا ویسا هي فعل کفر کا مرتکب هوگا ' جیسا نماز چھوڑ دینے والا مسلمان جسکے کفر پر صحابهٔ کرام کو اتفاق تها " و کان اصحاب رسول الله صلعم لا یرون شیئاً من الاعمال ترکه کفر غیر الصلواة " ( ترمذی ) " من الاعمال " کی قید اسي حقیقت کی طرف اشارہ هے که عمل کی باتوں میں جو بات کفر هوسکتي هے ' وہ بات ترک صلواة سمجھي جاتی تهی - لیکن بلاشبه یه وہ کفر نہیں هے جو مخرج عن الملة هے - جبتک ایک شخص اعتقاد کے اُس دروازہ سے پلٹ نه جاے ' جس دروازہ سے اسلام میں داخل هوا تها ' اُسوقت تک اُس معنی میں کافر نہیں هوسکتا -

ان الله لا یغفر ان یشرک به و یغفر ما دون ذلك لمن یشاء اور حدیث ابو سعید خدری که " اخرجوا من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من الایمان " ( رواہ البخاري )

---

[ بقیه نوٹ صفحه ٧٥ ]

ماخوذ هے - جیسا که امام احمد نے کتاب الایمان میں عطاء بن أبي رباح وغیرہ کے طرق سے روایت کیا هے - اور امام ابو الحسن اشعري نے بهي مقالات طوائف اسلامیه میں لکھا هے که یه قول متعدد صحابه سے منقول هے ' اور سلف میں عام طور پر زباں زد تها - ( کمانقل عنه شیخ الاسلام ابن تیمیه في کتاب الایمان )

پس اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ مسلمانوں در ھتدار اُٹھانا شریعت کے نزدیک اُن انتہائی معاصی میں سے ہے، جو عملی کفریات کا حکم رکھتی ہیں - اس لیے اُس کفر کے بعد جو مسلمان کو قطعاً کافر و مرتد کردیتا ہے، اس کفر سے بڑھکر عند اللہ کوئی برائی نہیں، اور قریب ہے کہ اِس کا مرتکب اُس کفر کے حدود میں بھی داخل ہوجائے - کتاب و سنت نے جن جن لفظوں اور وعید و امتناع کے جیسے جیسے پیرایوں میں اس فعل کا ذکر کیا ہے، وہ عام معاصی و فسوق کے لیے کبھی اختیار نہیں کیے گئے، اور وہ ایسے سخت و شدید ہیں کہ جس دل میں رائی برابر بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو، اس کو لرزا دینے اور خوف الٰہی سے بد حال کر دینے کے لیے بس کرتے ہیں - اگر ایک مسلمان کا ایمان بالکل مردہ نہیں ہوگیا ہے، تو وہ سارے گناہ جو زمین پر کیے جاسکتے ہیں، اس سے سرزد ہو جا سکتے ہیں، مگر اس کفر کے ارتکاب کا کبھی دھیان بھی نہیں کرسکتا -

قرآن میں " لعنت " اور " غضب " کا لفظ کفار و منافقین کے لیے مخصوص ہے - " لعنت " کے معنی یہ ہیں کہ رحمت الٰہی سے مہجوری اور ہر طرح کی کامیابیوں اور فلاح سے محرومی - یہودی ملعون و مغضوب ہوے اور عزت و حکومت سے ہمیشہ کیلیے محروم ہوگئے - سورۂ احزاب میں " منافقین " پر لعنت وارد ہوئی : ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا و الاخرۃ - الخ - چنانچہ وہ سب نابود و مخذول ہوگئے - چونکہ ایمان و اسلام کے خصائص بالکل اس سے متضاد ہیں - وہ رحمت الٰہی کا مورد اور فلاح و مراد کا سرچشمہ ہے - اس لیے کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ جہاں ایمان ہو، وہاں لعنت الٰہی کا بھی ورود ہوسکے - احادیث میں جا بجا ایسے واقعات ملینگے کہ سخت سے سخت معاصی و فسوق کا جن لوگوں سے ارتکاب ہوگیا تھا، ان پر بھی " لعنت" کرنے سے آنحضرۃ نے روکا -

امام بخاری نے باب باندھا ہے " ما یکرہ من لعن شارب الخمر " یعنی جو مسلمان شراب پینے کی معصیت میں مبتلا ہو جائے، اسپر لعنت کی ممانعت - اسمیں عبد اللہ ملقب بہ " الحمار " کا واقعہ بروایت حضرۃ عمر لائے ہیں - یہ شخص بار بار شراب نوشی کے جرم میں ماخوذ ہوچکا تھا - سزائیں پاتا تھا، توبہ کرتا تھا، پھر مبتلا ہوجاتا تھا - ایک مرتبہ جب ماخوذ ہوا، تو بعض مسلمان بول اُٹھے " اللہم العنہ - ما اکثر ما یوتی بہ " اسپر خدا کی لعنت ہو - لیکن انحضرۃ نے نہایت سختی سے روکا " لا تلعنوہ

( و فی لفظ لا تلعنه ) فو اللہ ما علمت انه یحب اللہ و رسوله " ( و فی روایة - وانه یحب اللہ و رسوله ) اسپر لعنت نه بھیجو - یه اللہ اور اسکے رسول کو دوست رکھتا ھے ! حافظ عسقلانی نے حافظ ابن عبد البر کا قول نقل کیا ھے " انه اتی به اکثر من خمسین مرة " فتامل !

اسی طرح حضرة ابو ھریرہ کی روایت مندرجۂ کتاب الحدات بخاری که ایک شخص اسی جرم میں ماخوذ ھوا اور اسکو پیٹنے کا حکم دیا گیا - کسی نے کہا " اخزاک اللہ " خدا تجھے رسوا کرے - فرمایا " لا تقولوا ھکذا - لا تعینوا علیه الشیطان " اور سنن ابوداؤد میں ابن وھب کے طریق سے ھے " و لکن قولوا اللھم اغفر له - اللھم ارحمه " بد دعا نه دو - بلکه یوں کہو - خدایا اسپر رحم کر - خدایا اُسے بخشدے ! فلت و ما املح فی ھذ المقام قول الشاعر العـــارف :

فدائے شیوۂ رحمت ' که در لباس بہار
بعذر خواھی رندان بادہ نوش آمد !

لیکن صرف قتل مسلم ھی ایک ایسی معصیت ھے جسکے لیے قران نے " لعنت " اور " غضب " کے الفاظ استعمال کیے ' اور احادیث میں بھی جا بجا لعنت و ملعون کا لفظ وارد ھوا - صرف اسی ایک بات سے فیصله کرلو - خواہ یه فعل کفر قطعی و مخرج عن الملة ھو یا نہو ' لیکن اللہ کی شریعت کے نزدیک اُسکا ارتکاب کس درجه مبغوض و ملعـــون ھے ؟ اور جو مسلمان اسکا ارتکاب کرتا ھے ' وہ اللہ کے حضور کس طرح اپنے اسلام و ایمان کی ساری رحمتیں اور برکتیں کھو دیتا ھے ؟

ثالثاً ' اس باب میں فیصله کن حدیث وہ ھے جسکو ھم نے به اتباع تبویب بخاری ' اس فصل کا عنوان قرار دیا ھے - اور جسکو امام موصوف اور امام مسلم نے مختلف طریقوں سے روایت کیا ھے - یعنی " من حمل علینا السلاح فلیس منا " ( رواہ ابن عمر ' و سلمه ' و ابو موسی الاشعری - و فی روایة سلمه " من سل علینا السیف " ) جس مسلمان نے مسلمانوں کے مقابلے میں ھتیار اُٹھایا - یعنی حمله کیا یا لڑائی کی ' وہ مسلمانوں میں سے نہیں ھے - " و معنی الحدیث حمل السلاح علی المسلمین لقتالھم به بغیر حق " ( فتح ۱۳ : ۲۰ )

ة حديث نہایت اہم ہے' اور من جملہ قواعد و کلیات شریعت کے ہے - اسی لیے امام بخاری نے کتاب الفتن میں ایک خاص عنوان باب قرار دیا ' اور امام مسلم کتاب الایمان میں لائے تاکہ حقیقت ایمان و کفر کی تحقیق میں اس سے مدد لیں ' اور حافظ بخاری نے ایک مستقل عنوان قرار دیکر باب باندھا -

" لیس منا " کے معنی ہیں " ہم میں سے نہیں ہے " یعنی ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے - آنحضرت صلعم کے طرز تکلم و خطاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ " لیس منا " وعید کا ایک ایسا جملہ تھا جو اُن موقعوں پر آپ استعمال فرماتے (۱) جہاں صریح و قطعی کفر کی جگہ کفر سے کوئی بہت ہی قریب اور اسلامی زندگی سے بہت ہی بعید حالت کا بتلانا مقصود ہوتا تھا - عام معاصی و فسوق سے یہ حالت زیادہ سخت مگر کفر قطعی سے کم ہوتی تھی - جن جن احادیث میں یہ لفظ آتا ہے ' اُن سب پر غور کیا جائے ' اور ایمان و کفر کے عملی مراتب کی حقیقت بھی پیش نظر ہو جو اوپر گزر چکی ' تو یہ بات واضح ہو جائیگی - پس کچھ ضروری نہیں ہے کہ " لیس منا " کے یہ معنی کیے جائیں کہ " لیس علی ہدینا " یا ظاہر منطوق کو چھوڑکر کوئی اور تاویل کی جائے - یا نفی کو نفی کمال پر محمول کیا جائے -

صاحب شریعت نے جن کاموں کیلیے جو احکام دیے اور جو الفاظ استعمال کیے' ہمیں حق نہیں ہے کہ تاویل و توجیہہ کرکے اُنکے لغوی مفہوم کا اصلی زور و اثر گھٹانے کی کوشش کریں - ایسی کوششیں جن لوگوں نے کیں ' اُنھوں نے مسلمانوں کو اسلام و ایمان کی عملی زندگی سے محروم کردیا -

---

(۱) احادیث میں بعض اعمال کی نسبت " لیس منا " آیا ہے اور بعض کی نسبت " لیس منی " - جیسے " النکاح من سنتی فمن رغب عنها فلیس منی " دونوں میں فرق ہے - " لیس منا " میں جمع کا صیغہ ہے جس سے مقصود امت ہے - اور " لیس منی " میں اپنی ذات خاص کا ذکر ہے ' جس سے مقصود ترک سنت ہے - پس جن احادیث میں " لیس منا " کی وعید آئی ہے ' اُنسے مقصود وہی ہوگا جو متن میں لکھا ہے ' اور جن میں " لیس منی " ہے ان سے مقصود صرف ترک اتباع سنت و اسوۂ نبوت ہوگا -

ہ جو آج تمام عالم اسلامی میں تفریباً دو تہائی مسلماں عملاً تکفلم مرجی جہمی زندگی بسر کررہے ہیں اگرچہ اعتقاداً اہل سنت ہونے کا دعوا کرتے ون ' اور اسلام کی تعریف میں "عمل بالارکان" کا لفظ صرف درسی کتب قائد کے صفحات پر رہگیا ہے ' عمل میں اسکا کوئی وجود نظر نہیں آتا ' ر اسکے متعدد اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہی بدعت تاویل ہے - اسی دعت کی وجہ سے اعمال کی اہمیت و مطلوبیت بالکل جاتی رہی اور دعاء اسلام کا سارا دارومدار صرف چند جزئیات عقائد کے تحفظ و نزاع پر رہگیا - ہ کیا بات ہے کہ ایک شخص کتنا ہی فاسق و فاجر ہو ' لیکن اگر چند زاعی عقائد میں ہمارا ہم داستاں ہوتا ہے تو ہم اسکو دنیا کی سب سے بہتر مخلوق یقین کرتے ہیں ؟ اور ایک شخص کتنا ہی صاحب عمل و صلاح ہو ' لیکن اگر چند اختلافی جزئیات عقائد میں ہم سے متفق نہیں ' تو پھر س سے زیادہ شر البریہ ہماری نظروں میں اور کوئی نہیں ہوتا ؟ رہی عملی مرجیۂ و جہمیۂ اگرچہ زبان سے اِدعاء اتباع سنت و سلف !

یہی وجہ ہے کہ آئمۂ سلف نے ہمیشہ ایسی تاویلوں سے انکار کیا ' اور ان تمام راہوں سے بچتے رہے جو رائے اور تعمق کی بدعتوں تک لیجانے والی تھیں - اسی حدیث کی نسبت امام نواوی اور حافظ عسقلانی وغیرہما لکھتے ہیں " و کان سفیان بن عیینہ یکرہ قول من یفسرہ بلیس منا لیس علی ہدینا ' و یقول بئس ھذا القول - یعنی بل یمسک عن تاویلہ" ( شرح مسلم مطبوعہ احمدی : ۶۹ - و فتح الباری ۱۳ : ۲۰ ) یعنی سفیان ن عیینہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ " لیس منا " کی تفسیر یوں کی جائے ہ " لیس علی ہدینا " اور اس تفسیر کی نسبت کہا کرتے کہ کیا ہی برا قول ہے - مقصود انکا یہ تھا کہ ان نصوص کی تاویل نہ کرنی چاہیے -

اسی طرح شیخ عبد الوہاب شعرانی نے میزان میں امام سفیان ثوری کا قول نقل کیا ہے " و من الادب اجراء الاحادیث التی خرجت مخرج الزجر والتنفیر علی ظاہرہا من غیر تاویل ' فانہا اذا اولت ' خرجت من مراد الشارع ' کحدیث : من غشنا فلیس منا - و لیس منا من لطم الخدود و شق الجیوب و دعی بدعوۃ الجاہلیہ . فان العالم اذا اولہا بان المراد لیس منا فی تلک الخصلۃ فقط ' ای و ہو منا فی غیرہا ' ہان علی الفاسق الوقوع فیہا ' و قال مثل المخالفۃ فی خصلۃ واحدۃ امر سہل "

" لیس منا " کے معنی یہ هیں کہ " وہ هم میں سے نہیں "
یعنی مسلمانوں میں سے نہیں - اس سے ثابت هوا کہ مسلمانوں کی کسی جماعت پر بطور جنگ و قتال کے هتیار اُتھانا ایک ایسا فعل هے جسکے کرنے کے بعد انسان مسلمانوں میں شمار هونے کے قابل نہیں رهتا -

# فصل

( اقسام ثلاثۂ قتل مسلم و حمل سلاح )

البتہ واضح رهے کہ قتل مسلم و حمل سلاح کی متعدد صورتیں هیں اور هر صورت کا حکم شرعی دوسرے سے مختلف هے ‘

( ۱ ) ایک صورت یہ هے کہ مسلمان مسلمان کو قتل کرے ‘ لیکن اس فعل کو جائز نہ سمجھے - اُسکی حرمت کا معترف هو ‘ اور اس کے ارتکاب پر شرمندہ و متاسف ‘ تو اسکا حکم وهی هے جو گذشتہ فصل میں گزر چکا - یعنی وہ عملی کفر هے ‘ مگر اُسکا کرنے والا ملت سے خارج نہیں هو جائیگا - دنیا میں اسلام کے قومی احکام و معاملات اُس پر جاری هونگے - عاقبت کا معاملہ اللہ کے هاتھہ میں هے -

باقی رهی یہ بات کہ قاتل مسلم کی توبہ قبول هوسکتی هے یا نہیں ؟ تو اس بارے میں خود صحابۂ و سلف سے اختلاف منقول هے - ایک جماعت اس طرف گئی کہ سورۂ فرقان میں هے : و الذین لا یدعون مع اللہ الہا آخر و لا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق الخ - پھر فرمایا .
الا من تاب و امن و عمل عملاً صالحاً فاولئک یبدل اللہ سیئاتہم حسنات
پس اس سے معلوم هوا کہ تمام معاصی کی طرح قتل نفس کے مرتکب کی توبہ بھی مقبول هوسکتی هے - لیکن حضرۃ عبد اللہ ابن عباس سے بخاری و مسلم و غیرهما میں مروی هے کہ جو مسلمان مسلمان کو قتل کرے ‘ اسکی توبہ مقبول نہیں - وہ فجزاءہ جهنم خالداً فیها الخ کے یہی معنی کرتے هیں کہ " لا توبۃ لہ " اور صحیح بخاری کتاب التفسیر میں سعید بن جبیر سے مروی هے کہ ابن عباس سے " الا من تاب " الخ کی نسبت پوچھا گیا تو کہا " هذہ مکیۃ - نسختها آیۃ مدنیۃ التی فی النساء "

یعنی اس آیت کو سورۂ نساء کی آیت " من یقتل مومناً " نے منسوخ کر دیا - پس قبولیت توبہ پر اس سے استدلال نہیں ہوسکتا - مسلم کی روایت زیادہ مفصل ہے: " لما أنزلت التي في الفرقان قال مشركوا مكة قد قتلنا النفس ودعونا مع الله الهاً آخر و اتينا الفواحش - فنزلت الا من تاب و امن الخ - قال فهذه لاولئك ' و أما التي في النساء ' فهو الذي قد عرف الاسلام ثم قتل مؤمنا متعمداً ' فجزاؤه جهنم لا توبة له " یعنی جب

---

سورۂ فرقان کی آیت " والذین لا یدعون مع الله الها آخر و لا یقتلون النفس " اتری تو مشرکین مکہ نے کہا - ہم تو یہ سب کام کرچکے ہیں - اب مسلمان ہوے بھی تو نجات کب ملیگی ؟ اسپر یہ آیت اتری کہ " الا من تاب و امن " یعنی ہاں - لیکن جس شخص نے توبہ کی ' ایمان لایا ' اچھے کام کیے ' تو الله اُسکی برائیوں کو محو کردیگا - لیکن " من یقتل مومنا " والی آیت مشرکین کیلیے نہیں ہے - مسلمانوں کیلیے اُتری ہے - یعنی جو شخص مسلمان ہوے کے بعد مسلمان کو قتل کرے ' تو اسکی سزا جہنم ہے اور اسکے لیے توبہ نہیں - انتہی

اور امام احمد و طبرانی نے سالم بن أبی الجعد سے بطریق یحیی الجابر' اور نسائی و ابن ماجہ نے بطریق عمار دھنی روایت کی ہے - ایک شخص نے ابن عباس سے اس بارے میں سوال کیا تو جواب دیا " لقد نزلت في آخر ما نزل و ما نسخها شيء حتى قبض رسول الله صلی الله علیه وسلم و ما نزل وحي بعد رسول الله " اسپر سائل نے کہا " أفرأيت ان تاب و امن و عمل عملاً صالحاً ثم اهتدى " ؟ کہا " و أنی له التوبة و الهدى " ؟ یہ لفظ یحیی الجابر کا ہے - نسائی و ابن ماجہ کے الفاظ بھی قریب قریب ایسے ہی ہیں - حاصل ان تمام روایات کا یہ ہوا کہ ابن عباس سورۂ فرقان کی آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں ' اور اس بارے میں آخر تنزیل سورۂ نساء کی آیت " فجزاؤه جهنم خالداً فيها " ہے - اور اسلیے وہ کہتے ہیں کہ مسلمان قاتل مسلم کیلیے توبہ نہیں -

اسمیں شک نہیں کہ حضرۃ ابن عباس کا مذہب کئی پہلوؤں سے قوی نظر آتا ہے :

اول تو اس بنا پر کہ سورۂ نساء کی آیت کا منطوق عدم قبولیت کیلیے ظاہر و نص ہے - خالداً فيها و غضب الله عليه و لعنه کا مطلب اسکے

سوا کچھہ نہیں ہو سکتا - اور مصدوق مفہوم پر مقدم ہے جب تک اسکے خلاف کوئی سبب قوی موجود نہ ہو - کما تقرر فی الاصول -

ثانیاً ' یہ کہنا کہ سورۂ فرقان کی آیت نے اسکو منسوخ کردیا ' صحیح نہیں ہو سکتا - کیونکہ آیۂ فرقان مکی ہے اور آیۂ نساء مدنی - خود ترجمان القرآن اور حبر الامہ یعنی ابن عباس شہادت دے رہے ہیں کہ " نزلت فی آخر ما نزل وما نسخہا شیٔ " اور معلوم ہے کہ نسخ کیلیے تقدم زمانی ہونا ضروری ہے -

ثالثاً ' دونوں آیتوں میں حکم مشترک نہیں ہے کہ متاخرین کا مصطلحہ نسخ مانا جاسکے - دونوں کا مورد الگ الگ ہے - پس اگر نسخ ہو سکتا ہے تو سلف کی اصطلاح میں ہو سکتا ہے جیسا کہ ابن عباس نے کہا - یعنی عام و خاص کا نسخ - سورۂ فرقان کی آیت میں ذکر کفار کا ہے - اور حکم بھی جو دیا گیا ہے وہ انہی کفار کی نسبت ہے جو کفر سے توبہ کریں اور ایمان لے آئیں - اور چونکہ " الایمان یہدم ما قبلہ " ہے - یعنی اسلام تمام پچھلی برائیوں کو نابود کردیتا ہے ' اسلیے جب شرک سے توبہ ہوسکتی ہے تو قتل نفس سے کیوں نہو ؟ قریش میں جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لاے ' ان میں کون تہا جس نے خود مسلمانوں سے قتال نہیں کیا تہا ؟ یہی وجہ ہے کہ " الا من تاب " کے بعد " و امن " کا لفظ بھی موجود ہے - یعنی " توبہ کی اور ایمان لایا " جس سے واضح ہوگیا کہ یہ توبہ اسلام لانے والے کافر کی توبہ ہے ' نہ کہ ایک مومن کی توبۂ معصیت بعد از اسلام - سورۂ فرقان کا آخری رکوع " و عباد الرحمن " سے پڑھو تو تمام آیات کا ٹھیک ٹھیک محل و مورد واضح ہوجایگا - وہاں ذکر خدا کے نیک بندوں کے اسلامی و ایمانی اوصاف کا ہے - انہی میں ان اوصاف کو بھی داخل کیا ہے کہ " نہ تو شرک کرتے ہیں ' نہ کسی نفس کو قتل کرتے ہیں ' نہ زنا کا انسے ارتکاب ہوتا ہے " - پھر بتلاتا ہے کہ مسلمان جن برائیوں سے بچتے ہیں ' یہ وہ برائیاں ہیں جنکا نتیجہ عذاب جہنم ہے - اسکے بعد فرمایا " الا من تاب و امن " ہاں ' لیکن جو لوگ مسلمان ہو جائیں ' تو انہوں نے کفر کی حالت میں اسطرح کے جسقدر اعمال کیے ہوں ' انکا مواخذہ نہ ہوگا - اسلام انکی برائیوں سے آلودہ زندگی کو نیکیوں اور خوبیوں سے بھر دیگا -

پس اس آیت میں توبۂ کفر کی قبولیت کا ویسا ہی ایک حکم ہے جیسا صدہا مقامات میں وارد ہے - اس کو مسلمان قاتل مسلم اور مرتکب

حمـــل سلاح علی المسلم کے معاملہ سے کیا تعلق ؟ اور اگر اُسکا ذکر کسی دوسری آیت میں آیا ہے تو کیوں ناسخ و منسوخ ہونے کی ضـــرورت پیش آئے ؟ دونوں صورتیں بالکل مختلف ہیں -

لیکن سورۂ نساء میں قتل نفس کی ایک خاص حالت کا ذکر ہے- یعنی اگر ایک مسلمان باوجود مسلمان ہونے کے مسلمانوں کو قتل کرڈالے تو اسکا کیا حکم ؟ فرمایا جزاوہ جہنم خالدا فیہا چنانچہ اس آیت سے پہلے ہے - وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطا - الخ پس زیادہ سے زیادہ دونوں آیتوں میں عام و خاص کا تعلق ہے- یعنی اس آیت نے آیت فرقان کی تخصیص کردی - اسی لیے حضرۃ ابن عباس نے کہا " نسختہا آیۃ مدنیۃ فی النساء " کیونکہ سلف کی اصطلاح میں " نسخ " کا اطلاق ہر طرح کی تخصیص و تقیید پر ہوتا تھا - وہ معنی نہ تھے جو بعد کو اصولیوں نے قرار دیے- اور اسی اختلاف حالت و حکم کو واضح کرنے کیلیے انہوں نے کہا " ہذہ لاولئک "یعنی آیت فرقان میں حکم کفار کیلیے ہے - اور امام بخاری کی روایت ابن جبیر بطریق شعبہ مندرجۂ کتاب التفسیر میں کہا " کانت ہذہ فی الجاہلیۃ " یہ حکم مشرکین جاہلیۃ کیلیے تھا - نہ کہ مسلمانوں کیلیے -

اور یہ جو انہوں نے کہا کہ والذین لا یدعون مع اللہ الہا اخر و لا یقتلون النفس الخ کے نزول پر مشرکین مایوس ہوگئے تھے ' اسلیے - " الا من تاب" اتری ' تو اسکی تائید مفسرین کی اِس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ " نزلت فی قوم یئسوا من التوبۃ " یعنی اُن لوگوں کے حق میں اتری جو زمانۂ کفر کی بد عملیوں کی بخشش سے مایوس ہوگئے تھے- ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت اور سورۂ نساء کی ان اللہ لا یغفـر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء اور سورہ زمر کی آیۂ رحمت : یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ الخ وحشی قاتل حمزہ کے بارے میں اتریں - وہ کہتا تھا کہ شرک میں ساری عمر کٹی ' پیغمبر کے چچا کو قتل کیا ' فواحش میں ہمیشہ مبتلا رہا - انہی تین برائیوں سے اجتناب کا خاص طور پر آیت فرقان میں ذکر ہے - اب اگر میں مسلمان بھی ہوگیا تو کیا فائدہ ؟ مجھے تو نجات مل ہی نہیں سکتی - اسپر " الا من تاب و امن " اتری ' اور پھر مزید بشارت امید کیلیے سورہ نساء اور سورۂ زمر کی آیات نازل ہوئیں- تعجب ہے کہ بعض شارحین حدیث کو مذہب ابن عباس کی شرح و تطبیق میں مشکلات کیوں پیش آئیں ؟ انکا بیان تو بالکل صاف اور واضح ہے -

رابع ' احادیث سے بھی اس مذھب کی تائید ھوتی ھے - مثلاً امام احمد و نسائی کی روایت معاویہ بطریق ادریس خولانی مرفوعاً "کل ذنب عسی اللہ أن یغفرہ إلا الرجل یموت کافراً ' او الرجل یقتل مؤمناً متعمداً " یعنی تمام گناہ اللہ بخشدیگا ھے لیکن وہ شخص جو حالت کفر میں مرے ' یا وہ جس نے جان بوجھکر مومن کو قتل کرڈالا -

باقی رھیں وہ احادیث جن میں وسعت رحمت ' و عموم عفوو بخشش ' و عدم جواز یاس و قنوط وغیرہ کا ذکر ھے ' تو اس مذھب کی بنا پر کہا جا سکتا ھے کہ وہ بھی مثل تمام عمومات قران کے ھیں ' جنکی تخصیص آیۂ نساء اور اسکی مویدات نے کردی - دونوں میں کوئی تعارض نہیں - قتل اور اسلام معاصی کی بخشش تو مسلم ھی ھے - بحث بعد از اسلام ارتکاب قتل میں ھے - اسی طرح اگر حدیث اسرائیلی " الذی قتل تسعة و تسعین نفساً ثم اتی تمام المائة ثم تاب " پیش کی جاے ' تو جواب یہ ھوگا کہ اس کا محل بھی توبۂ اسلام ھے - نہ کہ توبۂ مسلم ' اور وہ بھی مثل عمومات بشارات رحمت و بخشش کے ھے - مخصصات پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑتا -

غرضکہ اس مذھب کی قوت میں کوئی شبہ نہیں ' لیکن عام طور پر علماء نے دوسرے مذھب کو اختیار کیا - یعنی قبولیت توبہ کو - اور خوارج و معتزلہ کے غلو کی وجہ سے اھل سنت کا رجحان اسی کی طرف بڑھتا گیا - وہ کہتے ھیں کہ ایسے شخص کا معاملہ بڑا ھی سخت ھے لیکن توبہ قبول ھو سکتی ھے - اللہ کے ھاتھہ میں ھے - چاھے بخشدے چاھے نہ بخشے - اس میں شک نہیں کہ احتیاط حکم امید ھی میں ھے نہ کہ پیام یاس وقنوط میں - ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء کے حکم کا عموم بڑا ھی امید افزا ھے ' اور اگر اس پر نظر ڈالی جاے ' تو کچھہ شک نہیں کہ دوسرا مذھب ھی محتاط معلوم ھوتا ھے -

( ۲ ) قتل مسلم کی دوسری صورت یہ ھے کہ اس فعل کو حلال سمجھے - اور اس پر نادم و متاسف نہ ھو - مثلاً کوئی مسلمان فوج ھو - وہ یہ سمجھے کہ لڑائی لڑنا تو ھمارا کام ھی ھے - مسلمان سامنے ھونگے تو انھی سے لڑینگے - یعنی مسلمانوں پر تلوار اٹھانا کوئی گناہ کی بات نہیں - یا یوں سمجھیں کہ ھمارے مالکوں کا یہی حکم ھے - ھمنے انکا نمک کھایا ھے ' اسلیے ھمیں ایسا ھی کرنا چاھیے - یعنی اگر کوئی اپنا نمک کھلاکر حکم دے کہ مسلمانوں کو قتل کردو ' تو قتل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں - تو اس صورت میں تمام امت

کا اجماعی فیصلہ یہ ہے کہ وہ شخص قطعاً و حتماً کافر ہے - یعنی اُس کفر کا مرتکب ہوا ہے جو ملت سے خارج کردیتا ہے - اسکا حکم شرعاً وہی ہوگا جو تمام کفار و مشرکین کا ہے - دنیا میں بھی اور عاقبت میں بھی - کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اس کو مسلمان سمجھے ' اور اس سلوک کا حقدار رکھے جو مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھہ کرنا چاہیے - یہ حکم خاص اس مسئلہ ہی پر موقوف نہیں ہے - ہر محلل حرام غیر مأول کے لیے یہی حکم ہے -

( ۳ ) تیسری صورت قتل مسلم کی یہ ہے کہ کوئی مسلمان کافروں کے ساتھہ ہوکر اُنکی مدد و نصرت کیلیے مسلمانوں سے لڑے ' یا لڑائی میں اُنکی اعانت کرے - اور جب مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جنگ ہو رہی ہو ' تو وہ غیر مسلموں کا ساتھہ دے - یہ صورت اس جرم کے کفر و عدوان کی انتہائی صورت ہے ' اور ایمان کی موت اور اسلام کے نابود ہوجانے کی ایک ایسی اشد حالت ' جس سے زیادہ کفر و کافری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا - دنیا کے وہ سارے گناہ ' ساری معصیتیں ' ساری نا پاکیاں ' ہر طرح اور ہر قسم کی نا فرمانیاں ' جو ایک مسلمان جسم دنیا میں کرسکتا ہے ' یا انکا وقوع دھیان میں آسکتا ہے ' سب اسکے آگے ہیچ ہیں - جو مسلمان اسکا مرتکب ہو ' وہ قطعـــاً کافر ہے ' اور بدترین قسم کا کافر - اسکی حالت کو قتل مسلم کی پہلی صورت پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا - اس نے صرف قتل مسلم ہی کا ارتکاب نہیں کیا ہے ' بلکہ اسلام کے برخلاف دشمنان حق کی اعانت و نصرت کی ہے - اور یہ بالاتفاق و بالاجماع کفر صریح و قطعی مخرج عن الملـــة ہے - جب شریعت ایسی حالت میں غیر مسلموں کے ساتھہ کسی طرح کا عـــلاقۂ محبت رکھنا بھی جائز نہیں رکھتی ' تو پھر صریح اعانت فی الحرب اور حمل سلاح علی المسلم کے بعد کیونکر ایمان و اسلام باقی رہسکتا ہے ؟

# فصل

( واقعۂ امام حسین علیہ السلام )

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اگر سلطان اسلام کو خلیفہ مان لینا چاہیے گو نا اہل ہو ' تو پھر حضرۃ امام حسین علیـــہ السلام نے یزید ...

معاویہ کی حکومت کے خلاف کیوں خروج کیا ؟ اور کیوں انکو برسر حق اور شہید ظلم و جور تسلیم کیا جاتا ہے ؟

پس گو بحث کے اس حصے کا طول بقیہ مطالب کی تشریح میں مخل ہوگا ' لیکن چونکہ اس معاملہ میں عام طور پر ایک سخت غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے ' اسلیے صاف کردینا ضروری ہے - یہ بالکل غلط ہے کہ حضرۃ امام حسین اس حالت میں لڑے ' جبکہ وہ یزید کی حکومت کے مقابلے میں خود مدعی امامت اور طالب خلافت تھے - جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں ' انہوں نے واقعۂ کربلا کا دقت نظر کے ساتھہ مطالعہ نہیں کیا - حالات میں اجانک ایسی تبدیلی ہوئی ہیں کہ اس غلط فہمی کا پیدا ہوجانا عجیب نہیں - حضرۃ امام جب مدینہ سے چلے ' تو انکی حیثیت دوسری تھی - جب کربلا میں حق پرستانہ لڑکر شہید ہوے ' تو انکی حیثیت دوسری تھی - دونوں حالتیں مختلف ہیں - اس لیے دونوں کا حکم بھی شرعاً مختلف -

جب وہ مدینہ سے چلے ہیں تو حالت یہ تھی کہ نہ تو ابھی یزید کی حکومت قائم ہوئی تھی ' نہ اہم مقامات و مراکز نے اسکو خلیفہ تسلیم کیا تھا ' نہ اہل حل و عقد کا اسپر اجماع ہوا تھا - ابتدا سے معاملۂ خلافت میں سب سے پہلی آواز اہل مدینہ کی رہی ہے ' پھر حضرۃ علی کے زمانے میں مدینہ کی جگہ کوفہ دارالخلافہ تھا - اہل مدینہ اسوقت تک متفق نہیں ہوے تھے - کوفہ کا یہ حال تھا کہ تمام آبادی یکقلم مخالف تھی اور حضرۃ امام حسین سے بیعت کرنے کیلیے پیہم اصرار و الحاح کر رہی تھی - انہوں نے خود خلافت کی حرص نہ کی ' بلکہ ایک ایسے زمانے میں جب تخت حکومت سابق حکمراں سے خالی ہوچکا تھا اور نئے حکمران کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی ' ایک بہت بڑی مرکزی و موثر آبادی ( یعنی کوفۂ و عراق ) کے طلب و سوال کو منظور کرلیا - البتہ اس منظوری میں یہ مصلحت ضرور پیش نظر تھی کہ یزید جیسے نا اہل کی حکومت سے امت کو بچایا جاے -

اگر کہا جاے کہ امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں یزید کو ولی عہد مقرر کردیا - تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرعا اولاد کی ولی عہدی کوئی شے نہیں ہے - اصلی شرط خلافت کی انعقاد حکومت ہے - یزید کو گو ولی عہد

مقرر کردیا ہو، لیکن جب تک اسکی خلافت بالفعل قائم نہ ہوجائے صرف نامزدگی کوئی حقیقت نہیں رکھتی - یہی وجہ ہے کہ جب یزید کی ولی عہدی کے لیے حضرت عبد اللہ بن عمر سے بیعت طلب کی گئی تو انہوں نے صاف انکار کردیا اور کہا " لا أبایع لامیرین " میں دو امیروں سے بہ یک وقت بیعت نہ کرونگا - یعنی خلیفہ کا اپنی زندگی میں ولی عہدی کے لیے بیعت لینا ایک وقت میں دو امیروں کی بیعت ہے جسکی شرعاً کوئی اصل نہیں - ( رواہ ابن حبان و نقلہ فی الفتح )

لیکن جب وہ کوفہ پہنچے، تو نظر آیا کہ حالت بالکل بدل چکی ہے - تمام اہل کوفہ ابن زیاد کے ہاتھہ پر یزید کیلیے بیعت کرچکے ہیں، اور سرزمین عراق کی وہ بے وفائی و غداری جو حضرت امیر کے عہد میں بارہا ظاہر ہوچکی تھی، بدستور کام کر رہی ہے - یہ حال دیکھکر وہ معاملۂ خلافت سے دست بردار ہوگئے، اور فیصلہ کرلیا کہ مدینہ واپس چلے جائیں - لیکن ابن سعد کی فوج نے ظالمانہ محاصرہ کرلیا اور مع اہل و عیال کے قید کرنا چاہا - وہ اس پر بھی آمادہ ہوگئے تھے کہ مدینہ کی جگہ دمشق چلے جائیں اور براہ راست یزید سے اپنے معاملے کا فیصلہ کرالیں، مگر ظالموں نے یہ بھی منظور نہ کیا -

اب امام کے سامنے صرف دو راہیں تھیں - یا اپنے تئیں مع اہل و عیال قید کرادیں - یا مردانہ وار لڑکر شہید ہوں - شریعت نے کسی مسلمان کو مجبور نہیں کیا ہے کہ ناحق ظالموں کے ہاتھہ اپنے تئیں قید کرادے - پس انہوں نے دوسری راہ کمال عزیمۃ دعوۃ کی اختیار کی، اور خود فروشانہ لڑکر حالت مظلومی و مجبوری میں شہید ہوے -

بس جس وقت کربلا میں میدان کارزار گرم ہوا ہے، اسوقت حضرت امام حسین مدعی خلافت و امامت نہ تھے - نہ اس حیثیت سے لڑ رہے تھے - انکی حیثیت محض ایک مقدس اور پاک مظلوم کی تھی جسکو ظالموں کی فوج ناحق گرفتار کرنا چاہتی ہے - وہ اپنے آپکو زندہ گرفتار کرادینا پسند نہیں کرتا، اور چاہتا ہے کہ طاقتور ظلم کے مقابلے میں بے سروسامان حق کی استقامت کا ایک یادگار منظر دنیا کو دکھلادے - تعجب ہے کہ یہ غلط فہمی صدیوں سے پھیلی ہوئی ہے - جسکو مفصل اور محققانہ بحث دیکھنی ہو، وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی منہاج السنہ جلد ۲ - کا مطالعہ کرے -

# فصل

## ( شـــرط قـــرشيـــة )

مندرجۂ بالا فصول سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انتخاب خلیفۂ و امام کیلیے متعدد شرطیں ہیں - ازانجملہ ایک عرصہ تک علماء کی رائے رہی کہ خلیفہ کو خاندان قریش میں سے ہونا چاہئیے - لیکن اگر امت کے لیے انتخاب کا موقعہ باقی نہ رہا ہو تو خلیفہ تسلیم کر لینے کیلیے بجز اسلام اور انعقاد حکومت ( یعنی حکومت کے جماؤ اور جگہ پکڑ لینے ) کے اور کوئی شرط نہیں ہے - خلفاء راشدین کے بعد جامع الشروط سلسلۂ خلافت کوئی بھی قائم نہ ہوا - بنو امیہ و عباسیہ میں اگر ایک شرط قرشیۃ کی پائی جاتی تھی ' تو اور بہت سی اہم شرطیں مفقود تھیں - بنیادی شرط یہ ہے کہ حکومت تلوار کے زور سے نہ منوائی جاے بلکہ امت کے انتخاب و اجماع سے ہو' سو یہ شرط کسی کی خلافت میں بھی نہ تھی - پھر خلیفہ کو عادل و منصف ہونا چاہیے - حکومت نظام شوری کے ساتھہ کرنی چاہیے - سنہ رسول اور سنت خلفـــاء راشدین پر عامل ہونـــا چـــاہیے - بجز عمر بن عبدالعزیز (رح ) کے کوئی بھی ان سب کا جامع نہ تھا - عباسیہ کے بعد حکومت عجمیوں کے ہاتھہ آئی - پھر مصر کے عباسی خلفا کے بعد ترکوں کا خاندان عثمانیہ خلافت پر قابض ہوا - آخری مصری خلیفہ نے خود سلطان سلیم کے ہاتھہ پر بیعت کی - یہ‌خلافت بلا نزاع آجتک قائم اور تمام عالم اسلامی کیلیے شرع و امت کا مرکزی اقتدار ہے - اگر بنو امیہ و عباسیہ میں پانچ شرطیں نہیں پائی جاتی تھیں تو ان میں سات نہ سہی - یعنی یہ عرب بھی نہیں اور قرشی بھی نہیں - لیکن چونکہ سوال خلیفہ کے انتخاب کا نہیں ہے بلکہ ایک قائم و نافذ خلافت کے ماننے کا ' اسلیے شرائط کی بحث کا یہاں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا -

منجملہ شروط خلافت کے ایک متفق علیہ شرط حریت کی ہے - یعنی خلیفہ آزاد ہو - غلام نہو - مصلحت و ضرورت بھی اسکی ظاہر ہے ' مگر معلوم ہے کہ تمام دنیا کی تاریخ میں صرف مسلمانوں ہی کی تاریخ اسکی

نظیر پیش کرسکتی ہے کہ غلاموں نے امامت کی ہے، بادشاہت کی ہے، اور تمام سادات و قریش اور شرفاء عرب و عجم نے انکے آگے اطاعت کا سر جھکایا ہے۔ خود حدیث میں وارد ہے " اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبة" اور روایت ابو ذر عند مسلم کہ " و ان کان عبدا مجدع الاطراف" اور روایت ابن حصین کہ " و لو استعمل علیکم عبد یقودکم بکتاب اللـــہ ' اسمعوا لہ و اطیعوا " یعنی اگر ایک ذلیل سے ذلیل حبشی غلام بھی تمہارا امیر ہوجائے تو اسکی سنو اور اطاعت کرو۔ حافظ نواوی اسکی شرح میں لکھتے ہیں " و المراد اخس العبید - ای اسمع واطع و ان کان دنی النسب' حتی لو کان عبد اسود مقطوع الاطراف ' فطاعتہ واجبة ' و یتصور امارة العبد اذا ولاہ بعض الائمة' او تغلب علی البلاد بشوکتہ و اتباعہ ' و لا یجوز ابتـــداء عقد الولایة لہ مع الاختیار' بل شرطہا الحریة " (جلد ۲ : ۱۲۵) یعنی یہ جو فرمایا کہ اگرچہ حبشی غلام ہو' تو مقصود اس سے یہ ہے کہ اگرچہ امیر نہایت ذلیل نسب و خاندان کا ہو' لیکن اگر خلیفہ ہوگیا ہے تو اطاعت کرو' اور اسی بنا پر غلام امیر ہو سکتا ہے اگر کسی امام نے مقرر کردیا ہو - یا خود وہ شہروں پر غالب آکر مسلط ہوگیا ہو - البتہ جائز نہیں کہ ابتدا میں کسی غلام کو امیر منتخب کیا جائے کیونکہ آزاد ہونا شرائط امامت میں سے ہے " اور فتح الباری میں ہے " لو تغلب حقیقة بطریق الشوکة ' فان طاعتہ تجب اخماداً للفتنة" ( ۱۳ : ۱۰۹ )

جب غلبۂ و تسلط کی صورت میں خود حافظ نواوی ( جو شرط قرشیہ کے سب سے بڑے حامیوں میں سے ہیں ) نص حدیث کی بنا پر تسلیم کرتے ہیں کہ ایک دنی النسب ' خسیس الحال ' حبشی غلام ' امیر ہوسکتا ہے اگرچہ آزاد ہونا شرط ابتدائی ہے ' تو پھر ظاہر ہے کہ ایک غالب و مسلط خلیفہ کی خلافت کیلیے شرط قرشیة کا موجود نہ ہونا کیوں مخل ہو اگرچہ قرشیہ ایک شرط ابتدائی مان لی جائے ؟

پس یہ مان لینے کے بعد بھی کہ قرشی ہونا شرائط شرعیہ میں سے ہے' ترکان عثمانی کی خلافۂ مسلمۂ و منعقدہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ' اور شرائط کی پوری بحث موجودہ مسئلہ سے یکقلم غیر متعلق ہے' تاہم تحقیق مقام کے خیال سے بہتر ہوگا کہ اس شرط کی حقیقت پر بھی ایک فیصلہ کن نظر نظر ڈال لی جائے -

# باب

"الائمة من قریش"

# فصل

( تحقیق امارۂ قریش و شرط قرشیۃ )

جہانتک قرآن و سنت، آثار صحابہ، اور تمام دلائل شرعیہ و عقلیہ کا تعلق ہے، کوئی نص قطعی موجود نہیں، جس سے ثابت ہو کہ اسلام نے معاملۂ خلافت و امامت صرف خاندان قریش کیلیے شرعاً مخصوص کردیا ہے - احادیث اس بارے میں جس قدر موجود ہیں، سب صحیح ہیں - یہ بھی مروی ہے کہ حضرۃ ابوبکر نے مجمع صحابہ میں اسکو پیش کیا اور کسی نے انکار نہ کیا - یہ بھی درست ہے کہ صحابہ میں ہمیشہ اس بات کی شہرت رہی - اور یہ بھی غلط نہیں کہ جب تک خاندان عباسیہ باقی رہا، لوگ اسکو بطور ایک شرط کے سمجھتے رہے - با ایں ہمہ ان ساری باتوں کی حقیقت وہ نہیں ہے جو اب سمجھی جاتی ہے - ان ساری باتوں کے صحیح ہونے کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ اسلام نے خلافت کو نہ کسی قوم میں مخصوص کیا ہے، نہ کسی خاندان میں - اسلام جو اس طرح کی تمام قومی و نسلی امتیازات مٹانے، اور ہمیشہ کیلیے صرف انسانیت کی بے قید و عام عظمت کو قائم کردینے، اور "عمل" کے قانون الٰہی کے آخری اعلان کیلیے آیا تھا، اسکے نام سے ساری باتیں مان لی جا سکتی ہیں، لیکن اسکا وہم و گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اُسنے خاندان و نسل کا کوئی امتیاز تسلیم کیا ہو - یہ کیونکر ممکن ہے کہ امتیاز نسب کے جس بت کو خود اس نے توڑا ہو، اُسی کے ٹکڑوں کو پھر جوڑ کر از سر نو ایک نیا بت خانہ قائم کر جاے ؟

تفصیل و دلائل کی ضرورت نہیں - یہ بات ہر اُس شخص پر جو اسلام سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، روشن ہے کہ ہر طرح کی نسلی و خاندانی

امتیازات کے مٹانے میں اسلامی احکام و اعمال کا کیا حال رہا ہے ؟ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا جبکے غرور قوم و نسب کا یہ حال تھا کہ وہاں کا ایک چرواہا اپنے نسبی و خاندانی شرف کے سامنے قیصر و کسریٰ کو بھی ذلیل و حقیر سمجھتا تھا - عرب کے علاوہ نقدہ دنیا بھی طرح طرح کے قومی و وطنی امتیازات کی پرستش کر رہی تھی - اسلام نے اپنی دعوۃ کی سب سے پہلی اور کاری ضرب اسی غرور نسل و قوم کے بت پر لگائی' اور اللہ کے اس قانون فطرۃ کی عام منادی بلند کی کہ "یا ایہا الناس ! انا خلقنا کم من ذکر و انثیٰ' و جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا - ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (۴۹ : ۱۴) یعنی بنیاد ہر طرح کی فضیلت و بزرگی کی صرف عمل ہے' اور کوئی شے نہیں - قوموں اور خاندانوں کی تفریق صرف اسلیے ہے کہ باہمدگر پہچان اور تمیز کا ذریعہ ہو - اسلیے نہیں ہے کہ ایک دوسرے پر اپنی برائی جتلائے - سب سے بڑا انسان وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو - اور فرمایا : لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ' و ان لیس للانسان الا ما سعیٰ' و ان سعیہ سوف یریٰ - (۵۳ : ۴۶) ہر انسان اپنے کاموں کا خود ذمہ دار ہے' اور انسان کی تمام کامیابیوں اور سعادتوں کی بنیاد صرف اسکی کوشش اور اسکا عمل ہے - آنحضرۃ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زندگی بھر قول و فعل یہ رہا کہ "لیس منا من دعیٰ الی عصبیۃ" اور "لیس منا من قاتل علیٰ عصبیۃ" اور "لیس منا من مات علیٰ عصبیۃ" یعنی وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کی خصوصیت کے تعصب کی طرف لوگوں کو بلائے - وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی حالت میں دنیا سے جائے - وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی بنا پر لوگوں سے جنگ کرے ! دنیا کو چھوڑنے سے پہلے حجۃ الوداع میں جو آخری پیام امت کو سنایا' اسمیں بھی سب سے پہلی چیز یہی تھی - یعنی نوع انسانی کی عام مساوات کا اعلان : "لا فضل لعربی علیٰ عجمی' و لا لعجمی علیٰ عربی - کلکم ابناء آدم" (شیخان) اور فرمایا "لیس لاحد فضل علیٰ احد الا بدین و تقویٰ - الناس کلہم بنو آدم' و آدم من تراب" (رواہ الجماعۃ) یعنی اسلام کا ظہور و قیام نوع انسانی کی مساوات اور باہمدگر برابری کا اعلان ہے - اب نہ کسی عرب کو عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عرب پر ملک و قوم کی وجہ سے فضیلت ملسکتی ہے - سب ایک ہی آدم کی اولاد ہیں' اور وہی سب سے بڑا ہے جو عمل میں بڑا ہو :

معمورهٔ دلے اگرت هست ' دارگوے
کیں جا سخن نه ملک فریدوں نمی رود

عملاً یه حال تھا که آپ نے اپنی زندگی میں سب سے آخری موجی مہم جو بھیجی ' اسکی سرداری اُسامه کو دی جنکے والد زید آپکے غلام تھے - بعض ظاہر بینوں پر یه بات گراں گذری تو فرمایا " لقد طعنتم فی امارة ابیه و قد کان لها اهلاً ' و ان اسامه لها اهل " تم لوگ پہلے زید کی سرداری پر بھی طعن کرچکے ہو ' حالانکه وہ اس کام کا اهل تھا ' اور اب اُسامه سردار بنایا گیا ہے اور وہ اس کام کا اهل ہے - " اهل " کے لفظ پر زور دیا - یعنی طعن بیکار ہے - کیونکه بنیاد معاملۂ امارت و سرداری کی صرف اهلیت و قابلیت ہے - اور کچھه نہیں - حضرة عائشه کا قول مشہور ہے " لو کان زید حیاً ' ما استخلف رسول الله غیره " اگر آنحضرة کے غلام زید زندہ رہتے تو آپ اُنکے سوا اور کسی کو اپنا جانشین نه بناتے - ( ۱ ) اُسامه کو جس لشکر کی سرداری دی گئی تھی ' جانتے ہو اسمیں کیسے کیسے لوگ شریک تھے ؟ بڑے بڑے مہاجرین و قریش اور سادات عرب - جن میں سب سے پہلے حضرة ابوبکر صدیق کا نام نظر آتا ہے - وہی ابوبکر ( رض ) جو چند دنوں کے بعد رسول الله کے جانشین اور تمام امت کے امیر ہونے والے ہیں !

بندهٔ عشق شدی ' ترک نسب کن جامی
کیں دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست !

---

( ۱ ) الله الله ! اس بارے میں اسلام و پیروان اسلام کے معاملات کیسے عجیب و غریب رہچکے ہیں ؟ آج مسلمانوں کو جو طرح طرح کے خاندانی امتیازات و تفریقات کی بت پرستانه پرستش کر رہے ہیں ' کیونکر یاد دلایا جاے که کسی زمانے میں الله اور اُسکے رسول کے رشته کے سوا نه کوئی رشته مقبول تھا - نه عمل کی بزرگی کے سوا کوئی بزرگی تسلیم کی جاتی تھی - حضرة عمر کا ایک واقعه اِنہی اُسامه کی نسبت ناقابل فراموش ہے - اُنکے لڑکے عبد الله نے ایک بار شکایت کی که تقسیم اموال میں اُسامه بن زید سے مجھے کم درجه پر کیوں رکھا جاتا ہے ؟ حضرة عمر نے کہا " کان ابوہ احب الی رسول الله من ابوک ' و کان احب الی رسول الله منک " اسلیے که تیرے باپ سے زیادہ اُسکا باپ الله کے رسول کو پیارا تھا ' اور اسلیے که وہ خود بھی تجھسے

بلال حبشی ، صہیب رومی ، سلمان فارسی ( رض ) کا جو حال تھا ، معلوم ہے - بلال کو عمر فاروق جیسے قرشی نے " ہمارا آقا و سردار " کہا - اور صہیب کو دیکھتے تو کہتے " نعم العبد صہیب ! لو لم یخف اللہ لم یعصہ " صہیب اللہ کا کیا نیک بندہ ہے ! اگر خوف عذاب نہ ہوتا جب بھی اسکی فطرۃ بدی پر مائل نہ ہوتی ! مرنے کے وقت وصیۃ کی کہ نماز جنازہ وہی پڑھائیں - سلمان کا یہ حال تھا کہ حضرۃ علی علیہ السلام فرماتے " سلمان منا اهل البیت " سلمان تو هم اهل بیت نبوۃ میں سے ہے ! اسی چیز کا نتیجہ تھا کہ ایک صدی کے اندر ھی اندر عرب کی نسلی عصبیۃ کا نام و نشان باقی نہ رہا ، اور وہ زمانہ آگیا جب بزرگی و فضیلت کے هر میدان میں سرداری و ریاست عجمیوں اور غلام زادوں کے هاتھہ میں تھی - عرب انکے علم و عمل کے آگے اسی طرح جھک گئے تھے ، جس طرح ایک قرشی و هاشمی کے آگے جھک سکتے تھے - حتی کہ خلیفۂ هشام بن عبد الملک کو امام زهری سے کہنا پڑا " و اللہ لیسودن الموالی العرب ، و یخطب لھم علی المنابر ، و العرب تحتھم ! " ( عقد الفرید )

پھر کیا ایسی حالت میں ایک لمحہ کیلیے بھی باور کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کا داعی تمام دنیا کو تو قومی و نسلی امتیازات کی غلامی سے نجات دلانا چاهتا هو اور مساوات عامہ کی طرف بلا رہا هو ، لیکن ( نعوذ باللہ ) خود اس درجہ خود غرض هو کہ قیامت تک کیلیے پادشاهی و خلافت

---

( بقیہ نوٹ صفحہ ۹۳ )

زیادہ رسول اللہ کے نزدیک محبوب تھا ! یعنی ندائے استحقاق هماری آپس کی رشتہ داریاں نہیں هوسکتیں - اللہ اور اسکے رسول کے نزدیک جو محبوب هو ، وهی سب سے زیادہ حقدار ہے ، اور اسی کو هر طرح کی بڑائی پہنچتی ہے - ایسے صدها واقعات ان عہدوں میں گزر چکے هیں - اسلام نے یہ انقلاب اس ملک میں پیدا کردیا تھا جہاں کا بچہ بچہ غرور نسل و خاندان کے نشہ میں بدمست رهتا تھا - جو مغرور قریش کل تک قبائل یثرب کے شرفاء کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں انسے مقابل هوں ، وہ اب غلاموں اور غلام زادوں کی سرداری بھی مان لینے کیلیے بلا چون و چرا طیار هیں - سلطان اسلام کے لڑکے کے استحقاق پر ایک غلام زادہ کو ترجیح دی جا رهی ہے - وہ گردن جھکا دیتا ہے اور تسلیم کرلیتا ہے !

صرف اپنے ھی خاندان کیلئے مخصوص کردے ؟ نہ تمام نوع انسانی سے کہے کہ تمہارے سارے لئے ہوئے حق جھوٹے ہیں - سچا حق صرف عمل اور اہلیت کا ہے - لیکن خود اپنے لئے یہ کرجائے کہ نہ تو عمل اور نہ اہلیت ، بلکہ صرف ملک ، صرف قوم ، صرف نسل ، اور صرف خاندان ؟

کیا اس سے بھی بڑھکر کوئی عجیب بات ہوسکتی ہے ؟

خیر ، یہ بات کتنی ھی عجیب ہوتی ' لیکن ہم بلا تامل باور کرلیتے اگر فی الحقیقت قرآن و سنت سے ٹھیک ٹھیک ثابت ہوتی - ہمارے نزدیک کسی اسلامی اعتقاد کی صحت و عدم صحت کا معیار صرف یہ ہے کہ کتاب و سنت سے بطریق صحیح ثابت ہو - یہ کچھ ضروری نہیں کہ ہماری نارسا سمجھ اُسکا احاطہ و ادراک بھی کرسکے - لیکن استعجاب کی ساری بنیاد ہمارا عقلی و قیاسی استبعاد نہیں ہے - بلکہ یہ ہے کہ کسی نص سے ایسا ثابت نہیں ، اور چونکہ ثابت نہیں ، اسلیے ہم کو یقین ہے کہ اسلام کیلیے کوئی ایسی بات ثابت بھی نہیں ہونی چاہیے -

شارع کے بیانات ' انسان کی عام بول چال کی طرح مختلف قسموں کے واقع ہوے ہیں - از انجملہ ایک صورت احکام و اوامر اور تشریع کی ہے - یعنی بہ حیثیت شرع و دین کے کوئی حکم دینا اور قانون ٹھہرا دینا - دوسری صورت اخبار و اطلاعات کی ہے - یہ دوسری صورت مجرد بیان واقعہ و حال ہے ' اور اگر آیندہ کی نسبت ہے تو پیشین گوئی ہے - حکم اور تشریع نہیں ہے - یعنی صرف ایک خبر ہے کہ ایسا ہوگا - یہ نہیں ہے کہ ایسا کرنا چاہیے -

قریش کی خلافت کی نسبت جسقدر روایات موجود ہیں ' سب دوسری قسم میں داخل ہیں - نہ کہ پہلی قسم میں - اور جب اس حدیث کے تمام طریقوں اور لفظوں کو جمع کرکے دیکھا جائے ' تو بلا کسی اضطراب کے یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے :

(۱) یہ حدیث حضرة ابو ہریرہ ' ابو برزہ ' کثیر بن مرہ ' جابر بن عبد اللہ ' جابر بن سمرہ ' معاویہ بن سفیان ' وغیرہم مختلف صحابہ سے مروی ہے ' اور عمدہ طریق وہ ہیں جو بخاری و مسلم نے اختیار کیے ہیں - لیکن کسی طریق روایت میں بھی کوئی ایسا لفظ مروی نہیں جس سے ثابت ہو کہ مقصود پیشین گوئی نہ تھا - تشریع و امر تھا -

عن ابي هريرة " الناس تبع لقريش فی هذا الشان - مسلمهم لمسلمهم و کافرهم لکافرهم" (مسلم) دوسرے طریق میں زیادہ وضاحت هے " مسلمهم تبع لمسلمهم ' و کافرهم تبع لکافرهم " ( مسلم ) جابرکی روایت میں " الناس تبع لقریش فی الخیر و الشر" هے - امام نواوی اسکی شرح میں لکهتے هیں " معناه فی الاسلام و الجاهلیة - لانهم کانوا فی الجاهلیة رؤساء العرب و اصحاب حرم الله و اهل الحج ' و کانت العرب تنتظر اسلامهم ' فلما اسلموا وفتحت مکه ' تبعهم الناس ' وجاءت وفود العرب من کل جهة ' و دخل الناس فی دین الله افواجا " ( جلد ۲ : ۱۱۹ ) پس معلوم هوا که اس حدیث کو مسئلۂ خلافت کے اختصاص و شرائط سے کوئي تعلق نهیں - مقصود یه هے که عرب میں خاندان قریش حج کے اهتمام اور خدمت الله کی همسایگی کی وجه سے تمام قبائل کی سرداري رکهتا تها ' اور هرکام میں سب کی نظریں اُسی پر اُٹهتی تهیں - جب تک مکه فتح نهوا اور قریش مسلمان نه هوے ' تمام عرب کے قدم رکے رهے - جونهی قریش مسلمان هوے ' سب نے اُنکی پیروی کی ' اور اپنے اپنے وفد بهیجنا شروع کردیے - حتی که تمام عرب مسلمان هوگیا - پس فرمایا " الناس تبع لقریش " لوگ جاهلیه اور اسلام ' دونوں حالتوں میں قریش کے تابع هوے - وه بگڑے رهے تو سارا عرب بگڑا رها ' وه سنورے تو سب سنور گئے - اور یه بالکل حق و معلوم هے - همیشه اور هر ملک میں سردار جماعتوں اور بڑے لوگوں کا ایسا هی اثر ملک و قوم پر هوتا هے - اچهي بري ' هر طرح کی باتوں میں لوگ اُنهي کي پیروي کرتے هیں - حضرة ابو بکرکي روایت سے یهی حدیث مسند امام احمد میں یوں مروي هے " بر الناس تبع لبرهم ' وفاجرهم تبع لفاجرهم " او ر بیهقی نے حضرة علي سے روایت کیا " کان هذا الامر فی حمیر فنزعه الله منهم و جعله فی قریش " لیکن اس سے یه بات کیونکر ثابت هوئي که مسلمانوں کا خلیفه بجز اُنکے کوئي دوسرا هو هی نهیں سکتا ؟ اسلام صرف عرب هي کا اسلام نه تها جس کے سردار قریش تهے - اسلام تمام عالم کیلیے اسلام هے جسکی سرداري و ریاست صرف علم و عمل حق هي کو ملسکتي هے اور یه سرداري اسلام هی نے دلائی هے !

( ۲ ) امام بخاري نے جابر بن سمرة سے بطریق شعبه ایک اور حدیث روایت کی هے " سمعت النبي صلعم یقول یکون اثنا عشر امیراً - فقال کلمة لم اسمعها - فقال ابی انه قال کلهم من قریش " یه حدیث مختلف

طریقوں اور لفظوں سے تمام اصحاب سنن و مسانید نے روایت کی ہے - صحیح مسلم میں سفیان بن عیینہ کے طریق سے " لایزال امر الناس ماضیاً ما ولیھم اثنا عشر رجلا - ثم تکلم النبی بکلمۃ خفیت علی - فسئلت ابی ماذا قال ؟ فقال کلھم من قریش " اور حصین بن عمران کے طریق سے " ان ھذا الامر لا ینقضی حتی یمضی فیھم اثنا عشرہ خلیفہ " اور سماک بن حرب سے " لا یزال الاسلام عزیزاً منیعاً الی اثنی عشر خلیفہ " مروی ہے - شعبی کے طریق عند ابی داؤد میں ہے " فکبر الناس و ضجوا " اور اسماعیل بن ابی خالد عن ابیہ سے اسی میں ہے " لا یزال ھذ الدین قائماً حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفہ کلھم تجتمع الامۃ علیہ " طبرانی نے اسود بن سعید کے طریق سے اسپر زیادت کی " لا تضرھم عداوۃ من عاداھم " بعض طریق میں ہے " لا تزال ھذا الامر صالحاً " اور " ماضیاً " ( روا ھما احمد ) اور بزار و طبرانی نے ابو جحیفہ سے روایت کی ہے " لا یزال امر امتی قائما حتی یمضی اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش " یہی روایت ابو داؤد میں اس اضافہ کے ساتھ ہے " فلما رجع الی منزلہ آتتہ قریش فقالوا ثم تکون ما ذا ؟ قال ثم تکون الھرج "

حاصل تمام روایتوں کا یہ ہے کہ آپ آیندہ کی نسبت خبر دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں - ضرور رہے کہ بارہ خلیفہ ہوں - سب قریش سے ہونگے - کسی دشمن کی دشمنی انکو نقصان نہیں پہنچا سکیگی - جبتک یہ بارہ خلیفہ حکمراں رہینگے ' اسلام با عزت رہیگا ' اور لوگ خوشحال -

اس طرز بیان کی وضاحت نے ظاہر کردیا کہ اس بارے میں جو کچھہ کہا جا رہا ہے ' اس سے صرف آئندہ کی نسبت اطلاع دینا مقصود ہے - حکم و تشریع نہیں ہے - ہم نے تمام روایات و طرق نقل کردیے - کسی روایت اور طریق سے بھی ایسا لفظ ثابت نہیں جس سے حکم و تشریع نکل سکے -

( ۳ ) ان سب کے بعد وہ حدیث آتی ہے جسکو امام بخاری نے باب " الامــــراء من قریش " کی بنیـــاد قرار دیا ہے - تمام روایات کے ساتھہ یہ حدیث سامنے رکھلی جائے ' تو پوری طرح اصلیت روشن ہو جائیگی - امیر معاویہ کی مجلس میں ایک مرتبہ ذکر آیا کہ عبد اللہ بن عمرو کہا کرتے ہیں " سیکون ملک من قحطـــان " قحطان میں سے ایک پادشاہ ہوگا - امیر معاویہ یہ سنکر غضبناک ہوے اور خطبہ دیا : " بلغنی ان رجالاً منکم یحدثون احادیث لیست فی کتاب اللہ و لا تؤثر عن رسول اللہ " الخ - مجھہ تک

یہ بات پہنچی ہے کہ تم میں کچھ لوگ ہیں جو ایسی باتیں کہتے ہیں نہ تو قرآن میں ہیں نہ رسول سے ثابت ہیں " انی سمعت رسول اللہ یقول ان ہذا الامر فی قریش ' لا یعادیہم احد ' الا کبہ اللہ علی وجہہ ' ما اقاموا الدین " میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ یہ بات ( یعنی حکومت ) قریش ہی میں رہیگی جب تک وہ دین قائم رکھینگے - جو انکی مخالفت کرے گا ' اللہ رسوا ہوگا - یعنی کامیاب نہوگا -

اس روایت نے سارا معاملہ حل کردیا - معلوم ہوگیا کہ ایک خاص وقت تک کے لیے یہ پیشین گوئی تھی' اور حرف بہ حرف پوری ہوئی - یعنی آپ نے بتلادیا تھا کہ قریش میں جب تک دین قائم رکھنے کی قابلیت رہیگی' حکومت انہی کے قبضے میں رہیگی - جو انکے خلاف اٹھیگا ' نا کام رہیگا - چنانچہ ایسا ہی ہوا - جب تک عرب و قریش میں صلاحیت رہی ' اسلامی خلافت کے وہی مالک رہے - جب اسکے اہل نہ رہے' عجم و ترک نے یہ بار اٹھالیا - بحکم ان یشا یذہبکم و یات بخلق جدید' و ما ذلک

علی اللہ بعزیز ( ۳۰ ' ۱۶ ) اور یستبدل قوماً غیرکم الخ - باقی رہا امیر معاویہ کا ابن عمرو پر انکار' تو یہ بھی صحیح نہ تھا - وہ صرف یہ بات سنکر گھبرا اٹھے کہ دوسری پادشاہت بننے والی ہے - اصلیت پر غور نہیں کیا - قحطانی والی حدیث بطریق رفع ثابت ہے' اور قریش والی حدیث میں " ما اقاموا الدین" کی قید موجود ہے - پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں - اسی بنا پر ائمۂ حدیث نے حدیث قحطانی اور حدیث قریش میں تطبیق دیتے ہوے صاف صاف لکھدیا کہ امارۃ قریش والی روایت تشریع نہیں ہے - محض خبر ہے - اور وہ بھی " ما اقاموا الدین " کے ساتھہ مقید - شیخ الاسلام لکھتے ہیں " ہذا انکار من معاویۃ بلا تامل ' و الا ' فقد جاء حدیث القحطانی مرفوعاً ' و ما ذکر فی المعارضہ ' فہو حجۃ لما فیہ من التقیید بقولہ : ما اقاموا الدین " اور حافظ عسقلانی نے فتح میں ابن التین کا قول نقل کیا ہے " الذی انکرہ معاویۃ فی حدیث ما یقویہ لقولہ ما اقاموا الدین فربما کان فیہم من لا یقیمہ فیتسلط القحطانی علیہ و ہو کلام مستقیم" (۱۳ - ۱۰۲) یعنی امیر معاویہ کا انکار کردینا انکی بے غوری کا نتیجہ تھا - ورنہ قحطانی والی بات ثابت ہے - امیر معاویہ نے جو حدیث معارضہ میں پیش کی ' اس کا آخری ٹکڑہ خود انہی پر حجت ہے اور ابن عمرو کی تصدیق کر رہا ہے - یعنی اس میں " ما اقاموا الدین "

کی قید موجود ہے - اس سے ثابت ہوا کہ جب قریش میں ایسے لوگ نہ رہینگے جو دین قائم رکھہ سکیں تو پھر کوئی غیر قریشی مسلط ہو جائیگا -

( ۴ ) صحیح بخاری کے ترجمۂ باب سے واضح ہوتا ہے کہ امام بخاری کا بھی مذہب یہی ہے - انھوں نے باب باندھا ہے " الامراء من قریش " قریش میں امارت اور امراء - اس مضمون کا باب نہیں باندھا کہ امارت ہمیشہ قریش ہی میں ہونی چاہیے -

( ۵ ) امام بخاری نے ایک دوسری روایت اس عنوان کی درج کی ہے جو مسلم وغیرہ میں بھی ہے . " لا یزال ھذا الامر فی قریش ما بقی منھم اثنان " یعنی یہ چیز قریش ہی میں رہیگی جب تک دو آدمی بھی اُن میں باقی رہینگے -

اس روایت سے ہمارے بیان کی اور مزید تصدیق ہوگئی - حدیث کا منطوق صریح پیشین گوئی کا ہے - اگر اسکا یہ مطلب قرار دیا جاے کہ جب تک دو انسان بھی خاندان قریش میں باقی رہینگے ' خلافت انہی کے قبضہ میں رہیگی ' تو یہ واقعات کے بالکل خلاف ہے - دنیا کی جگہ ہزاروں قریشی انسان موجود رہے اور خلافت قریش سے نکل گئی - پس ضرور ہے کہ "ما بقی منھم اثنان" کے منطوق پر مفہوم کو ترجیح دی جاے - اور وہ یہی ہے کہ اگر قریش میں دو آدمی بھی ایسے باقی رہینگے ' جو خلافت کے اهل ہونگے ' تو کبھی خلافت کے شرف سے یہ خاندان محروم نہ ہوگا - مگر جب انقلاب حال سے ایسا وقت آجائے کہ دو آدمی بھی اهل نہ رہیں ' تو مشیت الہی اپنے قانون انتخاب اصلح کے مطابق دوسروں کو اس کام پر مامور فرمادیگی ' اور قریش خلافت سے محروم ہوجائینگے - چنانچہ تاریخ شاهد ہے کہ ایسا ہی ہوا - معتصم کے بعد سے عباسیہ کا زوال شروع ہوگیا تھا - آخر میں یہانتک پہنچ گیا کہ حکومت دوسروں کی تھی ' عباسی خلیفہ صرف اپنے عشرت کدوں کیلیے رہگیا تھا - تاهم اقتدار خلافت انہی کا رہا - کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ خلافت کا دعوا کرسکے - کیسی کیسی طاقتور اور باجبروت عجمی و سلجوقی حکومتیں قائم ہوئیں ؟ لیکن سب اپنا بڑا سے بڑا شرف یہی سمجھتے رہے کہ مقام خلافت سے انہیں خدمت و نیابت خلافت کا کوئی لقب ملجاے ' اور بس - اگر ایک قریشی ' فاطمی ' عباسی ' تن تنہا کسی ہنگامۂ و قتال سے بچکر

نکل جاتا ' تو جس گوشۂ عالم میں پہنچ جاتا ' ایک عالم اسکے ساتھ ہوجاتا اور اپنی حکومت قائم کرلیتا - گویا ہر قرشی کے وجود میں ایک خلافت پنہاں تھی - ایک اموي شہزادہ شام کے قتل عام سے نکلکر نکلا اور افریقہ ہوکر یورپ جاپہنچا - وہاں پانچ صدیوں تک کیلیے اسپین کی عظیم الشان اسلامی سلطنت قائم ہوگئی لیکن جب عرب و قریش کے نزول و ادبار کا وہ آخري وقت آگیا کہ دو قرشی بھی دنیا میں حکمرانی کے اہل و لائق باقي نہ رہے ' تو تاریخ خلافت نے معاً صفحہ اُلٹ دیا ' اور تکلم عجم عربی و غیر قرشی خلافت کا دور شروع ہوگیا - و کان وعداً مفعولا !

( ۹ ) اشتداد و اضطراب کے تمام پردے اٹھہ جاتے ہیں جب ترمذي کی وہ روایت سامنے آجاتی ہے جس میں امارت قریش کے ساتھہ دو اور باتوں کا بھی ذکر ایک ہی سلسلے اور ایک ہی اسلوب میں کیا گیا ہے ' اور گویا روایت امارت کے متن کا وہ ایک متمم و مکمل ٹکڑہ ہے جو بقیہ طرق میں رہگیا تھا ' اس طریق میں ملجاتا ہےتا کہ اسکو جوڑ کر مضمون حدیث کامل کر لیا جائے - قریش والی حدیث اگرچہ مختلف راویوں سے مروي ہے ' لیکن سب سے زیادہ اور مشہور طرق ابو ہریرہ ' جابر بن سمرہ ' اور ابن عمر پر جاکر ختم ہوتے ہیں - اور امام مسلم ' احمد ' ابو داؤد طیالسی ' بزار ' طبرانی کے تمام طریق تو حضرت ابو ہریرۃ ہي کی روایت سے نکلے ہیں - انہی ابو ہریرہ سے بطریق ابو مریم انصاري ترمذي نے روایت کیا ہے : " الملك فی قریش ' والقضاء فی الانصار ' والاذان في الحبشہ " ( اسنادہ صحیح ) اور امام احمد کثیر بن مرۃ سے یوں روایت کرتے ہیں " الخلافۃ في قریش ' والحکم فی الانصار ' والدعوۃ فی الحبشہ " ( رجالہ موثقون - و ایضاً رواہ الطبرانی و البزار من وجہ آخر )

اس روایت میں ایک ساتھہ تین باتوں کا ذکر ہے - خلافت قریش میں - قضاء و حکم انصار میں - اذان و دعوۃ اہل حبش میں - پس جو معنی ایک بات کے ہونگے ' وہی بقیہ دو کے ہونگے - اور جو مطلب دو باتوں کا ہوگا ' وہي پہلی بات کا بھی ہوگا - اگر پہلي بات ( یعنی قریش کی حکومت ) بیان حال اور پیشین گوئی نہیں ہے - امر و تشریع ہے - تو بقیہ دو جملوں کو بھي امر و تشریع قرار دینا پڑیگا - یعني ماننا پڑے گا کہ قاضي ہمیشہ انصاري ہی ہونا چاہیے ' اور مؤذن بجز حبشی کے دوسرا ہو نہیں سکتا - لیکن

معلوم ہے کہ آج تک نہ کسی نے ایسا کہا ' نہ یہ مطلب سمجھا ' نہ قضاء و اذان کیلیے کوئی شرعی اشتراط ملک و نسل کا سلیم کیا گیا ہے -

پس جو مطلب اُن دو باتوں کا ہے ' وہی خلافت قریش کا بھی ہے - یا تو یہ بیان حال ہے - یعنی آنحضرۃ صلی اللہ علیہ و سلم کے عہد میں ایسا ہوا کہ آپ خود قریشی تھے اور مسلمانوں کے امیر و رئیس کل - قضاء پر اکثر انصار مامور ہوے ' اور اذان حضرت بلال دیتے تھے - پس " الملک فی قریش ' و القضاء فی الانصار ' و الاذان فی الحبشہ " کی تقسیم ہوگئی تھی - یا آیندہ کی نسبت خبر ہے کہ حکومت قریشیوں کے ہاتھہ میں رہیگی ' قضاء پر انصاری مامور ہونگے ' اور اکثر ایسا ہوگا کہ موذن حبشی ہوں - کوئی خاص آنے والا عہد پیش نظر ہوگا - اسی کی نسبت یہ خبر آپ کی زبان مبارک پر طاری ہوگئی -

( ۷ ) اس حدیث کے جو متون و اسناد محدثین نے اختیار کیے ہیں' اُنکے بعد سب سے زیادہ مشہور روایت وہ ہے جسکو ابو داؤد طیالسی ' امام احمد ' ابو یعلی ' طبرانی ' وغیرہم نے حضرۃ ابو برزہ اور انس سے روایت کیا ہے " الائمۃ من قریش ما حکموا فعدلوا ' و وعدوا ' فوفوا ' و استرحموا " اور طبرانی نے حضرۃ علی سے مرفوعاً روایت کیا ہے " الا ان الامراء من قریش ما أقاموا ثلاثا " الخ - اسی متن کو امام بخاری نے تاریخ میں اور طیالسی و بزار نے مسند میں حضرۃ انس سے یوں بھی روایت کیا ہے " الائمۃ من قریش ما اذا حکموا فعدلوا " نسائی و حاکم نے بھی ایک دوسرے طریق سے یہ روایت لی ہے - حاصل ان سب کا یہ ہے کہ فرمایا - امرا اور ائمہ قریش میں سے ہیں - جب تک ان میں عدل گستری ' ایفاء عہد ' اور رحم و شفقت کے اوصاف باقی رہینگے -

اس حدیث سے بھی ثابت ہوگیا کہ قریش کی خلافت اہلیت و صلاحیت کے ساتھہ مشروط تھی - یعنی پہلے ہی سے کہدیا گیا تھا کہ جبتک صفات حسنہ اُن میں باقی رہینگے ' خلافت اُنہی کے قبضہ میں رہیگی - یہ بات نہ تھی کہ تشریعاً ہر حال میں خلافت کو اُنہی کا حق بتلایا ہو -

( ۸ ) اس سے بھی بڑھکر یہ کہ بعض روایات میں قریش کی نسبت بصورت ظلم و جور و عدم اتباع شریعت' سخت کلمات وعید بھی آئے ہیں - حتی کہ کلمۂ " لعن " بھی آیا ہے - یہ بھی صاف صاف موجود ہے کہ

اللہ تعالیٰ اپنی سنت عادلہ کے مطابق ایسے لوگوں کو انپر مسلط کردیگا جنکا تسلط انکے لیے سخت اذیت و عقوبت کا موجب ہوگا - چنانچہ طبرانی کی سابق الذکر روایت " ما اقاموا ثلاثا " الخ میں یہ بھی ہے " ومن لم یفعل ذالک فعلیہ لعنۃ اللہ " یعنی تین وصف عدالت ' ایفاء عہد ' اور رحم و شفقت کے بیان کرکے فرمایا - اور جس نے ایسا نہ کیا تو اسپر اللہ کی پھٹکار - اور احمد و ابو یعلی نے حضرۃ ابن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا " یا معشر قریش ! انکم اهل هذا الامر مالم تحدثوا ' فاذا غیرتم ' بعث اللہ علیکم من یلحاکم کما یلحی القضیب " ( رجالہ ثقات الا انہ من روایۃ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ بن مسعود ' عن عم ابیہ عبد اللہ ابن مسعود ' و لم یدرکہ - و ایضاً اخرجہ احمد عن ابی مسعود الانصاری من طریق عبید اللہ و فی سماعہ نظر ' و لہ شاهد من مرسل عطاء بن یسار - اخرجہ الشافعی و البیہقی بسند صحیح ) یعنی اے جماعت قریش ! جب تک تم کوئی نئی روش اختیار نہ کرو ' تم هی اس بات کے اهل هو - لیکن اگر تم نے اپنی حالت بدل دی تو یاد رکھو - اللہ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کردیگا جو تم کو چھڑی کی طرح موڑ دینگے -

پس ان روایات سے دونوں باتوں کی مزید تصدیق ہوگئی - اول یہ کہ خلافت قریش کے تمام بیانات محض خبر هیں - تشریع و امر نہیں - ثانیاً ' پہلے سے خبر دیدی گئی ہے کہ همیشہ خلافت انہی میں نہیں رهیگی - چنانچہ حرف بہ حرف یہ پیشین گوئی پوری ہوئی ' اور قریش پر یکے بعد دیگرے ایسے لوگ مسلط ہوے ' جنہوں نے انکا سارا زور توڑ دیا - حتی کہ حکومت قریش کا دنیا میں نام و نشان تک باقی نہ رہا - وصلی اللہ علی الصادق المصدوق الذی لا یخبر عن شیئ ' الا و جاء مثل فلق الصبح !

( ۹ ) چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے خلافت کو قریش میں مخصوص ثابت کرنا چاہا ' انکو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ ان تمام روایات کا منطوق خبر کا ہے نہ کہ امر کا - اور کوئی حدیث ایسی قوی ظاهر الدلالۃ موجود نہیں جس سے انکا مدعا ثابت ہوسکے - وہ مجبور ہوے هیں کہ انہی احادیث کو تاویل و توجیہ کرکے امر پر محمول کریں - حافظ ابن حجر نے قرطبی کی نسبت لکھا ہے " کانہ جنح الی انہ خبر بمعنی الامر " ( ۱۳ : ۱۰۵ ) اور ابن منیر نے کہا " و الحدیث و ان کان بلفظ الخبر فهو بمعنی الامر کانہ قال ائتموا بقریش خاصۃ " ( ایضاً ) پس اسپر سب متفق

هیں کہ لفظ حدیث میں صورت خبر کی ہے - امر کی نہیں - اور جب کوئی دلیل قوی و ظاہر موجود نہیں - نہ قرآن میں ' نہ سنت میں ' نہ اقوال صحابہ میں ' تو پھر کیا مجبوری پیش آئی ہے کہ نہ تاویلات اختیار کی جائیں ' اور نص کو بلا وجہ ظاہر و منطوق سے مصروف کیا جائے ؟

( ۱۰ ) اس حدیث کی تمام روایات و طرق پر ہم نے نظر ڈال لی - اب صرف دو روایتیں اور رہگئیں جو مناقب قریش میں آئی ہیں ' اور جن سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے - بیہقی و طبرانی نے جبیر بن مطعم اور ابن سائب سے روایت کیا " قدموا قریشا و لا تقدموها " یعنی قریش کو مقدم رکھو - یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ قریش کو ہر بات میں آگے رکھو - خود پیچھے رہو -

لیکن قطع نظر قدح و ضعف روایت کے ' اس سے بھی یہ بات نہیں نکلتی کہ قریش کے سوا دوسرے کی خلافت جائز نہیں - قریش کو عرب میں ہر طرح تقدم و ریاست حاصل تھی - لوگ انکی ریاست سے متاثر تھے - پس فرمایا کہ اس بات کا لحاظ رکھا کرو - اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ امامت و خلافت کے حقدار ہمیشہ قریش ہی ہیں ؟

دوسری روایت امام احمد نے عمرو بن العاص سے روایت کی ہے - آنحضرۃ نے فرمایا " قریش ولاۃ الناس " قریش لوگوں کے سردار ہیں - لیکن اسکو بھی اختصاص خلافت کے سوال سے کوئی تعلق نہیں - یہ تو معلوم ہے کہ سردار قوم تھے - لیکن اسکا حکم کہاں ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ صرف انہی میں سے ہوسکتا ہے ؟ کیا ایک ایسے اہم مسئلہ کیلیے اس طرح کی باتیں " نص " کا کام دسکتی ہیں ؟

( ۱۱ ) باقی رہی حدیث " الائمۃ من قریش " اور یہ استدلال کہ حضرۃ ابوبکر نے سقیفۂ بنی ساعدہ کے مجمع میں بر خلاف انصار پیش کی اور سب نے تسلیم کرلیا ' تو اس سے بھی شرعاً اختصاص قریش کے دعوے کو کوئی مدد نہیں ملسکتی -

اولاً ' یہ الفاظ اور حضرت ابوبکر والی روایت بطریق اتصال ثابت ہی نہیں - فتح الباری میں ہے " الائمۃ من قریش - رجالہ رجال الصحیح لکن فی سندہ انقطاع " (۱۳ : ۱۰۱)

ثانیاً ' اس سے بھی یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کا شرعاً حق بجز قریش کے اور کسی مسلمان کو نہیں ؟ یہ بھی آیندہ کی نسبت خبر ہے '

اور انہی حدیثوں کا ایک ٹکڑہ ہے جو دوسرے طریقوں سے صریح پیشین گوئی کے لفظوں میں پڑھ چکے ہو - حضرۃ ابوبکر نے یہ بات اسلئے پیش کی تھی کہ پیشتر سے ہونے والے واقعات کی خبر دیدی گئی ہے - پس ایسا ہی ہونا ضروری ہے - اسکے خلاف بات نہ اٹھاؤ - یہ سنکر انصار مایوس ہوگئے اور تسلیم کرلیا -

ثالثاً " الناس تبع لقریش " والی روایت سے مدد لی جائے تو بالکل کھل جاتا ہے کہ سقیفہ میں حضرت ابوبکر کا استدلال صرف قریش کی بزرگی وعظمت اور عرب میں انکی ریاست و سرداری سے تھا - نہ کہ شرعاً شرائط امامت سے - وہ بتلانا چاہتے تھے کہ خود آنحضرت نے فرمادیا ہے - جاہلیۃ اور اسلام ' دونوں میں لوگ قدرتی طور پر قریش کی سرداری سے متاثر ہیں اور رہینگے ' اسلیے یہ معاملہ بھی انہی کے قبضہ میں رہیگا - چنانچہ حضرۃ ابوبکر کا یہ مشہور جملہ اس مطلب کو پوری طرح کھول دیتا ہے جو سقیفہ میں کہا تھا " ان العرب لا تعرف ھذا الامر لغیر ھذا الحی " یعنے اهل عرب قریش کے سوا اور کسی قبیلہ کی سرداری سے آشنا نہیں - پس یہاں سرے سے شرائط شرعیہ کا سوال ھی نہ تھا - صرف ملکی و وقتی مصالح کی بنا پر استدلال تھا کہ کس قبیلہ و خاندان سے امام ہونا چاہیے جسکی سرداری عرب کے تمام قبائل بلا چون و چرا تسلیم کرلیں ؟

رابعاً ' یہی روایت بعض دیگر طرق سے صاف صاف خبر کی صورت میں آئی ہے - امر و تشریع کی اسمیں گنجایش ھي نہیں - ابن اسحاق نے کتاب الکبیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ کے مجمع میں فرمایا " ان ھذا الامر فی قریش ما اطاعوا اللہ و استقاموا علی امرہ " ( فتح ۱۳ ' ۱۰۳ ) یعنے یہ بات قریش میں رہیگی جب تک وہ اللہ کی اطاعت کرینگے اور اسمیں مستقیم رہینگے - پس معلوم ہوا کہ امام احمد والی روایت میں راوی نے بقیہ ٹکرہ چھوڑ دیا ہے - صرف " الائمۃ من قریش " لے لیا - ورنہ حضرت ابوبکر نے وہی بات فرمائی تھی جو دیگر احادیث مرفوعہ میں بطور خبر کے ثابت ہوچکی ہے - علی الخصوص بخاری کی روایت معاویہ میں -



# فصل

(دعوئے اجماع)

اب صرف ایک بات رہ گئی - یعنی علماء اسلام کا شرط قریشیت پر [illegible] اور قاضی عیاض رحمہ اللہ کا دعوئے اجماع [illegible] قابل غور و نظر ہیں

اولاً اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ صحابۂ خلافت کا شرعاً مستحق صرف قریش ہی کو یقین کرتے تھے ' بلکہ اسکے خلاف شواہد موجود ہیں - امام احمد نے حضرت عمر کا قول نقل کیا ہے - اگر معاذ بن جبل میری وفات تک زندہ رہے تو اپنے بعد انہی کو خلیفہ بناؤنگا - ظاہر ہے کہ معاذ قریشی نہ تھے - انصار مدینہ میں سے تھے - اگر خلافت کیلیے قرشیت شرط ہوتی تو حضرۃ عمر جیسا محرم اسرار خلافت کیونکر انکی خلافت کا تصور بھی کرسکتا تھا ؟ مسند امام احمد میں حضرۃ عمر کا ایک اور قول بھی ابو رافع کی روایت سے موجود ہے "او أدركني احد رجلين ثم جعلت هذا الامر اليه ' او ثقت به - سالم مولى حذيفة و ابو عبيدة الجراح " اگر سالم مولی حذیفہ اور ابو عبیدہ الجراح میں سے کوئی ایک میری وفات تک زندہ رہتا اور خلافت اسکے سپرد کردیتا ' تو مجھے اس بارے میں پورا اطمینان و اعتماد ہوتا - اگر حضرۃ عمر جیسا صحابیٔ و مہاجرین قریش کی موجودگی میں سالم مولی حذیفہ کو خلافت سپرد کردینے کا ارادہ کرسکتے ہیں ' تو پھر کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ شرعاً خلافت غیر قریشی کو نہیں ملسکتی اور صحابہ کا اس پر اجماع ہوگیا تھا ؟

چنانچہ اس بات کا خود آئمۂ متاخرین کو اعتراف کرنا پڑا - حافظ ابن حجر قاضی عیاض کا قول نقل کرکے لکھتے ہیں " قلت و يحتاج من نقل الاجماع الى تاويل ما جاء عن عمر من ذلك - فقد اخرج امام احمد عن عمر بسند رجاله ثقات ان ادركني أجلي الخ " الى ان قال " فيحتمل ان يقال لعل الاجماع انعقد بعد عمر على اشتراط ان يكون الخليفة قرشياً ' او تغير اجتهاد عمر فى ذلك - و الله اعلم " ( ۱۳ : ۱۰۶ ) یعنی یہ جو قاضی عیاض نے کہا کہ خلافت کے مخصوص

نہ قریش ہونے پر اجماع ہوچکا ہے ' تو اجماع ماننے کی صورت میں حضرۃ عمر کے قول کی تاویل کرنی پڑیگی جو امام احمد نے مسند صحیح معاذ بن جبل کے استخلاف کی نسبت روایت کیا ہے - پھر کہتے ہیں کہ اس کی یوں تاویل کی جا سکتی ہے کہ شاید یہ اجماع حضرۃ عمر کے بعد ہوا ہو - یا یوں کہا جائے کہ حضرۃ عمر کا اجتہاد اس بارے میں بدل گیا -

لیکن یہ تاویلیں جس قدر نا قابل التفات ہیں ' اہل نظر سے مخفی نہیں - اول تو جب اختصاص قریش کیلیے کوئی نص شرعی موجود نہیں تو تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ ثانیاً کہاں تو یہ دعوی کیا جاتا تھا کہ حضرۃ ابوبکر کی بیعت کے وقت سقیفہ کے مجمع ہی میں اس مسئلہ کا فیصلہ ہوگیا ' اور تمام صحابہ نے اجماع کرلیا کہ خلافت کے حقدار صرف قریش ہی ہیں - اور کہاں اب یہ تاویل کی جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر کا پورا زمانۂ خلافت گزرگیا اور اجماع نہ ہوا ' حضرۃ عمر کی زمانۂ خلافت کے دس برس گزر گئے اور صحابہ اس حکم سے بے خبر رہے ' لیکن اسکے بعد یکایک اس پر اجماع ہوگیا ؟ پھر اگر اجماع ہوا تو کب ؟ اور کونسی دلیل اس بارے میں موجود ہے ؟

اگر سقیفۂ بنی ساعدہ میں اجماع نہیں ہوا ' نہ خـــلافت صدیقی کے ڈھائی سال میں یہ مسئلہ چھڑا ' اور نہ عہد فاروقی کے بہترین دس سالوں میں صاف ہوا جو فقہ و علوم کی تنظیم و تحقیق کا اصلی عہد تھا ' تو پھر کیا یہ اجماع اُس وقت منعقد ہوا جب حضرت عثمان کی شہادت کا ہنگامہ ہوا تھا ' یا اُسوقت جب جمل و صفین کے میدان کارزارگرم ہورہے تھے ؟

اصل یہ ہے کہ واقعات کے تسلسل و تواتر سے خود بخود ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ لوگوں کو اجماع کا خیال پیدا ہوگیا - یعنی چونکہ ابتدا سے خلافت پر قریش ہی کا قبضہ ہوا ' اور انکے بعد دیگر تمام سلاسل حکومت قرشی ہی ہوے ' اس لیے لوگوں نے سمجھہ لیا کہ شرعی فیصلہ بھی یہی ہے ' اور اس پر اجماع ہوگیا ہے - ورنہ اجماع صحابہ کا کوئی ثبوت موجود نہیں - اور نہ عرصہ تک کسی خاص خاندان میں حـــکومت کا رہجانا دلیل تشریع و انعقـــاد اجمـــاع ہوسکتا ہے - خود خلفاء عباسیـــہ کے عہد میں متعـــدد غیر قرشی مدعی اُٹھے ' اور بعضـــوں کا ساتھہ ہـــزاروں مسلمانوں نے دیا - وہ نہ خوارج میں سے تھے - نہ معتزلہ میں - مگر یقین کرتے تھے کہ غیرقرشی خلیفہ ہوسکتا ہے - حجاج کے زمانہ میں ابن الاشعث نے خروج کیا اور امیر المومنین کا لقب اختیار کیا - حالانکہ قرشی نہ تھا -

اندلس اور افریقہ میں عبد المومن صاحب ابن تومرت نے خلافت کے دعوے کے ساتھہ حکومت قائم کی اور اُسکی نسل میں عرصہ تک قائم رهی - ابن تومرت کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ معمولی تھا ؟ وہ امام غزالی کا شاگرد اور پکا اشعری تھا - عقائد اشاعرہ میں اسکا ایک رسالہ موجود ہے - مراکشی نے تاریخ مراکش میں تصریح کی ہے کہ بلاد مغرب میں اشعریۃ اُسکے ذریعہ پہنچی اور اسی لیے خاندان عبد المومن کا سرکاری مذہب همیشہ اشعری رہا - لیکن وہ لوگ بھی قرشی نہ تھے - خود بعض ائمۂ اشاعرہ میں سے بعض نے اس شرط سے انکار کیا ہے - جیسا کہ امام ابوبکر باقلانی کی نسبت ابن خلدون نے تصریح کی ہے - پس غور کرنا چاهیے کہ جس اجماع کی نسبت دعوا کیا جا رہا ہے ' اور جو کبھی حضرۃ ابوبکر کی بیعت سے پہلے مجلس سقیفہ میں رونما ہوتا ہے ' کبھی وہاں سے روپوش ہوکر ساڑھے گیارہ برس تک معدوم ہو جاتا ہے اور حضرۃ عمر غیر قرشی کے استخلاف کا ارادہ کرنے لگتے ہیں ' پھر انکے بعد یکایک نمایاں ہونا چاهتا ہے ' لیکن پھر بھی اُسکا کچھہ پتـــہ نہیں چلتا - حتی کہ غیر قرشیوں کو هزاروں مسلمان خلیفہ مان لیتے ہیں ' اور ائمۂ عقائد و کلام مختلف مذہ نظر آتے ہیں ' فی الحقیقت اُسکا کوئی وجود ہے بھی یا نہیں ؟

حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے -

ثانیاً ' یہ ظاہر ہے کہ قریش میں خلافت ہونے کی نسبت جو کچھہ فرمایا گیا ' وہ محض آیندہ کی پیشتر سے اطلاع تھی - یعنی پیشین گوئی تھی - اور پیشین گوئیوں کا یہ حال ہے کہ جب تک اُنکا ظہور کامل طور پر نہ ہو جاے ' اُنکے معانی و مطالب کی نسبت کسی قطعی بات کا اختیار کرنا مشکل ہوتا ہے - اجتہاد و قیاس کیلیے کسی چیز میں اتنی وسعت نہیں جسقدر پیشین گوئیوں میں ہوتی ہے - علی الخصوص جبکہ عموماً پیشین گوئیوں کا ایک خاص مبہم انداز بیان ہوتا ہے ' اور نہایت اجمال و اختصار کے ساتھہ محض اشارات کیے جاتے ہیں - جب تک اُنکا ظہور نہ ہو جاے ' اشارات کی تفصیل اور اوصاف کے انطباق میں طرح طرح کی لغزشیں پیش آجاسکتی ہیں -

ظہور دجال کی پیشینگوئی اس معاملہ کیلیے ایک واضح مثال ہے - آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے تمام غیر معمولی اوصاف بیان کردیے تھے - تا ایں همہ خود صحابۂ کرام میں اختلاف ہوا ' اور اپنے عہد کے مختلف اشخاص کو

بعض صحابہ کے اشتراک کی وجہ سے دجال سمجھتے رہے - آنحضرت کے زمانے ہی میں ابن صیاد کی نسبت حضرت عمر کو خیال ہوا تھا - حتی کہ اسکو قتل کرنا چاہا جیسا کہ امام بخاری کی روایت ابن عمر مندرجہ کتاب الجنائز میں موجود ہے - اور ایک دوسری روایت مندرجہ کتاب الاعتصام بالسنة سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو اسپر اسدرجہ یقین تھا کہ قسم کھا کر کہتے تھے - یہی حال ہے اور اسی لیے ابن جابر کو بھی اسپر پورا یقین تھا " روایت جابر میں ہے " انہ یحلف باللہ ان ابن الصیاد الدجال " اسی طرح ابو داؤد کی روایت نافع میں حضرت عبد اللہ بن عمر کی نسبت مروی ہے کہ قسم کھا کر کہتے تھے " واللہ ما اشک ان المسیح الدجال هو ابن صیاد " البتہ دیگر صحابہ کو اس سے اختلاف تھا - ابو سعید خدری سے جب ابن صیاد کی صحبت ہوئی تو انکا شک دور ہوگیا حتی کہ معذرت کرنے کیلیے آمادہ ہوگئے ( کما فی المسلم ) اور مسلم میں قصہ تمیم داری موجود ہے جسکی بنا پر لوگوں کو ابن صیاد کے دجال ہونے سے انکار تھا -

پس چونکہ یہ پیشین گوئی تھی، اسلیے مشکل تھا کہ جب تک تمام واقعات پوری پوری طرح ظاہر نہ ہو جائیں، انکا ٹھیک ٹھیک مطلب متعین کیا جا سکے - خلافت کا یہ حال رہا کہ گو ابتدا سے بہت مدعی تھے، مگر فی الجملہ نویں صدی ہجری تک قریش ہی میں رہی، اور اسی بات کی احادیث میں خبر بھی دی گئی تھی - جن علماء کی راے پیش کی جاتی ہے، وہ سب وہی ہیں جنکا ظہور ساتویں صدی اور اس سے پیشتر یعنی عہد خلافت قریش میں ہوا - پس ضرور تھا کہ معاملۂ خلافت کو ابتدا سے قریش ہی میں محدود دیکھکر یہ خیال پیدا ہو جاتا کہ خلافت اسی خاندان سے شرعاً بھی مخصوص ہے، اور یہی مطلب تمام احادیث کا ہے - اگر وہ بعد کا حال دیکھتے تو معلوم کرجاتے کہ مقصود تشریع و حکم نہ تھا - محض خبر دی گئی تھی - وہ ان حدیثوں کا مطلب صرف اپنے وقت تک کے حالات کی روشنی ہی میں دیکھ رہے تھے، اور اسکے لیے مجبور و معذور تھے -

حافظ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں " وقد ظهر ما قاله صلعم - فمن زمنه الی الآن الخلافة في قريش من غير مزاحمة لهم فيها، و تبقی كذالك ما بقي منهم اثنان" ( جلد ۲ : ۱۲۹ ) یعنی جیسا فرمایا تھا، ویسا ہی

ہوا - آنحضرت صلعم کے زمانے سے ابتک خلافت بجز کسی زمانے کے قریش ہی میں رہی - اور آئندہ بھی ہمیشہ انہی میں رہیگی جبتک دو قریشی بھی دنیا میں باقی رہینگے -

حافظ نووی کا سنہ وفات سنہ ۶۷۶ھ ہے - اور سنہ پیدایش سنہ ۶۳۱ - اس سے بہی پہلے - آخری خلیفۂ بغداد مستعصم کو ہلاکو نے سنہ ۶۵۶ میں قتل کیا - پس گو آنکی وفات فتنۂ تاتار کے بعد ہوئی ' لیکن تصنیف و تالیف کا زمانہ مستعصم کی خلافت ہی کا زمانہ ہے - اگر شرح مسلم وغیرہ بالکل آخری عمر کی تصنیف ثابت ہوجائے تو پھر خلفاء عباسیۂ مصر کا زمانہ ہوگا کہ وہی الحمراء قریش کی خلافت قائم تھی - پس وہ اپنے زمانے تک خلافۃ کو صرف قریش ہی میں قائم دیکھکر احادیث باب کے اسی مطلب پر قانع اور جمے ہوئے ہیں ' اور اسی لیے " ما بقی منہم اثنان " کا بھی یہی مطلب سمجھتے ہیں کہ جب تک خاندان قریش کے دو انسان بھی دنیا میں باقی رہینگے ' خلافت انہی میں رہیگی -

لیکن اگر آنکو اپنے بعد کا حال معلوم ہوتا تو کیا ایسا دعوا کرسکتے تھے ؟ کیا اس صورت میں اپنی تمام رائے پر نظر ثانی نہ کرتے ؟ وہ کیا جانتے تھے کہ عنقریب صفحہ الٹنے والا ہے ' اور خلافہ نہ صرف قریش سے ' بلکہ عرب ہی سے رخصت ہو جانے والی ہے -

اس سے بھی زیادہ بہتر مثال حافظ سیوطی کی ہے - حافظ موصوف عباسیۂ مصر کے آخری عہد میں تاریخ الخلفاء اور حسن المحاضرہ لکھہ رہے ہیں - یعنی ہزارویں صدی کے اوائل میں - چونکہ اسوقت تک مصر میں عباسی خاندان منصب خلافت پر ممتاز تھا ' اور گو عالم اسلامی بہت سی نئی عجمی حکومتوں میں بٹ چکا تھا ' تاہم لقب خلافۃ بجز عباسیۂ مصر کے اور کسی کے قبضہ میں نہ تھا ' اسلیے انہوں نے تاریخ الخلفاء کے ابتدا میں ایک باب باندھا ہے " احادیث المبشرۃ بخلافۃ بنی العبـــاس " اسمیں وہ تمام روایتیں جمع کی ہیں جنمیں عباسیہ کو خلافت پانے کی بشارت دی ہے ' اور کہا ہے کہ تمہاری خلافت حضرۃ عیسی کے نزول تک رہیگی - چنانچہ ابو نعیم کی روایت میں ہے - جب حضرۃ عبد اللہ بن عباس پیدا ہوے تو آنحضرۃ نے فرمایا "ھو ابو الخلفاء' حتی یکون منہم السفاح' حتی یکون منہم المہدي ' حتی یکون منہم من یصلي بعیسی بن مریم "

یعنی آپنے فرمایا عبد اللہ بن عباس خلفاء کا باپ ہے یہانتک کہ انہی خلفاء میں سے سفاح ہوگا ' اور انہی میں سے مہدی ہوگا ' اور انہی میں وہ ہوگا جو حضرت عیسیٰ کے ساتھہ نماز پڑھیگا -

اگرچہ یہ تمام روایتیں قطعاً جھوٹی ہیں - ابو مسلم خراسانی وغیرہ عباسی داعیوں کی بنائی ہوئی ہیں ' اور تمام ائمۂ حدیث و نظر نے انکے خرافات و وضعی ہونے پر اتفاق کیا ہے - لیکن چونکہ اسوقت تک عباسیوں میں خلافت کا انتساب باقی تھا ' اور واقعات کی بنا پر اس پیشین گوئی کی تکذیب نہیں ہو سکتی تھی - نیز عباسی خلافت کا حاکمانہ اثر ان روایات کی مقبولیت کا باعث ہو رہا تھا ' اسلیے حافظ سیوطی انکے لیے ایک خاص باب قائم کرتے ہیں ' اور اگر کسی روایت کو سنبھالنے کا ذرا سا بھی موقعہ ملجاتا ہے تو نہیں چوکتے- چنانچہ ابو نعیم اور دیلمی کی روایات سے کچھہ تعرض نہیں کیا ہے ' حالانکہ حافظ مزی ' ابن دقیق العید ' ابن کثیر ' وغیرھم نے سخت انکار کیا ہے ' اور ابن جوزی کتاب الموضوعات میں لاے ہیں- اس سے بھی بڑھکر یہ کہ دیباچہ میں بنوعبید کی خلافت پر بحث کرتے ہوے ان احادیث سے یقین کے لہجہ میں استدلال کرتے ہیں " ان الحدیث ورد بان ھذا الامر اذا وصل الی بنی العباس لا یخرج عنھم حتی یسلموہ الی عیسی بن مریم او المھدی " ( تاریخ الخلفا ۸۰ ) یعنی یہ بات حدیث میں آچکی ہے کہ جب خلافت آل عباس تک پہنچیگی تو پھر انہی کے قبضہ میں رہیگی - یہانتک کہ وہ حضرت عیسیٰ یا امام مہدی کے سپرد کردیں -

لیکن اگر حافظ سیوطی پچیس برس اور زندہ رہتے اور دیکھہ لیتے کہ خلافت و حکومت کا نام و نشان تک عباسیہ میں باقی نہ رہا ' تو پھر انکو پورا پورا یقین ہوجاتا کہ عباسیہ کو آخر عہد تک خلافت و بادشاہت کی کوئی بشارت نہیں دی گئی ہے ' اور یقیناً یہ تمام حدیثیں وضعی ہیں جیسا کہ ائمۂ اثر فیصلہ کرچکے ہیں -

چنانچہ یہ بات صاف صاف تتبع و نظر سے واضح ہوجاتی ہے کہ خلافت عباسیۂ بغداد کے تنزل اور عجمی حکومت کے ظہور و عروج کے ساتھہ ھی علماء کی آراء میں بھی تدریجی تغیر شروع ہوگیا تھا ' اور اشتراط قرشیہ میں وہ زور باقی نہ رہا تھا ' جو قاضی عیاض وغیرہ کی مصنفات میں پایا جاتا ہے - اکثر

علماء نے جب دیکھا کہ " مرا اوءوا مدین "کی شرط کا ظہور شروع ہوگیا ہے اور حکومت قریش کے قبضہ سے نکل گئی ہے ' تو انکی رائے بدل گئی ' اور قاضی عیاض والے اجماع کے دعوے میں دامنی کرنے لگے - علامۂ ابن خلدون ( المتوفی سنہ ۷۳۴ ) مقدمۂ تاریخ میں شرط قرشیۃ پر بحث کرتے ہوے لکھتے ہیں : " لما ضعف امر قریش ' و تلاشت عصبیتہم بما نالہم من الترف و النعیم و بما انفقتہم الدولۃ فی سائر اقطار الارض ' عجزوا عن حمل الخلافۃ ' و تغلبت علیہم الاعاجم و صار الحل و العقد لہم ' فاشتبہ ذلک علی کثیر من المحققین ' حتی ذھبوا الی نفی اشتراط القرشیۃ و عولوا علی ظواھر فی ذلک مثل قولہ صلعم اسمعوا و اطیعوا و ان امر علیکم عبد حبشی ما اقام فیکم کتاب اللہ " یعنی جب قریش کی قوت کمزور ہوگئی - عیش پرستیوں میں پڑکر اپنی عصبیت مٹا دی - خلافت کا بوجھہ اٹھانے سے عاجز ہوگئے ' تو عجمیوں نے انپر غلبہ حاصل کرلیا ' اور خلافت کا فیصلہ انہی کے ہاتھوں میں چلا گیا - یہ انقلاب دیکھکر بہت سے محققین کے نزدیک قرشیہ کی شرط مشتبہ ہوگئی - یہانتک کہ انہوں نے اس شرط سے انکار کردیا - انتہی -

اشاعرہ کے امام الائمہ قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی یہی مذھب اختیار کیا تھا کہ قرشیہ کی شرط ضروری نہیں - یہی ابن خلدون لکھتے ہیں " و من القائلین بنفی اشتراط القرشیۃ ' القاضی ابوبکر الباقلانی "

عباسیہ بغداد کے انقراض کے بعد مصر میں عباسی خلافت کا دوسرا دور شروع ہوا ' اسلیے اس عہد کے علماء مصر نے ( مثلاً حافظ ابن حجر ' قاضی عینی ' جلال الدین سیوطی و غیرھم ) قرشی خلافت کو فی الجملہ قائم پایا - لیکن جب یہ نقش بھی مٹ گیا ' اور وہ زمانہ آیا جسکی خبر دیدی گئی تھی کہ " یبعث اللہ علیکم من یلحاکم کما یلحی القضیب " تو جو اھل نظر اس انقلاب کے بعد پیدا ہوے ' انہوں نے صاف صاف لکھدیا کہ اشتراط قرشیۃ کا کوئی ثبوت نہیں ' اور نہ خلافت قریش کا وہ مطلب ہے جو ابتک سمجھا جاتا تھا - چنانچہ تیرھویں صدی کے مشہور مجدد فقہ و حدیث امام شوکانی یمنی "وبل الغمام" میں شرط قرشیۃ کے دلائل نقل کرکے لکھتے ہیں " لاریب ان فی بعض ھذہ الالفاظ ما یدل علی الحصر ' ولکن قد خصص مفہوم الحصر احادیث وجوب الطاعۃ لغیر القرشی " الی ان قال " و الاخبار منہ صلعم بان الائمۃ

من قریش ' ھو کالاخذ منه بان الاذان فی الحبشة و القضاء فی الازد ' و ما ھو الجواب عن ھذا ' فھو الجواب عن ذلک - و تخصیص کون الائمة من قریش ببعض بطونھم ' لا یتم الا بدلیل ' و الاخذ بما وقع علیه الاجماع لا شک انه احوط ' و اما انه یحتم المصیر الیه ' فلیس بواضح ' و لو صح ذلک ' لزم بطلان اکثر ما دونوہ من المسائل و المقام و المراکز ' و ما احقه بان لا یکون کذلک " یعنی اگرچہ امامة قریش کی روایات میں ایسے الفاظ ھیں جیسے قریش کی خصوصیت معلوم ھوتی ھے ' لیکن وجوب طاعت امام کے عام احکام کتاب و سنہ میں موجود ھیں - وہ دلالت کرتے ھیں کہ غیر قرشی کی بھی اطاعت امت پر قرشی ھی کی طرح واجب ھے - باقی رھی یہ بات کہ آنحضرت نے قریش میں امامت کی خبر دی ' تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپکے سوا کوئی دوسرا امام ھو ھی نہیں سکتا - یہ ویسی ھی خبر ھے جیسی اس بارے میں خبر دی کہ اذان کا کام اھل حبش میں ھے اور قضاء ازد میں - جس طرح ان روایتوں سے یہ بات نہیں نکلتی کہ مؤذن اور قاضی صرف حبشی اور ازدی ھی ھوتے چاھئیں ' اسی طرح یہ بات بھی ثابت نہیں ھوتی کہ امام صرف قرشی ھی ھوسکتا ھے - جو جواب انکا دیا جائیگا ' وھی اسکا ھوگا -

یہ واضح رھے کہ جن جن علماء حدیث و کلام کے اقوال سے یہ اجماع ثابت کیا جاتا ھے ' وہ سب کے سب اسی عہد کے ھیں جبکہ خلافت عباسی قائم تھی - بعد والوں نے جو کچھہ لیا ھے ' انھی سے لیا ھے - سب سے زیادہ اعتماد اس بارے میں قاضی عیاض کے بیان پر کیا جاتا ھے جنکا قول نواوی نے شرح مسلم اور منہاج میں نقل کیا ھے - انکا سال وفات سنہ ۵۴۴ ھجری ھے -

پھر یہ بھی واضح رھے کہ اجماع کے دعوے نے عام طور پر جو وسعت اختیار کرلی ھے ' اور جس طرح بتدریج اس لفظ کا استعمال اپنے لغوی و اصولی معنی سے ھٹ کر مختلف مصطلحہ معنوں میں ھونے لگا ھے ' اسکو فراموش نہیں کرنا چاھیے - علی الخصوص فقہاء مذاھب کے استعمالات متکلمین اور ارباب اصول کے مصطلحہ اجماع سے بالکل مختلف ھیں - ھر مذھب کے فقہا بلا تامل اپنے مسلک کو " جمہور " اور " اجماع " کے لفظ سے تعبیر کر دیتے ھیں - اسمیں کسی کا مطلب کچھہ ھوتا ھے کسی کا کچھہ - صاحب ھدایہ وغیرہ کے نزدیک عدم وجوب قرأة فاتحہ خلف امام اور

مصنف اشعار جمہور کا قول ہے - بعضوں نے جمع تک کہدیا - بس
شوافع و محدثین کہتے ہیں کہ قرشیت شرط ہی جمہور کا مذہب ہے اور
اسی پر جماہیر علماء کا اتفاق ہے - ابھی حافظ نواوی کی (جو اشتراط قرشیت
کو جمہور کا مذہب بتلاتے ہیں) شرح مسلم دیکھی ہی جائے - کس طرح
شافعیہ کا ہر مذہب انکے نزدیک "جمہور" کا مذہب ہے، اور حنفیہ کا
ہر قول شاذ - شافعیہ اور حنفیہ کی خلافیات میں تقریباً دو تہائی مسائل
تو ضرور ایسے ہونگے جنکی نسبت ہر جگہ شرح مسلم میں پاؤگے
" هذا مذهب الشافعي والجماهير، وخالف فيه ابو حنيفة " یعنی امام
شافعی اور جمہور کا مذہب یہی ہے مگر امام ابو حنیفہ نے اس سے
خلاف کیا - اگر ہمارے علماء احناف حافظ نواوی کی ان تمام
جمہوریات و اجماعیات کو تسلیم کرلینے کیلیے طیار ہیں، تو خیر،
اشتراط قرشیت کا ایک اجماع اور سہی - لیکن یاد رہے کہ یہ وہی بات ہوگی

گو مشت خاک ما هم برباد رفته باشد!

ثانیاً، ہمارا خیال ہے کہ یہ بات بھی اور بے شمار باتوں کی طرح وقت
کے سیاسی اثرات کا نتیجہ تھی - یہ ظاہر ہے کہ معاملۂ خلافت ابتدا
سے سخت کشمکش و تزاحم میں رہا - جو خاندان قابض ہوا، اسکو رقیبوں
اور دعویداروں کی طرف سے ہمیشہ کھٹکا لگا رہا - پس جبکہ خلافت اہل
عرب کے ہاتھہ میں تھی، تو وہ کیسے گوارا کرسکتے تھے کہ عجمیوں کے ولولوں
کی اس بارے میں جرأت افزائی کی جاے؟ اور عرب میں سے بھی جب
خاص خاندان قریش میں تھی جو ہر طرح سیادة و بزرگی رکھتا تھا، تو وہ
کیونکر پسند کرسکتے تھے کہ غیر قرشی خلافت کا وجود تسلیم کرکے غیر قرشیوں
کو ہمتیں دلائی جائیں اور مادی طاقت کے ساتھہ شریعت کی حمایت
کا سہارا بھی انہیں حاصل ہوجاے؟ بخاری کی روایت میں پڑھچکے ہو
کہ امیر معاویہ نے قحطانی بادشاہ کے ظہور کی روایت سنی تو کس درجہ
مضطرب اور غضبناک ہوے؟ اور کسطرح فوراً قریش والی روایت کا
اعلان کردیا تاکہ پہلے ہی سے سد باب ہوجاے؟ جن علماء کے اقوال پر
متاخرین فقہاء و متکلمین کا اعتماد ہے، وہ سب کے سب وہی ہیں جنکا
ظہور آخر عہد عباسیہ میں ہوا ہے جب قرشی خلافت قائم تھی - مثلاً
قاضی عیاض و امام نواوی و غیرہم - پس وقت کی حکومت کا جو پولیٹکل
اثر سب پر پڑ رہا تھا، وہ بھی یہی تھا کہ خلافت کو حکمران خاندان کی قوم اور

خاندان سے مخصوص سمجھا جائے اور تمام ایسی باتیں جس میں اجتہاد رائے کو دخل ہو' فکر و قیاس کا میدان قدرتی طور پر آسانی حاصل ہو جائے - علی الخصوص جبکہ اسکے لیے کسی غلط بیانی یا تحریف احکام کی ضرورت نہ تھی - واقعی احادیث موجود تھیں - صرف مفہـــوم کی تعیین میں اجتہاد کو کام کرنا تھا - اس مسئلہ پر موقوف نہیں' وقت کے پولیٹکل اثرات نے شمار چیزوں میں اندر ہی اندر کام کرچکے ہیں' اور آج اُنکا پتہ لگانا بہت دشوار ہوگیا ہے - ساتویں صدی ہجری میں جب خلافت بغداد کا خاتمہ ہوگیا' تو آہستہ آہستہ اس اثر سے افکار خالی ہونے لگے' اور بتدریج بحث و نظر کی صورت دوسری ہوگئی - حافظ عسقلانی اور قاضی عینی جو آٹھویں صدی میں یا نویں کے اوائل میں بخاری کی شرح لکھہ رہے ہیں' اُنکے مباحث پڑھو تو قاضی عیاض اور نووی سے اُنکا رنگ مختلف نظر آئیگا -

قاضی عینی بخـــاری کی حدیث معاویہ " ما اقامـــوا الدین " کی شرح میں لکھتے ہیں " ای مـــدة اقـــامتھم امور الـــدین - فقد یحتمـــل ان یکون مفہومہ واذا لم یقیمـــوہ لا یسمع لہم " یعنی یہ جو حدیث میں ہے کہ " جب تک دین قائم رکھینگے " تو اسکا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جب وہ وقت آجائے کہ قریش اقامت دین نہ کریں تو اُنکی بات نہیں سنی جائیگی - حافظ عسقلانی گو اشتراط قرشیۃ سے صاف صاف انکار نہیں کرتے - لیکن طرز بحث و نظر کے اضطراب و ضعف نے خود بخود مسئلہ کا مخالف پہلو قوی کردیا ہے اور نہ یک نظر واضح ہوجاتا ہے کہ وہ اس بارے میں کوئی مضبوط رائے نہیں رکھتے اور اگر مائل ہیں تو انکار کی طرف - اشتراط قرشیۃ کے مؤیدین کے جس قدر دلائل ہیں' اُن میں سے کوئی دلیل ایسی نہیں جس پر اُنھوں نے سنگین اعتراضات نہ کیے ہوں اور وہ مجروح ہوکر نہ رہگئی ہو - جو صاحب مزید بصیرت حاصل کرنی چاہیں' فتح الباری جلد ۳ - کتاب الاحکام کے ابواب " الامراء من قریش " اور " السمع و الطاعة للامام " ملاحظہ فرمائیں -

عرضکہ جہاں تک تمام احادیث و دلائل پر نظر ڈالی جاتی ہے' اشتراط قرشیہ کیلیے کوئی نص موجود نہیں' اگرچہ بصورت اشتراط بھی موجودہ مسئلۂ خلافت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا - موجودہ مسئلہ انتخاب امام کا نہیں ہے - امام قائم و نافذ کی امامت و اطاعت کا ہے -

# باب

## خدوه آل عثمان

# فصل

## ( چند لمحات تاریخیه )

اب بہتر ہوگا کہ تھوڑی دیر کیلیے ہم آگے بڑھنے سے رک جائیں ' اور گذشتہ تیرہ صدیوں کی طرف مڑ کے دیکھیں کہ خلافت اسلامیہ کے مختلف دوروں کا کیا حال رہا ہے ؟

" الخلافة بعدي ثلاثون سنة " ( میرے بعد خلافة خاصة ۳۰ برس تک رہیگی ) کی خبر کے مطابق خلفاء راشدین کا دور ۳۰ - برس تک رہا - سنہ ۱۱ - ھجری سے شروع ہوا اور ٹھیک سنہ ۴۱ - تک باقی رہا - اسی سنہ سے بنو امیہ کی خلافت کا دور شروع ہوتا ہے اور سنہ ۴۱ - ھ سے سنہ ۱۳۲ - ھ تک قائم رہتا ہے - اسکے بعد خلافت نے ایک نیا ورق الٹا ' اور خاندان عباسیہ کا سلسلہ شروع ہوا - خلافت کا سب سے بڑا سلسلہ یہی ہے جو سنہ ۱۳۲ - سے ۶۵۶ - ھ تک قائم رہا - چونکہ کامل پانچ صدیوں تک حکمرانی ایک ہی گھرانے میں رہی ' اسلیے وہ تمام ذہنی و جسمانی اور اجتماعی و مدنی فسادات کمال درجہ تک پیدا ہوگئے ' جو ہمیشہ امتداد سلطنت اور عروج تمدن کے لازمی نتائج رہے ہیں - قریش کی نسبت فرمایا تھا " ما اقاموا الدین " جب تک وہ دین قائم رکھینگے ' حکومت انہی میں رہیگی - سو اب ٹھیک ٹھیک وہ وقت آگیا تھا - قریش و عرب میں دین قائم رکھنے کی صلاحیت مفقود ہوگئی تھی - قیام دین کا کام دوسری قومیں اور طاقتیں انجام دے رہی تھیں - پس وہی ہوا جو تاریخ عالم کے ہر ایسے دور میں ہوتا آیا ہے - سنہ ۶۵۶ - میں ہلاکو خان تاتاری نے بغداد پر حملہ کیا اور آخری خلیفۂ عباسی المستعصم

بالله کے خون نے پھر ہمیشہ کیلیے عربی و قرشی حکومت کے خاتمہ کا اعلان کردیا - مستعصم کا قتل فی الحقیقت عربی خلافت کا قتل تھا : (۱)

و ما کان قیس ھلکہ ھلک واحد
و لکنہ بنیان قوم تہدما !

یہ سب کچھہ ہوچکا ' مگر ابھی پیشین گوئی کی ایک آخری سطر باقی تھی - یعنی " ما بقی منھم اثنان " قریش سے حکومت نکل جائیگی - پر نکل جانے پر بھی اُنکی عظمت رفتہ کا یہ اثر باقی رہیگا کہ اگر وہ قرشی بھی کسی گوشہ میں نکل آئینگے تو لوگ خلافت کا اُنھی کو مستحق مانینگے - بغداد میں قرشی خلافت مٹی ' لیکن مٹتے مٹتے بھی ایک آخری نقش چھوڑ گئی - وہ بغداد کی خون آلود خاک سے اُٹھا اور تین سو برس تک کیلیے مصر میں جاکر جم گیا - البتہ یہ حقیقی قرشی حکومت کا جماؤ نہ تھا - محض اس کے نقش قدم کا تھا :

گو کہ ہم صفحۂ ہستی پہ تھے اک حرف غلط
لیکن اُٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اُٹھے !

---

( ۱ ) فتنۂ تاتار کا ظہور مسلمانوں کیلیے وہی معاملہ تھا جو بنی اسرائیل کے لیے بخت نصر کے ظہور میں تھا - ثم بعثنا علیکم عباداً لنا اولی باس شدید - فجاسوا خلال الدیار - و کان وعداً مفعولا ( ۱۷ : ۶ ) بحکم " یأتی علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل " ( صحیحین ) اس اُمت پر بھی وہ سب کچھہ گذرنے والا ہے جو بنی اسرائیل پر گزر چکا - بنی اسرائیل پر غفلت و ضلالت کے دو سب سے بڑے دور آئے - اس لیے دو ہی مرتبہ عام بربادی بھی چھائی اور اُنکی تعذیب کیلیے دو جابر و قاہر قومیں مسلط ہوئیں : و قضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین و لتعلن علواً کبیرا ( ۱۷ : ۵ ) پہلی بربادی بخت نصر کے ہاتھوں ہوئی : عباداً لنا اولی باس شدید - اور دوسری تیٹس قیصر روم کے ہاتھوں - معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح اس امت پر بھی طغیان و عصیان کے دو بڑے وقت آنے والے تھے' اور اُنکے نتائج دو معذب قوموں کی شکل میں ظاہر ہوے - قوم تاتار اور اقوام یورپ - بنی اسرائیل کی پہلی بربادی خود ایشیاء ہی کی ایک قوم کے ہاتھوں ہوئی - یعنی اہل بابل کے ہاتھوں - اور دوسری کا ظہور یورپ سے ہوا - یعنی روم سے - ٹھیک اسی طرح اس امت کیلیے بھی پہلا فتنہ ایشیاء کا تھا ' دوسرا یورپ کا - پہلا ہوچکا - دوسرا ہو رہا ہے -

عباسی خاندان کے دو چار آدمی بغداد کے قتل عام سے بچکر نکل گئے تھے - اُنہی میں مستعصم کا چچا احمد بن ظاہر عباسی بھی تھا - وہ سنہ ٦٦٠ ھ میں مصر پہنچا - وہاں ایوبی خاندان کے ممالیک کی حکومت قائم تھی اور ملک ظاہر بیبرس حکمراں تھا - اسکو احمد کے خاندان کا حال معلوم ہوا تو منصب خلافت کا حقدار تسلیم کرلیا اور اُس کے ہاتھہ پر بیعت کرلی -

احمد بن ظاہر نے المستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا اور بیبرس کی مدد و اعانت حاصل کرکے کوشش کی کہ دار الخلافہ بغداد کو تاتاریوں کے تسلط سے نجات دلائے - لیکن کامیابی نہوئی اور لڑائی میں شہید ہوا -

اب پھر وہ وقت آگیا تھا کہ دنیا سے خلافت کا انتساب بالکل معدوم ہو جائے ' لیکن " ما نحن منہم اثنان " کی پیشین گوئی آخر تک اپنے عجائب دکھلانے والی تھی - قتل عام بغداد سے ایک اور عباسی شہزادہ ابو العباس احمد بن علی بچکر نکل گیا تھا اور حلب میں مخفی تھا - اُس کا حال بیبرس کو معلوم ہوا تو بڑے اعزاز و اکرام سے مصر لایا اور اس کے ہاتھہ پر بیعت کرلی - حاکم بامر اللہ کے لقب سے وہ مشہور ہوا - اسی کی نسل میں مصر کی عباسی خلافت ٢٩١ برس تک قائم رہی - یعنی سنہ ٦٦٠ ھ سے سنہ ٩٢٣ ہجري تک -

اس عرصہ میں عالم اسلامی دو صدیوں تک طرح طرح کے انقلابات وحوادث سے تہہ و بالا ہوکر بالاخر ایک نئے دور میں منتقل ہوچکا تھا - عثمانی ترکوں کی حکومت قسطنطنیہ میں قائم ہوکر یورپ و ایشیا کے اندر ہر طرف پھیل رہی تھی - سنہ ٩٢٣ - ھ ( ١٥١٧ - مسیحی ) میں سلطان سلیم خاں اول نے مصر و شام پر قبضہ کیا ' اور آخری عباسی خلیفہ المتوکل نے اُسکے ہاتھہ پر بیعت کرکے تمام حقوق و امتیازات خلافت سپرد کردیے - حقوق خلافت کے علاوہ جو چیزیں اس سلسلہ میں سلطان سلیم کو دی گئیں ' اُن میں سب سے بڑی چیز مقامات مقدسہ و حرمین کی کنجیاں تھیں ' اور بعض آثار نبویہ - مثلاً آنحضرۃ صلی اللہ علیہ و سلم کی تلوار - جھنڈا - ایک چادر - یہ آثار اسوقت تک قسطنطنیہ میں بطور سند خلافت کے موجود ہیں - اسی تاریخ سے عثمانی سلاطین نمایاں طور پر " خلیفہ " کے لقب سے دنیا میں مشہور ہوے ' اور حجاز اور مصر و شام کے منبروں پر اُنکا ذکر بہ حیثیت امیر المومنین کے ہونے لگا - حج کی امارت بھی اُنھی کے قبضہ میں آگئي جو شرعاً خلافت کے اہم ترین فرائض میں سے ہے -

سلسلۂ خلافت کی یہ ایک مجمل تاریخ ہے - بالفرض خلیفۂ متوکل عباسی نے سلطان سلیم کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہوتی ' جب بھی آئندہ پیش آنے والے واقعات کا قدرتی نتیجہ یہی تھا کہ تمام عالم اسلامی کی خلافت کا منصب عثمانی سلاطین ہی کے قبضہ میں آجاے - وقت کی جو اسلامی سلطنت سب سے بڑی اور سب سے زیادہ شرع و ملت کی حفاظت کی طاقت رکھتی ہو ' وہی شرعاً خلافت کا منصب رکھہ سکتی ہے - گذشتہ چار صدیوں کے اندر اسلامی حکومتوں کے انقلابات کا جو حال رہا ہے ' انکو دیکھتے ہوے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ حق بجز اس سلطنت کے اور کسی سلطنت کو ملسکتا تھا ؟ خود ہندوستان میں سلاطین مغلیہ کی حکومت قائم تھی - وہ ہندوستان کے اندر اپنے ہی کو امام سمجھتے تھے ' لیکن عالم اسلامی کی خلافت عظمیٰ کا دعویٰ کبھی انکے وہم و خیال میں بھی نہیں گزرا ' اور اگر گزرتا تو دنیا ماننے کیلیے طیار نہ تھی - ابتدا سے لیکر آخر تک مقام خلافت کی جو اہم و مشترک خصوصیات رہی ہیں اور جنکو تمام دنیا کے مسلمانوں نے عملاً بطور اسناد خلافت کے تسلیم کرلیا ہے ' وہ خلفاء عباسیہ کے بعد صرف عثمانی سلاطین ہی کو حاصل ہوئیں - کوئی دوسری اسلامی حکومت اس عام اقتدار و اختیارات کے ساتھہ قائم نہ ہوسکی -

# فصل

## ( خلافت و امامت سلاطین عثمانیہ )

اس عارضی وقفہ کے بعد اب ہم پھر آگے بڑھتے ہیں - سلطان سلیم خان اول کے عہد سے لیکر آجتک بلا نزاع سلاطین عثمانیۂ ترک تمام مسلمانان عالم کے خلیفۂ و امام ہیں - ان چار صدیوں کے اندر ایک مدعی خلافت بھی انکے مقابلہ میں نہیں اٹھا - بنو امیہ اور عباسیہ کے عہدوں میں بے شمار رقیبوں اور دعویداروں کی کشمکش نظر آتی ہے ' لیکن سلاطین عثمانیہ کی خلافت کی پوری تاریخ میں کسی ایک مدعی خلافت کا نام بھی ڈھونڈھکر نہیں نکالا جا سکتا - حکومت کے دعویدار سیکڑوں اٹھے ہوں ' مگر اسلام کی مرکزی خلافت کا دعویٰ کوئی نہ کرسکا -

صدیوں سے اسلام و بلاد اسلام کی حفاظت کی تلوار صرف اُنہی کے ہاتھوں میں ہے - صدیوں سے صرف اُنہی کا سینہ اسلام کی راہ میں زخمی ہے ' صرف اُنہی کی لاشیں اسلام کیلئے خاک و خون میں تڑپتی ہیں ' اور صرف اُنہی کی ذمہ داري پر تمام کرۂ ارضی کے مسلمانوں نے اسلام کی مرکزی حفاظت کا کاروبار چھوڑ رکھا ہے - دنیا کے خواہ کسی گوشے میں کوئی مسلمان ہو' اگر وہ بحیثیت ایک مسلمان کے اسلام کا چوتھا رکن حج ادا کرنے کیلیے نکلتا ہے ' تو عرفات کے میدان میں کھڑے ہوکر اسکو عثمانی امامت کی دینی ریاست قبول کرنی پڑتی ہے اور حج کا فریضہ عثمانی خلیفہ هی کے بھیجے ہوے نائب کے ماتحت انجام دیتا ہے - شریف حسین نے غیر مسلم محاربین کا ساتھ دیکر اگر بغاوت کی اور حجاز کو قسطنطنیه کے اقتدار حکومت سے الگ کرلیا ' تو یہ فساد و عدوان کی ایک عارضي حالت ہے جو شرعاً معتبر نہیں - حجاز حکماً اب بھی خلیفۂ قسطنطنیه کي حکومت هی کا ایک جزؤ ہے - اور تمام مسلمانان عالم کا شرعاً فرض ہے که حرمین کو باغیوں کے تصرف سے نکالنے کی کوشش کریں' اور اسوقت تک کرتے رهیں جب تک بغاوت اور باغیوں کا بالکل استیصال نہو جاے - اگر ایسا نه کرینگے تو هر مسلمان اسکے لیے عند الله جوابده هوگا -

تمام کرۂ ارضی کے مسلمان آرام و عیش کے دن بسر کرنے اور فارغ البالی کے بستر پر سونے کیلیے هیں' لیکن صرف وهی ایک هیں جو سارے مسلمانوں کی عزت و زندگی کے بچاؤ کیلیے صدیوں سے تلواروں کے سایے تلے زندگي کے دن کاٹ رہے هیں ' اور چاروں طرف سے دشمنوں کی زد میں هیں - کامل پانچ صدیوں سے یورپ اور ایشیا کا سب سے بڑا رقبه انکے خون سے رنگین هورها ہے - ایک چوتھائی صدی بھي آجتک ایسی نہیں گزري که دشمنوں کی تلواروں نے اُنھیں مہلت دي هو - اُنکا جرم اسکے سوا کچھه نہیں که جب اسلام کا محافظ دنیا میں کوئی نه رها - ساري تلواریں ٹوٹ گئیں - سارے بازو شل هوگئے - تو پانچ صدیوں سے وہ کیوں اسلام کے بچاؤ کیلیے باقي هیں ؟ اور کیوں وہ وقت آنے نہیں دیتے جب اسلام کي پولیٹکل طاقت کا بالکل خاتمه هو جاے ؟

بدوستی تو خصمند عالمے با من
هزار دشمن و یک دوست مشکل افتاده است !

بس تیرہ سو برس کے متفقہ عقیدۂ و عمل کے مطابق وہی آج تمام
مسلمانان عالم کے خلیفۂ و امام اور " اولو الامر " ہیں - اُنکی اطاعت
و حمایت اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت و حمایت ہے - اُنسے پھرنا اور
انکو اپنے جان و مال سے مدد نہ دینا ' اللہ اور اُسکے رسول سے پھرنا ہے اور
اللہ اور اسکے رسول کو اپنی جان و مال کی طرف سے صاف جواب دیدینا
ہے - جو اُنکی اطاعت سے باہر ہوا ' اگرچہ صرف بالشت بھر باہر ہوا ہو '
اور اسی حالت میں مرگیا ' اُسکی موت اسلامی زندگی کی موت نہوگی -
جاہلیۃ کی موت ہوگی - اگرچہ نماز پڑھتا ہو ' اگرچہ روزہ رکھتا ہو ' اگرچہ
اپنے زعم باطل میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو - جس نے اُنکے مقابلہ
میں تلوار اُٹھائی ' وہ مسلمانوں میں سے نہیں اگرچہ دنیا اُسکو مسلمانوں
میں سے سمجھتی ہو - اللہ اور اللہ کے رسول کی شہادت ' اُسکی شریعت
کی اَن گنت اور بے شمار دلیلیں ' ایک ہزار تین سو برس سے مانا ہوا
اسلام کا حکم و عقیدہ ' اسلام کی سیکڑوں نسلوں اور لا تعداد گھرانوں کا تعامل
و اجماع ' اور سورج کی کرنوں کی طرح یقینی اور قطعی حقیقت ' یہی
بتلا رہی ہے اور ہر مسلمان کے دل پر نقش ہے - ایک مسلمان کیلیے
( بشرطیکہ وہ ساری باتوں سے مقدم اپنے اسلامی تعلق کو سمجھتا ہو ' اور دنیا
سے ایک مومن اعتقاد و عمل ساتھہ لے جانا چاہتا ہو ) اس میں کسی طرح
کے شک و شبہہ کی گنجائش نہیں - جاہل سے لیکر عالم تک ' مزدور سے
لیکر نظام دکن تک ' کوئی نہیں جس کا دل اس اعتقاد سے خالی ہو -
زندگی کا عشق اور نفس کی پرستش جس انسان سے چوری کرالیتی ہے '
ڈاکے ڈلواتی ہے ' قتل کراتی ہے ' اُس انسان سے کیا بعید ہے کہ آج کسی
طمع یا خوف سے عثمانی خلافت کا انکار کردے ' یا عثمانی خلیفہ کی
اطاعت و حمایت کے نام سے کانوں پر ہاتھہ دھرنے لگے ؟ دنیا کی پوری تاریخ
انسانی کمزوریوں کی درد انگیز مثالوں سے لبریز ہے - بس یہ کوئی عجیب
واقعہ نہ ہوگا اگر آج چند نئی مثالوں کا مزید اضافہ ہوجاے - لیکن حقیقت
ہر حال میں حقیقت ہے - اُس سے انکار کیا جا سکتا ہے لیکن اُس کو
چھپایا نہیں جاسکتا - اُس سے اغماض کیا جاسکتا ہے ' لیکن اُس کا مقابلہ
نہیں کیا جاسکتا - اُس سے آنکھیں بند کرلی جاسکتی ہیں لیکن اُس کی زبان
بند نہیں کی جا سکتی !

هم یہاں قصداً ترکوں کی سیاسی و تمدنی کارگزاریوں کی بحث نہیں چھیڑینگے - هم کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کی تمام حکمراں جماعتوں میں ترکوں هی کی جماعت وہ بد قسمت جماعت ہے' جسکے لیے کوئی یوروپین دماغ منصف نہیں هوسکتا - یورپ کا بچھلا مورخ هو' خواہ موجودہ عہد کا مدبر' وہ گذشتہ عہد کے بدتر سے بدتر مسلمانوں کی مدح و توصیف کرسکتا ہے جواب موجود نہیں هیں' لیکن اُن ترکوں کی نہیں کرسکتا' جنکی تلواریں پانچ صدیوں سے یورپ کے دل و جگر میں پیوست ہونے کیلیے چمکتی رهی هیں - وہ خلافت بنو امیہ کی ایک بہتر تاریخ لکھہ سکتا ہے - عباسیہ کے دور علم و تمدن کی مدح سرائی کرسکتا ہے - صلاح الدین ایوبی تک کو ایک بت کی طرح پوج لے سکتا ہے - لیکن وہ اُن ترکوں کیلیے کیونکر انصاف کرسکتا ہے جو نہ تو عرب پر قانع هوے' نہ ایران و عراق پر - نہ شام و فلسطین کی حکومت اُنکو خوش کرسکی' نہ وسط ایشیا کی' بلکہ تمام مشرق سے بے پروا هوکر یورپ کی طرف بڑھے' اسکے عین قلب ( قسطنطنیہ ) کو مسخر کرلیا' اور اُسکی اندرونی آبادیوں تک مثل سمندر کی موجوں کی طرح در آے - حتی کہ دار الحکومت آسٹریا کی دیواریں اُنکے جولان قدم کی ترکتازیوں سے بارها گرتے گرتے بچ گئیں !

ترکوں کا یہ وہ جرم ہے جو یورپ کبھی معاف نہیں کرسکتا - مسلمانوں کا کوئی موجودہ حکمران خاندان اس جرم ( فتح یورپ ) میں انکا شریک نہیں ہے - اسلیے هر حکمراں مسلمان اچھا تھا جو یورپ کی طرف متوجہ نہوسکا' مگر هر ترک وحشی و خونخوار ہے - اسلیے کہ یورپ کا طلسم سطوت اُسکی شمشیر بے پناہ سے ٹوٹ گیا -

ترکوں نے پانچ صدیوں تک جس آزادی و فیاضی کے ساتھہ حکومت کی ہے' اُسکا ثبوت اس سے بڑھکر کیا هوسکتا ہے کہ چار صدیوں کی متصل حکمرانی کے بعد بھی محکوم عیسائیوں کی مذهبی و قومی عصبیت ویسی هی زندہ و توانا رهی' جیسی کسی متعصب سے متعصب مسیحی حکومت کے ماتحت رهسکتی تھی - حتی کہ وہ ترکوں کی کمزوری کے ساتھہ هی آزاد و خود مختار هوگئے' اور آج ایک حریف و مقابل کی طرح لڑ رهے هیں -

هندوستان میں برٹش گورنمنٹ کے پورے تسلط کو ابھی پورے سو سال بھی نہیں هوے - اتنے هی عرصہ کی حکومت نے قومی عظمت

رحمدلی کے جذبات ان لوگوں کے دلوں سے ہی ابھر آتے ہیں جنکے آباؤ اجداد ساتھ ستر برس سے بھی سرزمین میں حکمراں تھے - صرف یہی ایک چیز یورپ کے طرز حکومت ' اور ترکوں کے طرز حکومت کا فرق واضح کر دینے کیلیے کافی ہے '

ترکوں کے وہم و خیال میں بھی ظلم و خونخواری کی وہ ہیبت ناک صورتیں اور قومی تعصب و نفرت کی وہ وحشت ناک ہلاکتیں نہیں آسکتیں' جو یورپ کے تمدن و تہذیب کا مغرور رب عین اُنیسویں اور بیسویں صدی کے سورج کی روشنی میں ایشیاء اور افریقہ کے اندر کرچکا ہے - ان دو صدیوں کے اندر جنگل کے درندے آرام کی نیند سوے ' اور سانپوں کو اپنے غاروں سے باہر نہیں نکالا گیا ' لیکن ایشیاء افریقہ میں یورپ کے ہاتھوں زمین کا ایک ٹکرہ بھی ایسا نہ بچ سکا جسکو وہانکی بد بخت مخلوق اپنی زمین کہہ سکے ' اور جہاں ایک مالک و مختار کی طرح امن و عزت کی زندگی بسر کرسکے !

خود اسی آخری جنگ میں یورپ کے ہر درندے نے دوسرے درندے کو جس طرح پھاڑا ' اور ہر سفید بھیڑیے نے دوسرے سفید بھیڑیے پر جس طرح پنجہ مارا ' نہ صرف ترکوں کی تاریخ میں بلکہ تمام ایشیا کی خونریزیوں کی مجموعی تاریخ میں اسکی کوئی مثال نہیں ملسکتی -

با ایں ہمہ ترک خونخوار اور وحشی ہیں ' اور یورپ تہذیب و تمدن اور امن و رحم کا پیغمبر ہے ! علی الخصوص برطانیہ کے مقدس جزیرہ میں تو جس قدر فرشتے بستے ہیں ' وہ صرف انسانی آزادی کی حفاظت اور چھوٹی قوموں کی حمایت ہی کیلیے آسمان سے اتارے گئے ہیں !

یہ کرۂ ارضی کی تاریخ میں حق و باطل کا سب سے بڑا مقابلہ ہے - آج اسکی فتح و شکست کا اصلی فیصلہ نہیں ہوسکتا - زمین فوجوں کے بوجھہ سے دبی ہوئی ہے - فضاء ہوائی جہازوں کی قطاروں سے بھری ہوئی - اسکا فیصلہ کل ہوگا جب خدا کا دائمی قانون نتائج و عواقب کی زبان میں حقیقت کا اعلان کریگا ' اور مورخ کا قلم لکھے گا کہ یہ طاقت اور گھمنڈ کا سب سے بڑا چیلنج تھا جو سچائی کو دیا جاسکتا ہے - تاہم سچائی ہی سب سے بڑی طاقت ہے - اور بالآخر فیصلہ اسی کا فیصلہ ہے - سنة الله في الذين خلوا من قبل ' ولن تجد لسنة الله تبديلا ( ۳۳ . ۲۲ )

بہر حال ہماری بحث سے یہ موضوع خارج ہے - ترکوں کی حکمرانی جیسی کچھ بھی رہی ہو - مگر ترک سلطان حجاج بن یوسف اور خالد قسری جیسے اشرار امویہ سے بھی بد تر کبھی نہ ثابت ہوئے (۱) مگر مسلمانوں کو اپنے مسلمان حاکموں کی اطاعت کا ہر حال میں حکم دیا گیا ہے - اور انکا از روئے شرع یہی عقیدہ ہے کہ وہ خلیفۂ اسلام ہیں - اسمیں کسی دوسرے کو دخل دینے کا حق نہیں

---

(۱) آج ترکوں کی وحشت و تمدن کا فیصلہ علم و تحقیق کے ہاتھہ میں نہیں ہے - حریف حکومتوں کے ان مغرور وزراء کے قبضہ میں ہے جو میدان جنگ سے واپس آکر اپنے جنگی دشمن کی قسمت کا فیصلہ کرنے لگتے ہیں - اسلئے امید نہیں کہ ڈریپر ( Draper ) جیسے زمانہ حال کے مورخوں کی شہادت اس بارے میں سنی جائے - یہ امریکن مصنف اپنی مشہور کتاب History of The Couflict Between Religiuon And Seince میں لکھتا ہے کہ انصاف وعدالت اور مذہبی بے تعصبی میں اپنے عہد کی تمام عیسائی دنیا پر ترکوں کو وہی فوقیت رہی ہے جو چھٹی صدی عیسوی میں عربوں کو نزول فاتحہ بیزنطـــائن پر حاصل تھی - ایڈورڈ کریسی نے تاریخ روم میں ترکوں کو تہذیب و تمدن اور علمی ایجادات و اختراعات کے لحاظ سے پندرھویں اور سولھویں صدی کے تمام یورپ میں سب سے برتر قوم تسلیم کیا ہے - وہ کہتا ہے کہ انسائیکلو پیڈیا کے قسم کی کتابیں لکھنے کا ترکوں ھی کی تقلید سے یورپ میں رواج ہوا - یورپ کی زبانوں میں سب سے پہلی انسائیکلو پیڈیا ڈالامبرٹ (Dalambert) نے لکھی - لیکن اُسکو ایک ترک مصنف کلبی بے کی قاموس العلوم ھی کے مطـــالعہ سے رہنمائی ملی تھی - کمسریٹ ' رسد رسانی ' اور موجی شفا خانوں کا با قاعدہ انتظام ' ترکوں ھی سے یورپ نے سیکھا - قلعہ کی تعمیرات میں تمام یورپ ترکوں کا شاگرد ہے - فوجی باجا تمام یورپ نے ترکوں سے حاصل کیا - چیچک کے ٹیکہ کا اصلی موجد ایک ترک تھا - یہ ڈریپر ' کریسی ' کنگتم ' کلفرڈ ' وغیرہ مورخوں کی تحقیق ہے جنھوں نے اپنے کتب خانوں میں بیٹھکر ترکوں کے اعمـــال پر نظر ڈالی تھی - قدرتی طور پر مسٹر ایسکویتھہ اور مسٹر لائڈ جارج کی راے اس سے مختلف ہونی چاہیے جو ابھی ابھی گیلی پولی اور عمارہ میں ترکوں کی تلوار کا کاری زخم کھا کر نکلے ہیں ' اور کتب خانوں کی جگہہ نظارت خانوں کے اندر فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں !

نمی دانم رمدع گرنه مطنب چیست نامـــم را ؟
دل ارمن' دیده ارمن' آستدن ارمن' کدار ارمن !

# فصل

( مسلمانان هند اور خلافت سلاطین عثمانیه )

جب تک بغداد کی خلافت باقی رهی ' هندوستان کے تمام حکمران خاندان اسی کے زیر اثر اور فرمانبردار رهے - عباسیهٔ بغداد کی خلافت جب مٹ گئی ' اور سنه ۶۶۰ ھ میں مصر کی عباسی خلافت کا سلسله شروع هوا ' تو اگرچه یه عباسیه کے کاروان رفته کا محض ایک نمود غبار تھا ' تاهم تمام سلاطین هند اسکی حلقه بگوشی و غلامی کو اپنے لیے موجب فخر و امتیاز سمجھتے رهے' اور مرکزی خلافت کی عظمت دینی نے مجبور کیا که اپنی حکومت کو شرعی طور پر منوانے کیلیے مقام خلافت سے پروانهٔ نیابت حاصل کرتے رهیں - سلطان محمد بن تغلق شاہ کے غرور حکومت کا یه حال تھا که مشهور مورخ ضیاء الدین برنی اسکو " همت فرعونی و نمرودی " سے تعبیر کرنا چاهتا هے - تاهم اس معامله میں زیاده سے زیاده غرور جو وہ کرسکا ' یهی تھا که اپنے تئیں خلیفهٔ مصر کا سب سے بڑا فرمانبردار غلام اور چا کر ظاهر کرے' اور رعایا کو یقین دلاے که بلا اسکے حکم کے میں تم پر حکومت نہیں کرتا - تاریخ برنی میں هے :

" امیر المومنین خلیفه را بنده ترین همه بندگان بود ' و بے امر و بے فرمان او دست در امور اولو الامری نه زد " ( مطبوعه ایشیاٹک سوسیٹی - صفحه - ۴۶۰ )

برنی نے سلطان فیروز شاہ کے فضائل و سوانح کیلیے گیاره مقدمے ترتیب دیے هیں - ان میں نواں مقدمه یه هے :

" مقدمه نهم در آنکه دو کرت از حضرت امیر المؤمنین خلعت اولو الامری و منشور اذن و لواء شاهی بر سلطان عصر فیروز شاه رسیده ' و بادشاهی و اولو الامری خداوند عالم بدان استحکام گرفته "

پھر اسی مقدمه میں لکھتا هے :

" در مدت شش سال دو کرت از امیر المومنین منشور از تو الامری و خلعت شاهی و لواء سلطنت بدو رسید ' زحق جل و علی پادشاه دین پرور ما را درعزت داشت منشور و خلعت و فرستادگان توفیق بخشید ' و شرائط حرمت مراحم امیر المؤمنین دلعاً ما بلغ بجا آورد ' و هم چنان دانست که منشور و خلعت امیر المؤمنین از آسمان منزل شده ' و از درگاه مصطفی صلعم رسیده - عرضداشتے با تحفه و هدایا در نهایت تواضع بندگی امیر المؤمنین روان کرد " الخ (صفحه - ۵۹۸ )

یعني سلطان فیروز شاه کے فضائل و مفاخر میں سے ایک بڑی بات یہ سمجھی گئی کہ خلیفۂ مصر نے امارت حکومت کا پروانہ اور لواء و خلعت بھیجا ' اور پادشاہ کو اسکی اطاعت و حرمت کی توفیق ملی - فیروز شاہ نے اس بات کی اس درجہ قدر کی - گویا آسمان سے یہ عزت نازل ہوئي ہے ' اور خود بارگاہ حضرت محمد الرسول اللہ صلعم سے اسکو قبولیت کی سند ملگئی ہے !

شمس الدین سراج عفیف نے تاریخ فیروز شاہی میں یہ واقعہ زیادہ تفصیل سے لکھا ہے - جب خلیفہ کے سفراء شہر کے قریب پہنچے تو فیروز شاہ خود استقبال کیلیے پیدل نکلا - فرمان خلافت کو دونوں ھاتھوں میں لےلیا - پھر بوسہ دیکر سر پر رکھا ' اور اسی طرح سر پر دھرے ہوے دربار حکومت تک واپس آیا -

غور کرو ! مقام خلافت کی عظمت و حرمت کا اثر کس درجہ عالمگیر رہا ہے ؟ خلافت بغداد کے مٹنے کے بعد بھی خلافت کی صرف برائے نام نسبت اسدرجہ ہیبت و حرمت رکھتی تھی کہ ھندوستان جیسے بعید گوشہ میں ایک عظیم الشان فرمان رواے اقلیم ' اذن و اجازت حاصل ہوجانے پر فخر کرتا ہے - اور مٹنے پر بھی اس مقام کی عظمت تمام عالم اسلامی پر اسطرح چھائی ہوئی ہے کہ وہاں کا فرمان آسمانی فرمان ' اور وہاں کا حکم بارگاہ نبوت کا حکم سمجھا جاتا ہے !

مغلیہ سلطنت خلفاء مصر کے آخری عہد میں قائم ہوئی - ھندوستان میں بابر شاہ کی قسمت آزمائیوں کا زمانہ تھا جب سلطان سلیم خاں کے ہاتھہ پر خلیفۂ متوکل عباسی نے بیعت کی اور حجاز و شام میں سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا اعلان ہوا - شاہان مغلیہ اگرچہ ھندوستان میں خود اپنے ہی کو

امام سمجھتے تھے ' اور باعتدار حکومت کے یہ حق انھیں حاصل بھی تھا - تا ہم عام اسلامی خلافت کا انہوں نے کبھی دعوا نہ کیا - ہمیشہ عرب و شام کے مسلمہ خلفاء ھی کو خلیفہ تسلیم کرتے رہے - شہنشاہ اکبر اور شاہجہاں بھی اگر حج کیلیے جاتے ' تو انکو قسطنطنیہ کے خلیفہ ھی کی امارت میں حج ادا کرنا پڑتا - میدان عرفات میں وہ خود خطیب نہ ہوتے - قسطنطنیہ کا نائب السلطان خطبہ دیتا - وہ کھڑے ہوکر اسی طرح سنتے' جس طرح ایک عام مسلمان انکے بغل میں کھڑا سن رہا ہوتا - شرعاً و عملاً تسلیم خلافت کیلیے اس سے زیادہ اور کونسی بات ہوسکتی ہے ؟

بعض یورپین اخبارات کے مشرقی نامہ نگاروں نے بار بار یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ترکی حکومت سے باہر ترکی خلافت کا اعتقاد زیادہ تر سلطان عبد الحمید خان مرحوم کی سعی سے پیدا ہوا ' اور انکا مقصود اس سے یہ تھا کہ نام نہاد " پان اسلامزم " تحریک کو تمام مسلمانان عالم میں پھیلایا جاے - یہاں ہم یورپ کے متخیلہ و موہومہ " پان اسلامزم " کی حقیقت سے بحث کرنا نہیں چاھتے - " پان اسلامزم " سے اگر مقصود مسلمانوں کی بلا امتیاز وطن و قومیت باھمی برادری ہے ' تو اسکی تاریخ سلطان عبد الحمید کے زمانے سے نہیں بلکہ نزول قرآن و ظہور اسلام سے شروع ہوتی ہے - لیکن عثمانی خلافت کے عالمگیر اسلامی اعتقاد کو سلطان عبد الحمید سے منسوب کرنا ایک ایسی بات ہے جو یا تو حد درجہ جہل کا نتیجہ ہے یا حد درجہ دروغ گوئی کا - اور ہم نہیں جانتے کہ دونوں میں سے کس چیز کو محققین یورپ کیلیے پسند کریں ؟

سنہ ۹۲۳ ھ میں جب بعہد سلطان سلیم خاں سلاطین عثمانیہ خلیفۃ المسلمین تسلیم کیے گئے ' تو اسوقت عالم اسلامی کا یہ حال تھا کہ ایران میں سلاطین صفویہ کی حکومت تھی ' ہندوستان میں مغلیہ کی ' اندرون یمن میں ائمۂ زیدیہ کی ' اور اندرون عرب میں خود مختار قبائل اور بعض شیوخ کی - پس جہاں جہاں اسلامی حکومتیں موجود تھیں ' وہاں کے مسلمانوں کی اطاعت و انقیاد کا محل و مرکز خود مقامی اسلامی حکومت ہوگئی تھی' اور احکام شرعیہ کے نفاذ و اجراء کیلیے بھی وہ کسی بیرونی حکومت کے محتاج نہ تھے - اس بنا پر ظاہر ہے کہ ان ممالک میں مرکزی خلافت کا تعلق کسی نمایاں شکل میں یکایک ظاہر نہیں ہوسکتا تھا - سلطنت کے رقیبانہ جذبات بھی اپنی انتہائی حالت میں سب پر چھاے ہوے تھے -

صدیوں پہلے سے تفرقہ و انتشار کی وجہ سے مختلف نظام عالم اسلامی کو ٹکڑے ٹکڑے کرچکی تھی - لیکن ان ممالک کے علاوہ جہاں کہیں بھی مسلمان آباد تھے اور اپنی مقامی اسلامی حکومت نہیں رکھتے تھے ' وہ اگرچہ ترکی حکومت سے کتنے ہی دور دراز گوشوں میں واقع ہوں ' لیکن عثمانی سلاطین ہی کو اسلام کی مرکزی خلافت عظمی کا والی و متصرف تسلیم کرتے تھے ' اور اسی لیے جمعہ و عیدین کے خطبوں میں انکے لیے خاص طور پر دعا مانگنا اپنا فرض سمجھتے تھے - جزائر ہندوستان کے قرب و جوار اور بحر چین کے جزائر میں مسلمانوں کا ایک ایک فرد خلیفۂ قسطنطنیہ کی اس حیثیت دینی کا پورا پورا اعتقاد رکھتا تھا -

جزائر سیلون ہندوستان ہی کا ایک بحری گوشہ ہیں - سنہ ۱۱۷۵ھ ( سنہ ۱۷۶۱ع ) میں دکن کے ایک مشہور عالم سید قمرالدین اورنگ آبادی حج سے واپسی میں کولمبو پہنچے اور وہاں کی سیر کی - میر غلام علی آزاد بلگرامی انکے معاصر ہیں - اپنی کتاب سبحۃ المرجان میں انکی زبانی نقل کرتے ہیں کہ ساحلی مقامات میں فرنگیوں کی حکومت ہے - اندرونی جزائر میں ہندو راجہ ہے - کولمبو میں مسلمانوں کے دو محلے ہیں - جمعہ کی نماز دین مرتبہ سید موصوف نے وہاں پڑھی - خطبہ میں امام نے پادشاہ ہند اور سلطان روم کیلیے دعا مانگی تھی " لکونہ خادما للحرمین الشریفین " یعنی اسلیے کہ وہ خادم حرمین ہیں - ( سبحۃ المرجان مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۳ )

یہ اب سے ڈیڑھ سو برس پیشتر کا واقعہ ہے - سیلون کے جزیروں میں اگر مسلمان ایک غیر مسلم حاکم کے ماتحت رہکر شاہ ہند کا ذکر کرتے تھے ' تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی - ہندوستان بالکل انسے متصل تھا - لیکن قسطنطنیہ کے سلطان کیلیے دعا مانگنا جو بحر ہند سے اسقدر بعید فاصلہ پر واقع ہے ' کیا معنی رکھتا ہے ؟ کیا اسکے سوا کوئی معنی ہوسکتے ہیں کہ تمام عالم اسلامی میں وہی خلیفۃ المسلمین ہے ' اور اسلیے گو اور بھی بہت سی اسلامی حکومتیں موجود ہوں ' مگر ہر گوشۂ عالم کے مسلمانوں کے دلی تعلق و اطاعت کا اصلی مرکز صرف وہی ہوسکتا ہے ؟

صاحب تحفۃ العالم چین کوچک کے ایک سیاح سے اپنی ملاقات کا حال لکھتے ہیں جس نے عجیب عجیب جزیروں اور وہاں کے رسم و رواج کا مشاہدہ کیا تھا - " چین کوچک " سے مقصود بحر چین کے جزائر سماترا '

ملایا ' جاوا ' وغیرہ ہیں - سیاح مذکور کہتا ہے کہ اکثر جزائر میں مسلمان آباد ہیں اور مسجدیں معمور ہیں - جمعہ کے خطبوں میں سلطان روم کیلیے دعا مانگتے ہیں اور وہاں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہیں - یہ واقعہ بھی بارہویں صدی ہجری کے اوائل کا ہے -

باقی رہا یہ خیال کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا اعتقاد حال کی پیداوار ہے ' تو یہ بھی صحیح نہیں - یہ ظاہر ہے کہ جب تک خود ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم تھی ' کسی بیرونی اسلامی حکومت سے مسلمانوں کو بلا واسطہ تعلق رکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی - البتہ سلطنت مغلیہ کے انقراض کے بعد وہ مجبور ہوگئے کہ بلا واسطہ خلافت قسطنطنیہ سے اپنا رشتۂ انقیاد و عقیدت قائم کرلیں - تا ہم اسلام کی مرکزی خلافت پر سلاطین عثمانیہ کا فائض ہونا ایک ایسی مسلم و معروف بات ہے جو ہمیشہ علماء ہند کے علم و اعتقاد میں رہی ہے - حضرۃ شاہ ولی اللہ کا سال وفات سنہ ۱۱۷۴ ہجری ہے - اُنکا زمانہ احمد شاہ ابدالی کی آمد و رفت کا زمانہ تھا اور ہندوستان میں اسلامی حکومت ابھی قائم تھی - انہوں نے تفہیمات الٰہیہ میں دو جگہ سلاطین روم کا ذکر کیا ہے - ایک جگہ لکھتے ہیں :

" از زمان سلطان سلیم خان کہ در اوائل سنہ الف بود ' اکثر بلاد عرب و مصر و شام تحت تصرف سلاطین روم اند ' و خدمت حرمین الشریفین زاد هما اللہ شرفاً و کرامۃ ' و امارت موسم ' و ریاست حجاج ' و اهتمام محامل و قوافل بر ایشان استقرار یافت ' و بہ ہمین جہت بر منابر عرب و شام خصوصاً حرمین شریفین ہر یکے از ایشان بہ لقب امیر المومنین مذکور ست "

یمن میں اگرچہ أئمۂ زیدیہ سلاطین عثمانیہ کے رقیب و حریف تھے ' اور انہوں نے اندرون ملک میں کبھی اُنکی حکومت جمنے نہ دی - با این همہ گیارھویں سے تیرھویں صدی تک کے علماء یمن کی مصنفات کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے ' اُن سے پوشیدہ نہیں کہ اکثروں نے سلاطین عثمانیہ کی مرکزی حیثیت تسلیم کی ہے جس کے معنی بجز خلافت اسلامیہ کے اور کچھہ نہیں ہوسکتے - علامۂ صالح مقبلی صاحب العلم الشامخ المتولد سنہ ۱۰۴۷ ' علامۂ فلانی صاحب ایقاظ الھمم ' شیخ عبد الخالق زبیدی صاحب صفوۃ الاخبار وغیرھم اپنی کتابوں میں جا بجا ترکی گورنروں کے جبر و ستم کی شکایتیں

کرتے ہیں ، مگر یہ بھی [illegible] سلاطین عثمانیہ [illegible]
جس سے اُنکی اسلامی خلافت و امامت کا مسئلہ خود ثابت ہوتا ہے - مثلاً
سلطان کو مخاطب کرکے یہ کہنا کہ ہر شخص جو روے زمین پر تمام مسلمانوں
کا خلیفۂ و امام کہلاتا ہے ، اس کے گورنر اس طرح رعایا کے ساتھ سلوک کریں ؟
جسکے صاف معنی یہی ہیں کہ سلاطین عثمانیہ تمام مسلمانان عالم کے
خلیفۂ و امام تسلیم کیے جاتے تھے -

یہ موقعہ مزید اطناب و تفصیل کا نہیں ہے - سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا زمانہ ہزار صدی کے بعد شروع ہوتا ہے - پس اگر اسکا ذکر مل سکتا ہے تو پچھلی تین صدیوں کی مصنفات میں - چونکہ ان عہدوں کی تصنیفات عام طور پر علماء ہند کے مطالعہ میں نہیں آئی ہیں ، اسلیے مسئلہ کے تاریخی شواہد سے عموماً لوگ بے خبر ہیں - تلاش کیا جاے تو ایک بڑا ذخیرہ فراہم ہو جا سکتا ہے -

خود یورپین حکومتیں علی الخصوص برٹش گورنمنٹ سلطان عثمانی کی اس دینی حیثیت کا ہمیشہ اقرار کرتی آئی ہے ، اور جب کبھی ضرورت ہوئی ہے ، قسطنطنیہ کی طاقت سے بہ حیثیت خلیفۂ اسلام کے کام لیا گیا ہے - غدر سنہ ۵۷ کے موقعہ پر سلطان عبد المجید سے جو فرمان مسلمانان ہند کے نام حاصل کیا گیا تھا اور جسمیں انکو انگریزی حکومت کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی ہدایت کی تھی ، اُسکی بنا بھی یہی تھی کہ سلطان قسطنطنیہ کو بہ حیثیت خلیفۂ اسلام مسلمانان ہند کی ارشاد و ہدایت کا حق حاصل ہے - کوئین وکٹوریا کے عہد میں بارہا حج اور حاجیوں کی مشکلات کا سوال گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے اُٹھایا گیا ، اور پھر امپیریل گورنمنٹ نے باب عالی کو اس احتجاج کے ساتھ توجہ دلائی کہ بہ حیثیت خلیفۂ اسلام ہونے کے حجاج کی تکالیف دور کرنا اُنکا مذہبی فرض ہے - فرانس اور روس کی جانب سے بھی سلطان عبد الحمید خان کے زمانے میں متعدد مرتبہ ایسے اظہارات و اعترافات ہو چکے ہیں -



# فصل

( قرون متوسطۂ و اخیرہ میں مرکزی حکمرانی )

ہم نے جا بجا " اسلام کی مرکزی حکمرانی " اور " خلافت عظمیٰ " کا لفظ استعمال کیا ہے - تشریح اس اجمال کی یہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام کا محور و اساس مسئلۂ " توحید " ہے - " توحید " کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہونا - صرف اللہ کی ذات و صفات ہی میں یہ حقیقت محدود نہ تھی جیسا کہ بد قسمتی سے لوگوں نے سمجھ رکھا ہے ' بلکہ عقائد و اعمال کی ہر شاخ اور ہر شکل میں اسلام کا اصل الاصول توحید ہی ہے - وہ مسلمانوں کی تمام اُن باتوں میں جو فرد و اجتماع سے تعلق رکھتی ہیں ' ایک کامل توحیدی حالت پیدا کردینی چاہتا ہے - جس طرح خدا کی ذات کی طرح اُس کی خلقت اور قوانین خلقت میں بھی ہر جزو پر اور ہر جگہ یگانگی و یک عملی اور وحدت و واحدیۃ کار فرما ہے - ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت - فارجع البصر ' هل تری من فطور؟ ( ملک )

اس بنا پر اسلام نے جس طرح مسلمانوں کی ساری باتیں ایک قرار دی تھیں - اُنکی شریعت ' اُنکا قانون ' اُنکی کتاب ' اُنکا نام ' اُنکی زبان ' اُنکی قومیت ' اُنکا قبلہ ' اُنکا کعبہ ' اُنکا مرکز اجتماع ' مرکز ارض ' اُسی طرح اُنکی حکومت بھی ایک ہی قرار دی تھی - یعنی تمام روے زمین پر مسلمانوں کا صرف ایک ہی فرمانرواء و خلیفہ ہو - لیکن جہاں ساری باتوں میں انحراف اور تفرقۂ و انتشار ہوا ' وہاں یہ بات بھی جاتی رہی - خلفاء راشدین کے بعد صرف دور امیہ کے ابتدائی عہد تک وحدۂ حکومت نظر آتی ہے - اُسکے بعد کوئی زمانہ ایسا نہ آیا جب تمام عالم اسلامی کی حکومت کسی ایک طاقت میں جمع رہی ہو - مختلف گوشوں میں مختلف دعویدار اُٹھے' اور جسکا قدم جہاں جم گیا ' خود مختارانہ فرمانروائی کرنے لگا -

با ایں همه ایک خاص مرکزی اقتدار ہر زمانے میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے اور مورخ کی بصیرۃ محسوس کرلیتی ہے کہ اس تفرقۂ و انتشار کی عام سطح میں ایک مرکزی قوت اُبھری ہوئی ہے - اسلامی حکومتیں ہر

گوشۂ عالم میں قائم ہوگئی تھیں، مگر ہمیشہ ایک خاص مقام ایسا ضرور رہا جہاں کی حکمرانی دنیا کی تمام اسلامی حکومتوں میں ایک مرکزی اقتدار کی حیثیت رکھتی تھی - دوسرے مقامات کے فرمانروا اپنے دائرۂ حکومت سے باہر کوئی اثر نہیں رکھتے تھے، لیکن وہاں کا حکمران تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک خاص کشش و عقیدت اپنے اندر رکھتا تھا - یہ [illegible] اور عرب و حجاز کی حکومت تھی - عرب اسلام کا اصلی سرچشمہ و منبع ہے - حجاز اسلامی قومیت کا دائمی مرکز اور اسلام کے رکن حج کا مرکز ہے - شریعت نے عرب ہی کو یہ شرعی خصوصیت دی ہے کہ ہمیشہ غیر مسلم اقوام کے اثر سے محفوظ رکھی جائے - شریعت کے اس حکم کی تعمیل بغیر حکومت کے ممکن نہیں - جو حکومت اس پر قابض ہوگی، وہی اس شرعی حکم کی تعمیل و نفاذ کی ذمہ دار اور اقامۂ حج کی بھی کفیل ہوگی - پس قدرتی طور پر یہ بات ہوئی کہ یہاں کی حکومت کو تمام اسلامی حکومتوں میں مرکزی اقتدار اور تمام مسلمانان عالم کے قلوب کیلئے ایک انجذابی اثر حاصل ہوجائے - اسلام کے ازمنۂ متوسطہ و اخیرہ میں یہی مرکزی اقتدار خلافت عظمیٰ کا قائم مقام تھا - خلافت بغداد کے مٹنے کے بعد بھی ان مقامات کی حکومت خلفاء مصر ہی کے قبضہ میں رہی -

" مرکزی حکومت " سے مقصود یہی مرکزی اقتدار ہے - خلفاء مصر کے بعد جب سلاطین عثمانیہ تمام بلاد عرب و حجاز اور مصر و شام پر قابض ہوگئے تو اسلامی خلافت عظمیٰ کا مرکزی اقتدار بلا نزاع انہی کو حاصل ہوگیا - یہی وجہ ہے کہ ہزار صدی کے بعد سے تیرھویں صدی کے اوائل تک اگرچہ بڑی بڑی اسلامی حکومتیں دنیا میں قائم رہیں، لیکن خلافت عظمیٰ کے اعتقاد کے ساتھ جب کبھی کسی مسلمان کی نظر اٹھتی تو وہ صرف قسطنطنیہ ہی کی طرف دیکھ سکتا تھا -

# فصل

## ( ترکان عثمانی اور عالم اسلامی )

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس پوری تاریخ سے قطع نظر کرلیں - صرف اس اعتبار سے مسئلہ پر ایک آخری نظر ڈالیں کہ احکام شرعیہ کی بنا پر سلاطین

عقائد کے علاوہ خلافت کا کیا حال رہا ہے ؟ بحث کا یہ سب سے زیادہ عملی اور سب سے زیادہ سہل فیصلہ ہوگا -

اسلام نے خلیفہ کے نصب و تقرر کے خاص مقاصد قرار دئے ہیں - پچھلی پانچ صدیوں کے اندر متعدد اسلامی حکومتیں دنیا میں موجود تھیں اور بعض ابتک موجود ہیں - قوم و جماعت کے اعتبار سے متعدد مسلمان قوموں میں حکومت رہی اور بعض حکمراں قومیں اب بھی باقی ہیں - سوال یہ ہے کہ ان تمام حکمراں جماعتوں میں کونسی حکومت ایسی ہے جسنے شریعت کے ٹھہراے ہوے مقاصد خلافت انجام دیے ؟ اور جو غرض شرعی خلیفہ کے قیام اور تحکم " الذین ان مکنا هم فی الارض " الخ تمکین فی الارض سے تھی ' وہ انکے ہاتھوں پوری ہوئی ؟ جس حکومت اور جس حکمراں قوم نے ایسا کیا ہو ' صرف وہی حکومت اور قوم تمام مسلمانان عالم کی خلافت و امامت کا دعوا کر سکتی ہے -

اس اہم سوال کا فیصلہ چند سطروں میں ہو جا سکتا ہے - " خلافت اسلامیہ " کا مقصد شرعی پچھلی صحبتوں میں صاف ہوچکا ہے - سب سے پہلا مقصد اس کا یہ ہے کہ ایک ایسی طاقتور حکومت قائم ہو جو دشمنوں کے حملوں سے اسلامی ممالک اور مسلمانوں کی حفاظت کرسکے - اسلام و ملت کے دشمنوں کا استیصال و انسداد ہو - کلمۂ حق دنیا میں بلند اور دور دور تک جاری و نافذ ہو جاے - کلمۂ کفر و فساد کو خسران و ناکامی نصیب ہو - یہی مقصد پہلا مقصد ہے - باقی سب فروع و توابع ہیں -

یہی وجہ ہے کہ تمام کتب عقائد و اصول میں خلافت کی تعریف کرتے ہوے " اقامة الدین باقامة ارکان الاسلام ' و القیام بالجهاد ' و حفظ حدود الاسلام ' و ما یتعلق به من ترتیب الجیوش و الفرض للمقاتلة " کے جملے سب سے پہلے ملتے ہیں - یعنی وہ مسلمانوں کی ایسی حکومت ہے جو ارکان اسلام کو قائم رکھے ' جہاد کا سلسلہ و نظام درست کرے ' اسلامی ملکوں کو دشمنوں کے حملوں سے بچاے ' اور ان کاموں کیلیے فوجی قوت کی ترتیب اور لڑائی کا سامان وغیرہ جو کچھہ مطلوب ہو ' اسکا انتظام کرے - مختصر یہ کہ اسلام کا خلیفہ وہ حکمراں ہوسکتا ہے جو اسلام و ملت کیلیے دفاع و جہاد کی خدمت انجام دیسکے - ساری باتیں ان دو لفظوں میں آ گئیں -

اب فیصلہ کرلو کہ گذشتہ چار صدیوں کے اندر کس حکومت اور کس قوم نے دفاع و جہاد کی خدمت انجام دی ہے ؟

اسلام کا جب ظہور ہوا، تو دشمنوں کی پہلی جماعت قریش مکہ کی جماعت تھی - اُن کے مٹ جانے کے بعد اِس پوری تیرہ صدیوں میں صرف عیسائی قومیں ہی مسلمانوں کی دائمی حریف رہی ہیں - دوسری غیر مسلم قوموں میں سے کوئی قوم ایسی نہ تھی جس میں اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا داعیہ ہو - ایران کی مجوسی قوت کا ابتدا ہی میں خاتمہ ہوگیا تھا - یہودیوں کی کوئی پولیٹکل قوت نہ تھی - ہندوستان کے ہندوؤں اور بدھ مذہب کے پیروؤں نے ہندوستان سے نکل کر کبھی مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا اور نہ ان میں کوئی داعیہ قوت تھی - چنگیز کے تاتاری اٹھے اور وہ بلاشبہ سب سے بڑی ہلاکت کا باعث ہوئے لیکن بالآخر خود اسلام کے محکوم ہوگئے - یعنے ایک صدی کے اندر ہی اندر مسلمان ہوگئے -

پس تمام روئے زمین پر بجز مسیحی اقوام کے اور کوئی حملہ آور حریف اسلام کا نہ تھا - نہ ہے - مشرقی عیسائیوں کی قوت ابتدا ہی میں شکست ہوگئی تھی - صرف یورپ کی حکومتیں اور قومیں تھیں جنکو خواہ مسیحیت کے نام سے موسوم کرو خواہ یورپ کے نام سے - یہی آخری چار صدیاں ہیں جن میں بتدریج یورپ کی طاقت ترقی کرتی گئی، اور اُسکی ترقی کا دوسرا رخ یہ تھا کہ اسلام کی پولیٹکل طاقت کو روز افزوں تنزل ہوا -

تمام کرۂ ارضی کے مسلمانوں میں سے کونسی قوم ہے جس نے اِن چار صدیوں کے اندر یورپ کا مقابلہ کیا ہے، اور دفاع و جہاد جاری رکھکر اسلام اور مسلمانوں کی اُس کے سب سے بڑے حریف کے مقابلے میں حفاظت کی ہے؟ سولھویں صدی عیسوی ہی میں یورپ کی اُن تمام طاقتوں نے جو مشرقی ممالک کے دروازوں سے قریب تھیں، بتدریج قدم بڑھانا شروع کردیا تھا - اگر کوئی طاقتور اور مقاوم روک موجود نہ ہوتی تو ابسے دو صدی پیشتر ہی تمام وسط ایشیا، شام، عرب، اور اسلامی افریقہ یورپ کے استیلاء سے پامال ہوچکا تھا -

پھر وہ کونسی ناقابل تسخیر فوجی قوت تھی جس نے پہلے تو اپنے پے درپے حملوں سے تمام یورپ کو اِس طرح پامال کردیا کہ پوری دو صدیوں تک سنبھلنے اور قدم اُٹھانے کی مہلت ہی نہ دی، اور پھر تمام ایشیا و

بلاد اسلامی کے عین دروازہ پر مغربی مدافعت کی ایک آہنی دیوار قائم کردی ' اور اس طرح حکم جہاد کے دونوں فرض بہ یک وقت تن تنہا انجام دیے - ہجوم بھی - اور دفاع بھی ؟

کیا ہندوستان کی سلطنت مغلیہ نے جس نے اپنی پوری تاریخ میں ایک بار بھی ہندوستان سے قدم باہر نہ نکالا ؟ اور جسکی تلوار پانچ صدیوں کے اندر ایک مرتبہ بھی کسی حریف ملت کے خون سے رنگین نہ ہوئی ؟ عین اکبر اعظم کے زمانے میں ہندوستان کے حاجیوں کو پرتگالیوں اور ڈچوں کے جرگے ساحل ہند کے سامنے لوٹ رہے تھے اور وہ انکے انسداد سے عاجز تھا !

کیا ایران کے سلاطین نے ' جنکے عقبی حملوں نے ہمیشہ سلاطین عثمانیہ کو مجبور کیا کہ یورپ کا فتح مندانہ اقدام ترک کرکے ایشیاء کی طرف متوجہ ہوجائیں - جسکی وجہ سے ٹھیک یورپ کو ترکی تلواروں سے مہلت ملگئی اور تمام وسط یورپ فتح ہوتے ہوتے رہگیا ؟

کیا یمن کے خود مختار قبائل اور عرب ائمہ نے ' جنکو اسلام کے اس سب سے بڑے حریف کا شاید حال بھی معلوم نہ تھا ؟ ..

ہر انسان جو دو اور دو کو صرف چار ہی کہنا چاہتا ہو ' اسکا اقرار کریگا کہ بجز سلاطین عثمانیہ اور ترکوں کے مسلمانوں کی کوئی حکومت اور قوم نہیں ہے جس نے قرون اخیرہ میں حفظ اسلام و ملت کی یہ خدمت انجام دی ہو - اور جو فرض تمام مسلمانان عالم کے ذمے عائد ہوتا تھا ' اسکو سب کی طرف سے تن تنہا اٹھا لیا ہو ؟ -

حقیقت یہ ہے کہ ترکوں کا یہ وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جسکی نظیر قرون اولی کے بعد مسلمانوں کی کسی حکمراں قوم کی تاریخ پیش نہیں کرسکتی - صرف صلاح الدین ایوبی کی دعوۃ اس سے مستثنی ہے جس نے تمام یورپ کے متحدہ مسیحی جہاد کو شکست دی - تاہم وہ بھی ایک محدود زمانے کا دفاع تھا - مسلسل تین چار صدیوں تک صرف ترکوں ہی کی اسلامی مدافعت قائم رہی ہے - ان پوری چار صدیوں میں تمام روے زمین کے مسلمان اپنے سب سے بڑے قومی فرض سے غافل رہے - کسی قوم نے ایک زخم بھی اس مقدس راہ میں نہیں کھایا - کسی پادشاہ نے ایک قدم بھی اسکے لیے نہیں اٹھایا - صرف تن تنہا ترک ہی دنیا بھر کے

مسلمانوں کی جانب سے نہ صرف کام انجام دیتے رہے - انہوں نے تمام مسلمانان عالم کو عیش و راحت کے بستروں پر چھوڑ دیا - خود اپنے لیے خاک و خون کی دنیا زندگی پسند کی - ان قرون اخیرہ میں اگر ترکوں کی جانفروش و سرفروش جماعت نہ تھی اس فرض کو نہ سنبھال لیتی تو نہیں معلوم آج جغرافیۂ عالم میں مسلمانوں کی آبادیوں کا کیا حال ہوتا؟ اور جو مصیبت اسوقت درپیش ہے وہ کب کی آچکی اور مسلمانوں پر سے گزر چکی ہوتی؟ تمام دنیا کے مسلمانوں پر ترکوں کا یہ وہ احسان عظیم ہے کہ اگر اسکے معاوضہ میں مسلمانان عالم اپنا سب کچھہ اُن پر سے قربان کردیں' جب بھی اُنکے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتے - اگر گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے بادشاہتیں کی ہیں تو صرف اُنہی کی بدولت' اور اگر آج بادشاہتیں کھوکر بھی کچھہ نہ کچھہ عزت کی پونجی اپنے ساتھہ رکھتے ہیں تو صرف اُنہی کی بدولت - مسلمان خواہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا ہو' چین میں ہو یا افریقہ کے بعید گوشوں میں' لیکن صدیوں سے اُسکی قومی زندگی' قومی عزت' قومی عیش و آرام' اور وہ سب کچھہ جو ایک قوم کیلیے ہے اور ہوسکتا ہے' صرف ترکوں ہی کے طفیل ہے اور اُنہی کا بخشا ہوا -

یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا فرض ہوا کہ ترکوں کی مدد کریں - لیکن ترکوں کیلیے یہ کچھہ ضروری نہیں کہ وہ ہندوستان یا افریقہ میں بانٹنے کیلیے روپیہ بھیجتے رہیں - وہ چار صدیوں سے وہ کام انجام دے رہے ہیں جسکے تصور سے بھی ہم مسلمانان ہند کے دل کانپ اٹھتے اور جسکے وہم ہی سے ہم پر موت طاری ہوجاتی ہے - یعنے اپنی جانیں اسلام کی حفاظت کی راہ میں قربان کررہے ہیں - اس سے بڑھکر اور کونسا کام ہے جو اسلام اور مسلمانوں کیلیے کیا جاسکتا ہے؟ اور اسکے بعد کیا رہگیا جسکی طلب اور سوال ہو؟ بہت ممکن ہے کہ کسی دوسرے حصے کے مسلمانوں نے ترکوں سے زیادہ نمازیں پڑھی ہوں' لیکن نماز کے قیام کی راہ میں اُنسے زیادہ اپنا خون کسی نے نہیں بہایا - بہت ممکن ہے کہ عرب اور ہندوستان کے مسلمانوں کی زبانوں نے انسے زیادہ قرآن کی تلاوت کی ہو' لیکن قرآن کی حفاظت کی راہ میں چار سو برس سے زخم صرف اُنہی کے سینے کھا رہے ہیں - اگر اللہ کی شریعت حق ہے' اگر قرآن و سنت کا فیصلہ باطل نہیں' تو ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ دوسرے ملکوں کے ہزاروں عابد و زاہد

د مسلمانوں سے جنگے دلوں میں کبھی جہاد فی سبیل اللہ کا حضرۃ بھی سہیں گذرے ' ترکوں کا ایک گناهگار و معصیت آلود فرد بھی اللہ کے آگے کہیں زیادہ فضلیت و محبوبیت رکھتا ہے - ہماری مدۃ العمر کی عبادتیں بھی آنکے سجدے کے ایک خونچکاں زخم اور اس سے بہنے والے ایک قطرۂ خون کی عظمت نہیں پاسکتیں - حدیث ہے کہ " حرس لیلۃ فی سبیل اللہ افضل من الف لیلۃ یقام لیلها و یصام نهارها " (۱) جہاد فی سبیل اللہ کی ایک رات ہزار دنوں کے روزوں اور ہزار راتوں کی عبادت سے بھی افضل ہے ! حضرت عبد اللہ بن مبارک نے حضرۃ فضیل بن عیاض کو ایک مرتبہ یہ اشعار لکھکر بھیجے تھے

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا * لعلمت انک فی العبادۃ تلعب !
من کان یخضب خدہ بدموعہ * فنحورنا بدمائنا تتخضب !
ریح العبیر لکم ' و نحن عبیرنا * رهج السنابک والغبار الا طیب (۲)

جو مسلمان یورپ کے مسیحی و سیاسی اثر سے متاثر ہوکر ترکوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں ' آنکو چاہیے کہ پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالکر دیکھیں کہ صدیوں سے آنکی منافقانہ غفلت و اعراض کا کیا حال رہا ہے ؟ علی الخصوص ہندوستان کے مسلمانوں کو ( جو تعداد میں ہر جگہ کے مسلمانوں سے زیادہ ہیں ) غور کرنا چاہیے کہ جس اولین فرض دینی کیلیے ترک چار سو برس

---

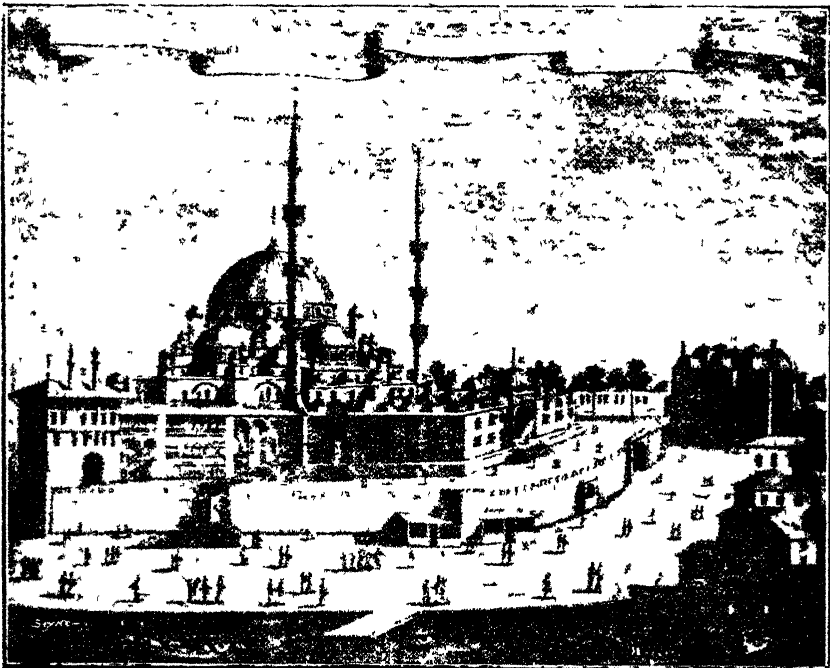
( ۱ ) اخرجہ الامام احمد عن مصعب بن زبیر -

( ۲ ) حافظ ابن عساکر نے امام موصوف کے ترجمہ میں یہ اشعار نقل کیے ہیں - امام موصوف ایک سال درس حدیث دیتے ' ایک سال تجارت کرتے ' ایک سال جہاد میں شرکت فرماتے - حضرۃ فضیل اس عہد کے مشہور عباد و زہاد میں سے ہیں - حاصل ان اشعار کا یہ ہے " اے حرمین کے گوشہ نشین عابد ! اگر تو نے ہمارا حال دیکھا ہوتا تو معلوم کر لیتا کہ جس زہد و عبادت میں مشغول رہتا ہے وہ تو ایک طرح کا کھیل ہے - جو شخص اپنے رخسار آنسوؤں سے ( عبادت میں ) تر کرتا ہے ' اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری عبادت وہ ہے جسمیں رخسار آنسوؤں سے نہیں بلکہ گردنیں خون سے رنگین ہوا کرتی ہیں " ! حضرۃ فضیل نے جب یہ اشعار پڑھے تو آنکی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور فرمایا " صدق ابو عبد الرحمن " عبد اللہ بن مبارک نے سچ کہا !

تو بتا چکوں نہ رہے ھیں ! انہوں نے اسکے بعد کیا کیا ؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ کبھی کبھار چند لاکھ سے ترک زخمیوں کی مرهم پٹی کیلئے بھیجدئے جو ایک ترک سپاہی کی مصیبت اور ایک ترک یتیم کے آنسوؤں کی قیمت بھی نہیں ھوسکتے ؟ لہذا ایسے لوگوں کو جو اپنی زندگیاں انگریزی کے دسترخوان پر زلہ ربائی اور ٹکڑوں کی جھوٹنوں کے پیچھے بسر کرتے ھوں یہ حق نہیں ھے کہ اُن لوگوں پر زبان طعن کھولیں جو چارسو برس سے اپنی لاشیں خاک و خون میں تڑپا رہے ھیں ؟

بہرحال منصب خلافت کا بہت مختصر قدیم تاریخچہ ہے - وہ پچھلی چار صدیوں میں بجز ترکوں کے اور کسی اسلامی حکومت نے انجام نہیں دیا - پس اگر اور دلائل و شواهد نہ ھوتے ، جب بھی صرف یہی ایک بات سلاطین عثمانیہ کی خلافت و امامت کیلئے کفایت کرتی تھی -

اور پھر یہ بھی واضح رہے کہ یہ تمام مباحث اس سوال سے تعلق رکھتے تھا کہ گذشتہ صدیوں میں متعدد اسلامی حکومتوں کے رہتے ہوئے سلاطین عثمانیہ ھی کیوں خلافت عظمی کے حقدار تسلیم کئے گئے ؟ لیکن موجودہ زمانے میں جبکہ تمام اسلامی حکومتیں مٹ چکی ھیں ، مسلمانان عالم کیلئے بجز سلطان عثمانی کے کسی دوسری خلافت کا وجود ھی نہیں رہا -



ایڈریا نوپل کی جامع سلیم کا بیرونی منظر

# باب

( فریضۂ عظیمۂ دفاع )

## فصل

( حقیقت حکم دفاع )

اسلام کے شرعی واجبات و فرائض میں ایک نہایت اہم اور اثر ڈالنے والا جس میں ایمان و کفر تک کا فیصلہ کردینے والا فرض " دفاع " ہے -

تشریح اسکی یہ ہے کہ جب کبھی کسی مسلمان حکومت یا کسی مسلمان آبادی پر کوئی غیر مسلم گروہ حملہ کرے ' تو یکے بعد دیگرے تمام دنیا کے مسلمانوں پر شرعاً فرض ہوجاتا ہے کہ دفاع ( ڈیفنس - Difence ) کیلیے اٹھ کھڑے ہوں' اس حکومت اور آبادی کو غیر مسلم قبضہ سے لڑکر بچائیں ' اگر فوری قبضہ ہوگیا ہے تو اس سے نجات دلائیں ' اور اس کام کیلیے اپنی ساری قوتیں اور ہر طرح کی ممکن کوششیں وقف کردیں - اس بارے میں قرآن و حدیث کے احکام اس کثرت سے موجود ہیں ' اور اسلامی فرائض میں یہ اسدرجہ مشہور فرض ہے ' کہ شاید ہی دنیا میں کوئی مسلمان اس سے ناواقف نکلے - یہی باہمی مددگاری و یاوری اور دفاع اعداء کا قانون ہے جس پر اسلام نے شریعت و امت کی حفاظت کی ساری بنیادیں استوار کی ہیں - لڑائی لڑنے کی نسبت سب سے پہلی آیۃ جو نازل ہوئی وہ سورۂ حج میں ہے :

ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا ' ان اللہ لا یحب کل خوان کفور ' اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا ' و ان اللہ علی نصرھم لقدیر ' الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ - ( ۲۲ : ۴۲ )

اللہ تعالی مومنوں پر سے انکے دشمنوں کو ہٹاتا رہتا ہے - وہ ان لوگوں کا ساتھی نہیں جو اسکی بخشی ہوئی طاقت کے امانت دار نہیں ہیں ' اور شکر گزاری کی جگہ کفران نعمت میں سرشار ہیں - جن مسلمانوں سے کافر لڑ رہے ہیں ' اب ان مسلمانوں کو بھی کافروں سے لڑنے کی اجازت دی جاتی

ہے کیونکہ اُن پر ظلم ہورہا ہے، اور اللہ مظلوموں کی مدد پر قادر ہے - یہ وہ لوگ ہیں کہ بلا کسی حق کے اپنی آبادیوں سے نکال دئے گئے - انکا کوئی قصور نہ تھا - صرف یہ کہ اپنے پروردگار کے ماننے والے ہیں - ( ۱ )

لیکن بعض مفسرین نے سورۂ بقرہ کی حسب ذیل آیت کو اذن قتال کا پہلا حکم قرار دیا ہے :

| | |
|---|---|
| و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم، و لا تعتدوا - ان اللہ لا یحب المعتدین - و اقتلوھم حیث ثقفتموھم، و أخرجوھم من حیث أخرجوکم - والفتنۃ اشد من القتل - ( ۲ : ۱۸۷ ) | اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو مسلمانوں سے لڑائی لڑ رہے ہیں - مگر زیادتی نہ کرو - اللہ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا - اور ایسا کرو کہ جہاں کہیں بھی وہ جمے ہوئے ملیں، قتل کردو - اور جہاں کہیں سے انہوں نے مسلمانوں کو نکالا ہے، تم بھی نکال باہر کرو - ایسا کرنا اگرچہ خونریزی ہے، مگر خونریزی کی برائی سے بھی بڑھکر ظلم و فساد کی برائی ہے - |

امام ابن جریر نے ابو العالیہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنگ کی نسبت یہی پہلی آیت ہے جو نازل ہوئی " انہا اول آیت نزلت في القتال بالمدینہ فلما نزلت کان رسول اللہ صلعم یقاتل من قاتلہ ویکف عمن کف عنہ، حتی نزلت سورۃ براۃ " پس اذن قتال کی پہلی آیت یا سورۂ حج کی ہے یا بقرہ کی -

ان دونوں آیتوں اور انکی ہم مطلب آیات میں قرآن حکیم نے حکم قتال کے اُس حصہ کو صاف صاف مسلمانوں پر فرض کردیا ہے جسکا مقصد دفاع ( ڈیفنس ) ہے (۲) - یعنی جب کبھی غیر مسلموں کی کوئی جماعت

---

( ۱ ) روی الحاکم من حدیث الاعمش عن ابن عباس - قال : لما خرج رسول اللہ صلعم من مکۃ قال ابو بکر " اخرجوا نبیہم - انا للہ و انا الیہ راجعون - لیہلکن " فانزل اللہ اذن للذین یقاتلون الخ و ہي اول آیۃ نزلت في القتال - اسنادہ علی شرط الصحیحین -

( ۲ ) یعنی حکم جہاد کي مختلف قسموں اور صورتوں میں سے ایک قسم قتال ہے - پھر قتال کي بھی دو قسمیں ہیں - دفاع اور ہجوم - ان آیات میں دفاع کا حکم ہے - ہجوم کا حکم دوسري آیتوں میں ہے اور اسکے مواقع و بواعث اور شرائط دوسرے ہیں -

مسلمانوں کی کسی حکومت یا آبادی پر حملہ کرے ' یا اُس پر خود قابض ہو جانا چاہے ' تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کیلیے اُٹھ کھڑے ہوں - جس طرح حملہ آوروں نے حملہ کیا ہے ' وہ بھی کریں - قتل و جنگ کی جو جو چال وہ چلے ہیں ' وہ بھی چلیں - البتہ یہ جائز نہیں کہ اس بارے میں رحم و عدل کے جو حدود شریعت نے باندھدئے ہیں ( مثلاً ضعیفوں ' بوڑھوں ' بچوں ' عورتوں ' راہبوں ' مذہبی عبادتگاہوں وغیرہ سے تعرض نہ کرنا ) اُنسے قدم باہر نکالیں - پھر اُس حکم کی علت بھی بتلادی کہ الفتنۃ اشد من القتل - بلاشبہ یہ جنگ قتل ہے اور انسانی قتل بہت بڑی برائی ہے ' لیکن اس برائی سے بھی بڑھکر برائی یہ ہے کہ لوگ اپنی آبادیوں اور حکومتوں پر قانع نہیں رہتے - دوسروں کے حقوق آزادی و حکومت چھیننا چاہتے ہیں - توحید کی جگہ کفر و شرک کے ماننے مسلمانوں کو لاد' چاہتے ہیں ' قوموں کا قدرتی حق حریت پامال کر رہے ہیں - اگر اسکے دفع کا انتظام نہ کیا جائے ' تو پھر دنیا میں کوئی قوم زندہ و باقی نہیں رہسکتی - پس بڑی برائی کے دور کرنے کیلیے چھوٹی برائی اختیار کرلینی چاہیے - یہ خود نیچر کا عالمگیر قانون اور کارخانۂ حیات کا دائمی عمل ہے - اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا کبھی جنگ کا حکم نہ دیتا -

سورۂ محمد ( ص ) میں قرآن نے حکم قتال اور جواز جنگ کی اصلی علت بھی بتلادی ہے :

حتی تضع الحرب اوزارها - ( ۴۷ : ۶ ) | لڑتے رہو ' یہانتک کہ لڑائی موقوف ہو جائے -

یعنی اسلام کا اصلی مقصد یہ ہے کہ دنیا میں عالمگیر صلح و امن قائم ہو جائے - ساری دنیا ایک قوم ' اور تمام نوع انسانی ایک گھرانے کی طرح زندگی بسر کریں - لیکن جب تک جنگ کرنے والی ظالم و حریص قوتیں باقی ہیں ' یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا - پس پہلے مفسد و جابر قوتوں کا مقابلہ کرنا اور اُنکو فنا کردینا ضروری ہوا - مضبوط اور مستقل امن اُسی وقت قائم ہوگا ' جب پہلے امن کی خاطر اچھی طرح جنگ کرلی جائے

حتی اذا اثخنتموهم ( ۴۷ : ۵ ) | یہانتک لڑو کہ جنگ آزما دشمن چور چور ہو جائیں -

قاتلوں کا جب تک خون نہ بہایا جائیگا ' مقتولوں کا خون بہنا بند نہ ہوگا :

ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب - ( ۲ ۱۷۵ )  تمہارے لیے قصاص کی موت میں امن کی زندگی پوشیدہ ہے '

لہذا حکم دیا کہ جب تک دنیا جنگ اور نوبت جنگ سے باز نہ آجائے ' جنگ کرتے رہو - کبھی اس سے نہ تھکو - یہانتک کہ دنیا میں جنگ کا نام و نشان ہی باقی نہ رہے " تضع الحرب اوزارھا " جنگ اپنے ہتھیار ڈالدے - یعنی جنگ بالکل موقوف ہوجائے - فساد و بطلان کی وہ قوتیں ہی باقی نہ رہیں جو خدا کی زمین کو ہمیشہ انسانی خون سے رنگتی رہتی ہیں - قرآن کا دعوا ہے کہ عالمگیر امن کا یہ وقت دنیا پر ضرور آئیگا - مگر اسی وقت آئیگا جب تمام دنیا اسلام کی دعوت امن و اخوت کے آگے جھک جائیگی : ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ( ۹ . ۶۱ )

# فصل

## ( فضائل دفاع )

اسلامی احکام میں اس عمل " دفاع " جو اھمیت رکھتا ہے ' وہ عقائد ضروریہ کے بعد کسی حکم ' کسی فرض ' کسی رکن ' کسی عبادت کو حاصل نہیں - قرآن و حدیث میں باربار یہ بات بتلائی گئی ہے کہ قومی زندگی اسی عمل کے بقاء پر موقوف ہے - جب تک مسلمانوں میں یہ جذبہ باقی رہیگا اور اس کام کی راہ میں ہر مرد اپنی زندگی اور اپنا مال قربان کردینے کیلیے طیار رہیگا ' اسوقت تک دنیا کی کوئی قوم انپر غالب نہ آسکیگی - جسدن یہ جذبہ مردہ ہوجائیگا - اسی دن سے مسلمانوں کی قومی موت بھی شروع ہوجائیگی - چنانچہ قرآن نے مثال میں یہودیوں کی تاریخ پیش کی ہے - جب تک یہودیوں میں اعتقاداً و عملاً یہ جذبہ باقی رہا ' حکومت و عزت انہی کیلیے تھی - جب چند گھڑیوں کے عیش و راحت کا عشق قومی زندگی و عزت کے دائمی عیش کی طلب پر غالب آگیا ' اور اس چیز کو چھوڑ بیٹھے ' تو ذلت و محکومی کا داغ ہر یہودی کی پیشانی پر لگ گیا ' اور ہمیشہ کیلیے خوار و ذلیل ہوکر رہگئے : ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ و باؤا بغضب من اللہ !

الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل من بعد موسی ؟ اذ قالوا لنبی لهم " ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل الله " قال " هل عسیتم ان کتب علیکم القتال ان لا تقاتلوا " قالوا " وما لنا ان لا نقاتل فی سبیل الله وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا ؟ " فلما کتب علیهم القتال ' تولوا الا قلیلاً منهم ' والله علیم بالظالمین - ( ۲ : ۲۴۲ )

کیا بنی اسرائیل کا حال نہیں دیکھتے کہ موسی کے بعد کیا ہوا ؟ پہلے تو خودھی اپنے عہد کے نبی سے درخواست کی " کسی کو ہم پر بادشاہ بنادو کہ اُسکے ماتحت الله کی راہ میں لڑیں " نبی نے کہا " اگرچہ تم ایسا کہتے ہو لیکن امید نہیں کہ وقت پر پورے اُترو - اگر تم کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو بزدلی دکھلا کے نافرمانی کرجاؤگے " ان لوگوں نے جواب دیا " نہیں ایسا نہیں ہوسکتا - ہمکو کیا ہوگیا ہے کہ حق کی راہ میں ظالموں سے جنگ نہ کریں ؟ حالانکہ انہوں نے ہم کو اور ہماری اولاد کو ہمارے شہروں سے نکال دیا ہے " لیکن دیکھو ' جب لڑائی کا حکم دیا گیا تو بجز چند حق پرستوں کے سب اپنے قول و قرار سے پھر گئے - وقت پر اُنکا دعوا سچا ثابت نہ ہوا -

سنن ابو داؤد میں ہے " اذا ضن الناس بالدینار والدرهم و تبایعوا بالعین واتبعوا اذناب بقر ' و ترکوا الجهاد فی سبیل الله ' انزل الله بهم بلاء ' فلم یرفعه حتی یراجعوا " یعنی جب کوئی جماعت جہاد فی سبیل الله ترک کردیتی ہے تو اسپر بلائیں نازل ہوتی ہیں جو کبھی دور نہیں ہوسکتیں - الا یہ کہ وہ اس معصیت سے باز آئیں -

چونکہ شریعت و ملت کے قیام کی اصلی بنیاد یہی چیز تھی ' اسلیے ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے اس پر زور دیا گیا ' اور سارے عملوں اور نیکیوں سے جو ایک مسلمان دنیا میں کرسکتا ہے ' اس عمل کا مرتبۂ و اجر افضل و اعلی ٹھہرایا - جس عمل میں جسقدر زیادہ ایثار و قربانی ہوگی ' اُتنا ہی زیادہ اُسکا اجر و ثواب بھی ہوگا - ظاہر ہے کہ اس عمل سے بڑھکر اور کس عمل میں مال و جان کا ایثار ہوسکتا ہے ؟

کوئی خاص وقت اور عہد اسکے لیے مخصوص نہیں - ہر حال اور ہر زمانے میں ایک مسلم و مومن زندگی کے ایمان و صداقت کی بنیاد بھی چیز اور اسی کا سچا عشق و ولولہ ہے - یہی سنام دین ہے - یہی عماد ملت

ہے - یہی اساس شرع ہے - یہی ملاک اسلام ہے - یہی ایمان و نفاق کی اصلی کسوٹی ہے - یہی مومن کو منافق سے الگ کردینے کیلیے اصلی پہچان ہے - نماز اسی سے ہے - روزہ اسی سے ہے - حج اسی سے ہے - زکواۃ کا سب سے پہلا اور افضل مصرف یہی ہے - سب اسکے لیے ملتوی ہو جاسکتے ہیں - اسکو کسی کی خاطر نہیں چھوڑا جا سکتا - نماز دین کا ستون ہے اور روزہ برائیوں سے بچنے کی ڈھال ' لیکن یہ دین کی بنیاد ہے اور برائیوں کو معدوم کردینے والی تلوار - پس اسکی فضیلت کو نہ نماز پہنچ سکتی ہے نہ روزہ - نہ اس سے بڑھکر کوئی دوسرا عمل ہے جو اللہ کی نظروں میں محبوب ہو اور کرنے والے کو اسکی دائمی محبوبیت سے سرفراز کردے - ہزاروں نمازیں اور ہزاروں روزے بھی اُس ایک قطرۂ خون کی فضیلت و تقدیس نہیں پا سکتے جو اس راہ میں بہایا گیا ' اور عمر بھر کی صدقات و خیرات بھی اُس ایک درہم کے اجر کا مقابلہ نہیں کرسکتیں جو اس راہ میں خرچ کیا گیا - حتیٰ کہ یہی عمل اسلام و ایمان کی اصلی پہچان قرار پایا - جس مسلمان کا دل اس کے ولولۂ و طلب سے خالی ہوا ' وہ ایمان و اسلام کی رزشدی سے محروم ہوگیا - نفاق کی ظلمت اُسپر چھا گئی - صحیح مسلم میں ہے :

من مات ولم یغزو لم یحدث نفسه به ' مات علی شعبة من النفاق - ( عن ابی ہریرہ )

جو مسلمان اس حالت میں دنیا سے گیا کہ نہ تو کبھی اللہ کی راہ میں لڑائی لڑی ' اور نہ اُسکے دل میں اس بات کی طلب رہی ' اُسکی موت ایسی حالت میں ہوئی جو نفاق کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے -

قرطبی نے اسکی شرح میں کہا " ھذہ دلیل علی وجوب العزم " اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جہاد کا عزم اور ارادہ ہر مسلمان پر واجب ہے - اسکے عزم اور طلب سے بھی اگر دل خالی ہوگیا تو وہ مومن نہیں ہے ' منافق ہے - اگر ہندوستان کے مسلمان چاہیں تو اس فرمان رسول کو سامنے رکھکر اپنے ایمان و نفاق کا فیصلہ کرلے سکتے ہیں !

ترمذی میں ہے - ایک مرتبہ صحابہ کی ایک جماعت میں اس بات کا چرچا ہوا " ای الاعمال احب الی اللہ " ؟ ساری نیکیوں اور عبادتوں میں

سب سے زیادہ کونسا عمل اللہ کے نزدیک محبوب و مقبول ہے ؟ اسپر سورۂ صف نازل ہوئی ( ۱ )

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانہم بنیان مرصوص ! | اللہ تعالیٰ تو اُن لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اُسکی راہ میں صف باندھکر اس استقامت اور جماؤ سے لڑتے ہیں' گویا ایک دیوار ہے جو تلواروں کے سامنے کھڑی کردی گئی ہے' اور دیوار بھی کیسی ؟ ایسی جسکی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سیسہ ڈالکر جوڑ دی گئی ہو !

پھر اسی سورۃ میں آگے چلکر فرمایا - یہی وہ عمل ہے جسکے کرنے کے بعد تمام گناہ بخشدیے جاتے ہیں - کوئی خطا' کوئی معصیت' کوئی برائی باقی نہیں رہتی - اسکے نجات کا دروازہ ہمیشہ کیلیے کھل جاتا ہے :

یا ایہا الذین آمنوا ! ہل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم ؟ تؤمنون باللہ و رسولہ' و تجاہدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم' ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون - یغفر لکم ذنوبکم' و یدخلکم جنات تجری من تحتہا الانہار' و مساکن طیبۃ فی جنات عدن - ذلک الفوز العظیم !

بخاری و مسلم میں حضرۃ ابو ہریرہ سے مروی ہے - آنحضرۃ سے سوال کیا گیا - " ای العمل افضل " ؟ کونسا عمل سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے ؟ فرمایا " ایمان باللہ و رسولہ " اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لانا - پوچھا " ثم ما ذا " ؟ اس کے بعد ؟ - فرمایا " الجہاد فی سبیل اللہ " - اللہ کی راہ میں جہاد !

بخاری میں ابوسعید خدری سے ہے " قیل ای الناس افضل ؟ فقال مومن یجاہد فی سبیل اللہ بنفسہ و مالہ " آپ سے پوچھا گیا - سب سے زیادہ افضل آدمی کون ہے ؟ فرمایا وہ مومن جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتا ہے -

اور فرمایا " لغدوۃ فی سبیل اللہ أو روحۃ خیر من الدنیا و ما فیہا " اور " خیر مما تطلع علیہ الشمس و تغرب " ( بخاری ) جہاد فی سبیل اللہ

---

( ۱ ) و اخرجہ ایضا امام احمد عن عبد اللہ بن سلام' و ابن ابی حاتم و ابن حبان' و الحاکم و قال صحیح علی شرط الصحیحین' و البیہقی فی شعب الایمان و السنن' و الطبری فی التفسیر-

کی ایک صبح یا شام تمام دنیا اور دنیا کی نعمتوں سے بہتر ہے اور ان تمامی چیزوں سے افضل ہے جن پر سورج نکلتا اور ڈوبتا ہے ۔

بخاري ميں دو حديثيں هيں " ما من عبد يموت له عند الله خير يسره أن يرجع الى الدنيا و أن له الدنيا و ما فيها ، الا الشهيد - لما يرى من فضل الشهادة فانه يسره أن يرجع الى الدنيا فيقتل مرة أخرى " اور روایت انس " ما احد يدخل الجنة يحب أن يرجع الى الدنيا وله ما على الارض من شيء ، الا الشهيد ، يتمنى أن يرجع الى الدنيا فيقتل عشر مرات لما يرى من الكرامة " حاصل دونوں کا یہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں آنے کی کسی کو آرزو نہیں ہوسکتی مگر اُس کو جو اللہ کی راہ میں شہید ہوا - جب وہ شہادت کا اجر و ثواب دیکھتا ہے تو تمنا کرتا ہے - کاش پھر دنیا میں جاسکوں اور دس مرتبہ اِسی طرح اللہ کی راہ میں مارا جاؤں - اور ہر مرتبہ شہادت کي عزت و کرامت حاصل کروں !

حد ہوگئی کہ جن لوگوں نے جنگ بدر میں جاں نثاریاں کی تھیں ، اگر کبھي انسے کوئی لغزش ہوئی اور معصیت میں مبتلا ہوگئے ، تو آپ نے سزا دینے سے انکار کردیا اور فرمایا " لعل الله اطلع على اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم " یہ وہ جاں نثار حق ہیں جنھوں نے جنگ بدر میں شرکت کی ہے - عجب نہیں کہ اس ایک عمل کے صلہ میں اللہ نے انکی ساری پچھلی اور آئندہ خطائیں بخشدي ہوں اور کہدیا ہو کہ جو جی میں آئے کرو !

طبرانی نے عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ جب شام کے رومیوں کی طیاریوں کی خبر پہنچی تو مدینہ میں مسلمانوں کی حالت نہایت نازک اور کمزور تھی - کسی طرح کا سازوسامان میسر نہ تھا - حضرۃ عثمان نے یہ حال دیکھا تو اپنا پورا تجارتی قافلہ آنحضرۃ کیخدمت میں پیش کردیا جو شام جانے کیلیے طیار ہوا تھا - اسمیں دو سو اونٹ مال و اسباب سے لدے ہوئے تھے ، اور دو سو اوقیہ سونا تھا - آنحضرۃ نے فرمایا " لا يضر عثمان ما عمل بعدها " آج کے دن کے بعد سے عثمان خواہ کچھہ ھي کرے لیکن کوئی عمل اسکو نقصان نہیں پہنچا سکتا - ( اخرجه الترمذي و الحاكم ايضاً من حديث عبد الرحمن بن حباب نحوه )

سبحان اللہ اس عمل عظیم کی برکت و بخشش ! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمل دفاع کیلیے اپنا مال و متاع قربان کرنا خدا و رسول کی

نظیر میں ایسا محبوب و محترم کام ہے ' جسکے بعد کوئی برائی بھی صاحب عمل کو نقصان نہیں پہنچا سکتی - کسی عمل کسی طاعت ' کسی عبادت کو بھی یہ فضیلت نصیب نہ ہوئی !

ترمذی میں ہے " من رابط لیلة فی سبیل اللہ ' کانت لہ کالف لیلة صیامہا و قیامہا " جس مسلمان نے ایک رات بھی جہاد کرتے ہوے دشمن کے انتظار میں کاٹی ' اسکے لیے ایسا اجر ہے ' گویا ہزار دنوں کا روزہ اور ہزار راتوں کی عبادت !

اور فرمایا " مقام احدکم فی سبیل اللہ خیر من عبادة احد کم فی اهلہ ستین سنة " ( ترمذی ) ساتھہ برس تک اپنے گھر میں عبادت کرنے سے بھی یہ افضل ہے کہ جہاد کے میدان میں کھڑے نظر آؤ -

اور فرمایا " حرس لیلة فی سبیل اللہ ' افضل لہ من الف لیلة ' یقام لیلها و یصام نہارها " ( رواہ احمد ) جہاد کی ایک رات اس سے افضل ہے کہ ہزار راتیں عبادت میں اور ہزار دن روزہ میں بسر کیے جائیں !

اور فرمایا " حرمت النار علی عین دمعت من خشیة اللہ ' و حرمت النار علی عین سہرت فی سبیل اللہ " ( ایضاً ) جو آنکھہ اللہ کے خوف سے اشکبار ہوئی ' یا جہاد میں کام کرتے ہوے جاگی ' اسپر دوزخ کی آگ حرام ہے !

ایک شخص نے پوچھا - یا رسول اللہ ! کوئی ایسا عمل بتلادیجیے کہ مجاہدین کا ثواب حاصل ہو - فرمایا " هل تستطیع ان تصلی فلا تفتر ' و تصوم فلا تفطر ؟ " اسکی طاقت رکھتے ہو کہ برابر نماز پڑھتے رہو اور قضا نہو ' برابر روزہ رکھتے رہو ' اور کبھی بیچ میں افطار نہ کرو ؟ عرض کیا " انا اضعف من ان استطیع ذلک " یہ تو میری طاقت سے باہر ہے - فرمایا " فو الذی نفسی بیدہ ! لو طوقت ذلک ' ما بلغت فضل المجاهدین فی سبیل اللہ - اما علمت ان فرس المجاهد لیستن فی طولہ فیکتب لہ بذلک الحسنات ؟ " خدا کی قسم ! اگر تم ایسا کرنے کی طاقت بھی رکھتے اور کر دکھاتے ' جب بھی اُن لوگوں کی فضیلت کہاں پاسکتے تھے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں ؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ مجاہد کا گھوڑا لگام میں اُچھلتا ہے تو اسکے لیے بھی اسکے نامۂ اعمال میں نیکیاں درج ہوتی رہتی ہیں ؟ ( رواہ احمد ' و ایضاً رواہ البخاری باختلاف یسیر )

بخاری و مسلم میں ہے - کسی نے حضور سے پوچھا کہ - " ما یعدل الجہاد فی سبیل اللہ ؟ " کونسا کام ہے جو جہاد کے برابر درجہ و فضیلت رکھتا ہو؟ آپ نے فرمایا " لا تستطیعونہ " تم اسکی طاقت نہیں رکھتے - یعنی کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو جہاد کے برابر درجہ رکھتا ہو اور تم کرسکو - پھر فرمایا " مثل المجاہد کمثل الصائم القائم القانت بآیات اللہ لا یفتر عن صلاتہ و لا صیامہ حتی یرجع"

اور فرمایا " من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ ساعۃ من نہار فہما حرام علی النار" ( رواہ احمد ) جس کے پاؤں اللہ کی راہ میں ایک گھنٹہ کیلیے بھی گرد آلود ہوے ' دوزخ کی آگ اُن قدموں پر حرام ہے -

امام بخاری نے اسی حدیث کو یوں روایت کیا ہے " ما اغبرت ( و فی روایۃ المستملی " اغبرتا " با التثنیہ ) قدما عبد فی سبیل اللہ فتمسہ النار" ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس بندے کے پانوں جہـــاد کی راہ میں غبار آلود ہوے ہوں ' اُن کو جہنم کی آگ بھی چھو سکے - حافظ عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں - اس حدیث سے جہاد فی سبیل اللہ کی عظمت و فضیلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے - جب صرف غبار راہ سے قدموں کا آلودہ ہونا اتنا بڑا اجر رکھتا ہے کہ جہنم کی آگ اُن پر حرام ہوجاتی ہے ' تو جو خوش نصیب جہاد و دفاع میں کمال سعی و تدبیر کرے اور اپنی جان اور مال کو اس کے لیے وقف کردے ' اس کے اجر و ثواب کا کیا حال ہوگا ؟ اور کون ہے جو اس کا اندازہ لگا سکتا ہے ؟ و اللہ یضاعف لمن یشاء -

اور فرمایا " ما من میت یموت الا ختم عملہ ' الا من مات مرابطا فی سبیل اللہ ' فانہ ینمو لہ عملہ الی یوم القیامۃ و امن من فتنۃ القبر" ( رواہ اصحاب السنن ) کوئی ایسی موت نہیں جسکے ساتھہ اعمال کا سلسلہ بھی ختم نہ ہو جاتا ہو ' الا وہ شخص کہ جہاد کی راہ میں دشمن کے حملے کا انتظار کرتا ہوا دنیا سے گیا - سو اُسکا عمل ایسا ہے جو مرنے کے بعد بھی قیامت تک بڑھتا رہیگا -

یعنی عمل جہاد بھی حسنات جاریہ میں سے ہے - حسنات جاریہ بموجب نص حدیث مسلم تین ہیں - اولاد صالح' علم نافع' اوقاف و تعمیرات خیریہ - مثلاً مساجد و مدارس وغیرہ جو بعد کو باقی رہیں - اس حدیث اور اسکی ہم معنی احادیث سے معلوم ہوا کہ جہاد کا ہر کام بھی اسی قسم میں داخل

ہے - علت اسکی بالکل واضح ہے - عمل جہاد کی بنیاد ھی یہ ہے کہ اپنے بعد کے زمانے اور آنے والی نسلوں کی حفاظت و سعادت کیلئے اپنا وجود قربان کردیا جائے - پس کوئی عمل نہیں جو اس سے زیادہ سچی اور بے لاگ انسانی خدمت اور نوع پرستی کے جذبات رکھتا ھو - اور اسی لئے ضروری ہوا کہ اسکا اجر بھی وقتی نہو' دائمی ھو - عمل کا اجر تو عمل کے نتائج پر موقوف ھے - جب نتائج بعد کے زمانوں اور نسلوں کو ملینگے' تو صاحب عمل کا اجر بھی فوراً کیوں منقطع ھو جائے ؟

اس حدیث میں " مرابطاً فی سبیـــل اللـــه " کا لفـــظ آیا ھے - اور دوسری حـــدیثوں میں بھی جـــا بجا " رباط " کا لفـــظ وارد ھے - " رباط " سے مقصـــود یہ ھے کہ کسی مقام میں ٹھہر کر دشمن کے حملـــه کا انتظار کرنا - تاکہ جب دشمن آجائے تو اللہ کی راہ میں مقابلہ کیا جائے - نہایہ میں ھے " هو الاقامة فی مکان یتوقع هجوم العدو فیه لقصد دفعه لله " پس " مرابطا فی سبیل اللہ " کا مطلب یہ ھوا کہ اگر لڑکر شہید ہونے کا موقعہ نہیں ملا' اور حملہ کے انتظـــار ھی میں موت آگئی' جب بھی اسکا اجر مرنے کے بعد برابر بڑھتا رھیگا - اور وہ ہزار دنوں کے روزہ و نماز سے بھی افضل ھے ! اسی بنا پر امام بخاری و امام نووی وغیرهما نے فضل الرباط فی سبیل اللہ کا باب باندھا ھے -

قرآن بھی ھر جگہ اور بار بار یہی کہتا ھے :

| | |
|---|---|
| الذین آمنوا و ھاجروا و جاھدوا فی سبیـــل اللہ باموالهـــم و انفسهم' اعظم درجة عند اللہ و اولائـــک ھم الفـــائـــزون - یبشر ھم ربھم برحمـــة منـــه و رضوان و جنات لھم فیھا نعیم مقیم - خالـــدین فیھا ابدا - ان اللہ عنـــده اجر عظیـــم ! ( ۹ : ۲۳ ) | جو لوگ ایمان لائے' حق کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا' اپنی جان و مال سے جہاد کیا' سو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ اور اونچا درجہ انھی کا ھے - یہی لوگ ھیں کہ دنیا اور آخرة میں کامیاب ھونگے - اللہ کی طرف سے انکے لیے بشارت ھے - اسکی رحمت' اسکی محبت' بہشتی زندگی کی نعمتیں' اور انکی دائمی اور ھمیشگی' سب کچھ انہی کیلیے ھے - |

جو لوگ خود اپنی ذات سے جہاد و دفاع میں حصہ نہ لے سکیں مگر مجاھدین کو اپنے مال و متاع سے مدد پہنچائیں' تا اور کسی طرح کی

خدمت انجام دیں، تو اگرچہ وہ مجاہدین کا اجر و ثواب نہیں پا سکتے، لیکن اُن کے لیے بھی اجر ہے، اور ساری عبادتوں اور طاعتوں سے بڑھکر اجر ہے -

ابن ماجہ میں ہے "من ارسل بنفقة في سبيل الله و اقام في بيته فله بكل درهم سبع مائة درهم، ومن غزا بنفسه في سبيل الله و انفق في وجهه ذلك، فله بكل درهم سبع مائة الف درهم - ثم تلا هذه الآية - والله يضاعف لمن يشاء" یعنی جو مسلمان اپنے وقتوں میں گھر سے نہ نکلا، صرف اپنے روپیہ سے جہاد میں مدد دی، تو اسکو ہر ایک روپیہ کے بدلے سات سو روپیوں کا اجر ملیگا - یعنے اس انفاق میں سات سو درجہ زیادہ اجر ہے - اور جس نے روپیہ بھی لگایا اور خود بھی شریک کارزار ہوا، تو اسکے لیے سات ہزار درجہ زیادہ اجر ہے - پھر آپنے یہ آیت پڑھی " الله جس کسی کا اجر و ثواب چاہتا ہے دوگنا کردیتا ہے "

اور امام بخاری نے باب باندھا ہے " فضل من جهز غازيا " اسمیں زید بن خالد کی حدیث لائے ہیں " من جهز غازيا في سبيل الله فقد غزا و من خلف غازيا في سبيل الله بخير فقد غزا " یعنی جس شخص نے مجاہد و غازی کے سامان کا انتظام کردیا تو گویا اُس نے خود جہاد کیا - اور جس نے اُسکے پیچھے اُسکے کاموں کی دیکھہ بھال کی تو اسکے لیے بھی ایسا ہی اجر ہے !

اسلام نے حقوق العباد پر جسقدر زور دیا ہے، معلوم ہے - علی الخصوص والدین اور اقرباء کے حقوق کہ ساری نیکیوں اور ہر طرح کی عبادتوں سے مقدم ٹھہرائے گئے - لیکن صرف یہی وہ عمل عظیم ہے جسکے لیے یہ حقوق بھی ترک نہیں ہوسکتے - امت اور شریعت کی حفاظت ہی پر تمام افراد کی حفاظت موقوف ہے - پس اگر امت دشمنوں کے نرغہ میں ہے، تو نیکی کا سب سے بڑا کام جو زمین پر ہوسکتا ہے مسلمانوں کے سامنے آگیا - اب اس بڑے کام کے لیے سارے چھوٹے کام چھوڑ دینے چاہئیں - ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی، بچے، رشتے ناتے، اپنی اپنی جگہہ سب حق ہیں - سب کا حق ادا کرنا چاہیے - لیکن خدا اور اسکی سچائی کا حق سب سے بڑا حق ہے - اُسکے رشتہ کے سامنے سارے رشتے ہیچ ہیں - پس اگر اُسکے کام کا وقت آگیا تو سب کو اُسکی خاطر چھوڑ دینا پڑیگا :

قل ان كان آباؤكم، و ابناؤكم، و اخوانكم، و ازواجكم، و عشيرتكم، و اموال اقترفتموها، و تجارة تخشون كسادها، و مساكن ترضونها، احب اليكم من الله و رسوله و جهاد في سبيله فتربصوا حتى ياتي الله بامره و الله لا يهدي القوم الفاسقين - ( ٩ : ٢٥ )

مسلمانوں سے کہدو کہ تمہارے والدین، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان اور اسکے تمام رشتے، یہ مال و متاع جو تم نے کمایا ہے، یہ کاروبار و تجارت جسکے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو، یہ تمہارے رہنے کے محل جن میں تمہارا دل اٹکا ہوا ہے، اگر تمہیں اللہ اور اسکے رسول اور اسکی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں، اور تمہارے پاؤں ان زنجیروں میں ایسے بندھگئے ہیں کہ اللہ کی پکار بھی اُنہیں نہیں ہلا سکتی، تو جان لو کہ اللہ کا کام بھی تمہارا محتاج نہیں - نتائج کا انتظار کرو - یہانتک کہ اللہ کو جو کچھہ کرنا منظور ہے کر دکھائے - اللہ کا قانون ہے کہ وہ نافرمانوں پر کامیابی کی راہ نہیں کھولتا !

اگرچہ عمل کے اعتبار سے اس فرض کی تعمیل اُس وقت لازم سے لازم ہوجاتی ہے جب حملۂ اعداء کی وجہ سے خاص طور پر ضرورت پیش آجاے، لیکن عزم و استعداد کے لحاظ سے یہ حکم کسی خاص وقت میں محدود نہیں - ہمیشہ اور ہر حال میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ دفاع اعداء کیلیے طیار رہیں اور طیاری کرتے رہیں - اوپر حدیث گزرچکی ہے کہ جو دل اس کے عزم و طلب سے خالی ہوا، اُس پر ایمان کی جگہ نفاق کا قبضہ ہوگیا :

و اعدوا لهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخيل ترهبون به عدو الله و عدوكم و آخرين من دونهم لا تعلمونهم ( ٨ : ٦٠ )

جسقدر بھی تم سے ممکن ہو، دشمنوں کے مقابلے کیلیے اپنی قوت اور ساز و سامان سے طیار رہو - تا کہ تمہاری مستعدی دیکھکر اللہ اور اُسکی اُمت کے دشمنوں پر خوف اور رعب چھا جاے - تم پر حملہ کرنے کی کو جرأت ہی نہو -



# فصل

( عہد نبوت کا ایک واقعہ )

یہ قرآن و سنت کے احکام ہیں - اب دیکھیں ' صاحب شریعت کا اس بارے میں میں طرز عمل کیا رہا ہے ؟

ہجرۃ کے نویں سال آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ رومیوں کی فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھی ہو رہی ہے - یہ سنکر آپنے بھی طیاری کا حکم دیدیا' اور دس ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے کوچ کردیا - چونکہ یہ فوج بڑی ہی تنگدستی اور بے سر و سامانی کے حال میں نکلی تھی - اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں صرف ایک سواری آئی تھی - جنگل کے پتے کھا کر لوگوں نے گزارہ کیا تھا ' اس لیے اس فوج کا نام " جیش العسرۃ " مشہور ہوا - الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ ( ۹۹ : ۱۱۹ )

آج تم خدا اور اُس کے ایمان کی جگہ لوہے اور گندھک کے سامان و اسلحہ کی پرستش کر رہے ہو - لیکن ایک وقت وہ بھی تھا ' جب بے سر و سامان مسلمانوں کی یہ بھوکی فوج نکلی تھی ' تا کہ کرۂ ارضی کی سب سے بڑی متمدن قوم یعنی رومیوں سے مقابلہ کرے !

حضرۃ ابوبکر ( رض ) نے اسی دفاع کیلیے اپنا تمام مال و متاع پیش کردیا تھا - جب آنسے پوچھا گیا " ما ابقیت لاھلک " اپنے بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ آے ہو؟ تو اس پیکر ایمان و مجسمۂ عشق حق نے جواب دیا تھا " ابقیت لھم اللہ و رسولہ " ! اللہ اور اُس کے رسول کو !

آنکس کہ ترا بشناخت ' جانرا چہ کند ؟
فرزند و عیــال و خانمان را چہ کند ؟
دیوانہ کنی هــر دو جهــانش بخشی
دیوانۂ تو هر دو جهــان را چہ کنــد ؟

تبوک نامی مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا مسلمانوں کی دلیرانہ طیاریوں کا حال سنکر رومیوں کے حوصلے پست ہوگئے اور فوجیں منتشر کردی گئیں - آنحضرت نے ایک ماہ قیام فرمایا اور پھر مدینہ واپس آگئے -

اس وداع میں بجز منافقین کے تمام مسلمان شریک ہوئے تھے - صرف تین شخص نہ جاسکے - کعب بن مالک - ہلال بن امیہ - مرارہ بن ربیع - کعب بن مالک سابقین انصار میں سے ہیں ' اور ان ۷۳ سابقین مخلصین میں سے جو عقبہ کی بیعت میں حاضر ہوئے تھے - انکے ایمان و اخلاص میں کیا شبہہ ہوسکتا ہے ؟ انکا شریک نہ ہونا کسی بری نیت سے نہ تھا - سستی اور کاہلی سے آج کل کرتے رہے اور فوج کے ساتھہ ملنے کا موقعہ نکل گیا -

با ایں ہمہ یہ معاملہ اللہ اور اسکے رسول کی نظروں میں اس درجہ اہم ہے کہ انکی سستی اور کاہلی بھی ایک سخت جرم قرار پائی - معذرت کرنے کیلیے حاضر ہوئے تو توبہ قبول نہ ہوئی - حکم ہوا کہ گھر میں بیٹھو اور فیصلۂ وحی کا انتظار کرو - مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تمام تعلقات ان سے ترک کردیں - نہ کوئی بات چیت کرے - نہ ملے جلے - نہ اور کسی طرح کا واسطہ رکھے - پھر انکی بی بیوں کو حکم ملا کہ وہ بھی الگ ہوجائیں اور کوئی واسطہ نہ رکھیں - امام بخاری نے ایک طول طویل روایت خود حضرۃ کعب بن مالک کی زبانی نقل کی ہے اور اس واقعہ کیلیے خاص باب باندھا ہے - کعب کہتے ہیں - ہمارا یہ حال ہوگیا تھا کہ سارا مدینہ انسانوں سے بھرا تھا ' مگر ہمارے لیے نہ ایک آنکھہ دیکھنے والی تھی نہ ایک زبان بات کرنے والی - خود عزیز و اقارب نے ملنا جلنا ترک کردیا تھا - حسرت سے ایک ایک کا منہ تکتے اور دیواروں کی طرح پھرتے تھے - ایک دن اپنے چچیرے بھائی ابو قتادہ کے یہاں گیا - مجھے دیکھتے ہی منہ دوسرے طرف پھرا لیا - سلام کیا تو جواب نہ ملا -

اللہ اللہ ! کیا مسلمان تھے کہ انکا رشتہ تھا تو اللہ اور اسکے رسول کا رشتہ - زندگی تھی تو صرف اسی کے حکم پر ! الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی مجسم تصویر تھے !

غسان کے عیسائی بادشاہ نے یہ حال سنا تو خوش ہوا کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کا اچھا موقعہ نکل آیا ہے - کعب کے نام اس مضمون کا خط لکھکر بھیجا کہ تمھارے آقا نے تمھاری ساری عمر کی خدمتوں کا جو معارضہ دیا ہے وہ دیکھہ چکے ہو - اب میرے پاس چلے آؤ - دیکھو یہاں تمھاری کیسی عزت ہوتی ہے ؟ کعب بن مالک کو خط ملا تو ایلچی کے سامنے آگ میں جھونک دیا اور کہا جواب میں کہدینا - ہم نے جس آقا کی چوکھٹ پر سر

رکھا ہے، اسکی گدڑیوں اور درویشوں کا حال تمہیں کیا معلوم؟ تمہاری سے تغافل بھی دوسروں کی محبت و عزت سے ہزار درجہ زیادہ عزیز و محبوب ہے:

اے جفا ہائے تو خوشتر ز وفائے دگراں

ان مومنین صادقین کی یہ آزمائش پورے پچاس دن تک جاری رہی۔ بالآخر اللہ تعالی نے توبہ قبول فرمائی اور سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

وعلى الثلثة الذين خلفوا حتى اذا ضاقت عليهم الارض بما رحبت وضاقت عليهم انفسهم وظنوا ان لا ملجأ من الله الا اليه ثم تاب عليهم ليتوبوا - ان الله هو التواب الرحيم ' ( ٩ ١٢٠ )

اور وہ تین آدمی جنکا معاملہ پیچھے ہی کیلئے ملتوی کر دیا گیا تھا، اور جب انکا یہ حال ہوا کہ تمام مسلمانوں نے انکو چھوڑ دیا، زمین باوجود اپنی وسعت کے ان پر تنگ ہوگئی، اپنی زندگی سے بیزار ہوگئے اور انہوں نے دیکھ لیا کہ اللہ سے پناہ نہیں ہے مگر صرف اسی کی طرف، تو پھر اللہ نے انکی توبہ قبول کرلی - یقینا اللہ ہی ہے جو توبہ قبول کرنا اور خطا کاروں کیلیے مہربانی رکھتا ہے۔

حضرۃ کعب کو جب قبولیت توبہ کی بشارت ملی تو بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور اپنا سارا مال و متاع شکرانۂ قبولیت میں لٹا دینا چاہا -

اس واقعہ میں متعدد باتیں قابل غور ہیں:

( ١ ) رومیوں نے حملے کی طیاریاں کیں تو اسلام و امت کی حفاظت کیلیے دفاع کرنا ہر مسلمان پر فرض ہوگیا - موسم سخت گرمی کا تھا - سفر دور دراز کا - بے سروسامانی حد درجہ کی - مقابلہ اس حکومت سے جو نصف دنیا پر حکمراں تھی - حجاز میں فصل پک چکی تھی اور کٹائی کا اصلی وقت تھا - یہی فصل ملک کیلیے سال بھر کی خوراک تھی - اگر مشکلوں اور مجبوریوں کے عذر سنے جاسکتے ہیں تو ان حالات سے بڑھکر اور کون سے حالات عذر داری کے لیے مناسب ہوسکتے ہیں؟ مگر دفاع کا فرض ایسا سخت اور اٹل ہے کہ نہ کوئی عذر سنا گیا، نہ کوئی مشکل رکاوٹ ہوسکی - حکم ہوا کہ سب کچھ چھوڑ دو - ساری مصیبتیں جھیل لو - مگر دشمنوں کو روکنے کے لیے نکل کھڑے ہو - سورۂ توبہ میں اس کا بڑا ہی عبرت انگیز تذکرہ ہے - یہ موقعہ تفصیل کا نہیں - قالوا لا تنفروا في الحر - قل نار جهنم اشد حرا لو كانوا يفقهون ( ٩ : ٨٣ )

( ۲ ) یہ تینوں مسلمان جو شرکت دفاع سے رہگئے ' صحابہ میں مومنین میں سے تھے - انکی زندگیاں اسلام کی بے شمار خدمتوں اور جان نثاریوں میں بسر ہوئی تھیں - عبادتوں اور نیکیوں کا کیا پوچھنا کہ شب و روز اللہ کے رسول کے ساتھ تربیت میں رہتے تھے ' انہی کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے ' انہی کے ساتھ روزے رکھتے تھے - صحابہ کے ایک ادنی فرد کی عبادت کا مقابلہ ہم اپنی پوری نسلوں اور قوموں کی عبادت گزاریاں پیش کرکے بھی نہیں کرسکتے - حضرت کعب بن مالک سابقون الاولون میں سے ہیں - جب اسلام کا کوئی ساتھی نہ تھا تو مدینہ کے انصار نے ساتھ دیا - عقبہ کی بیعت ثانیہ میں ۷۳ جان نثاروں نے بیعت کی تھی - یہ انہی عشاق اسلام میں سے ہیں - خود کہتے ہیں کہ کسی اسلامی خدمت میں دوسروں سے پیچھے نہ رہا - ہر جنگ میں شرکت کی - ہر موقعہ پر جان و مال نثار کیا - اس دفاع کی شرکت سے بھی جو رہگئے ' تو دل کی کمزوری اور نیت کے فساد کی وجہ سے نہیں - چلنے کا پورا سامان کرلیا تھا - صرف یہ قصور ہوا کہ سستی اور کاہلی کی - پوری طرح مستعدی سے کام نہ لیا - تاہم دیکھو ' یہ سستی اور کاہلی بھی خدا کے حضور کیسا بڑا جرم قرار پائی کہ نہ تو کوئی پچھلی خدمت آڑے آ سکی ' نہ مدۃ العمر کی نیکیوں اور عبادتوں ہی نے کچھہ کام دیا - نہ کوئی بزرگی اور بڑائی اس معاملہ میں شفیع ہو سکی - نہ ایک ایسے پکے اور پرکھے ہوے مخلص مسلمان کیلیے عذر و معذرت کی گنجائش نکل سکی - سخت سے سخت سزا جو دی جاسکتی تھی ' دی گئی - مسلمانوں سے اسلامی برادری کا رشتہ توڑ دیا گیا - پچاس دنوں کیلیے جماعت سے باہر کردیے گئے - یہ سارا زمانہ گریۂ و زاری اور عبادت و استغفار میں بسر ہوا - تب کہیں جاکر توبہ قبول کی گئی -

( ۳ ) اسلام کے احکام کا قبولیت توبہ کے بارے میں جو حال ہے ' معلوم ہے - خدا کا دروازۂ رحمت کسی آنے والے کا اتنا انتظار نہیں کرتا ' جسقدر اس مضطرب روح کا ' جو توبہ کیلیے اسکی طرف بڑھے - " لو اخطاتم حتی تملاء خطایاکم ما بین السماء و الارض ' ثم استغفرتم ' اللہ یغفر لکم " ( رواہ مسلم عن ابی ہریرہ ) اگر تم نے اتنے گناہ کیے ہوں کہ زمین و آسمان کا فاصلہ انسے بھر دیا جاسکے ' پھر بھی توبہ کا آنسو بہاتے ہوے آؤ تو دروازہ

مغفرت کہاں پاؤگے - الآن دیکھو امت کی حالت و معاملت سے غفلت کرنا اللہ کی نظروں میں کیسا سخت جرم ہے کہ یکایک توبہ بھی قبول نہوئی - تینوں صحابی آنکی واپسی کے بعد پہلی ہی صحبت میں عفو تقصیر کیلیے حاضر ہوگئے تھے ، مگر حکم تھا کہ ابھی نہیں - انتظار کرو - پچاس دن سزائے عقوبت کے گذر چکے تب کہیں جاکر توبہ قبول ہوئی ،

(۴) جب ان لوگوں کا یہ حال ہوا کہ جن کا ایمان مسلم ، اور نیکیاں انکی بیشمار - جن کے بستر حرب کے جبر و ثبات کا بھی ہماری نظریں عاجز ہیں ، جنکا پتہ نہیں کرسکتیں ، تو خدارا بتلاؤ ، ہم بدنصیبوں اور سیہ کاروں کا کیا حشر ہوگا کہ نہ ایمان کی دولت ساتھ ہے نہ طاعت و حسنات کی پونجی دامن میں - زندگی یکسر برباد غفلت و معصیت ، اور عمریں یکقلم تاراج نفس پرستی و نافرمانی - وہاں عزم و ایمان کے ساتھ سہو و نسیان تھا مگر عذر قبول نہ ہوا - یہاں اعراض و نفاق کے ساتھ صریح نافرمانی و انکار ہے اور پھر نہ ندامت ہے نہ توبۂ و انابت ، انکے ساتھ سب کچھ تھا اور کام نہ آیا - ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے - پھر کیا ہے جس نے آنے والے دن کی طرف سے بے فکر کردیا ہے اور ہمارے غافل دلوں پر بدبختی کی موت چھا گئی ہے ؟ بتلاؤ زمین و آسمان میں کون ہے جو اس دن ہمیں بچا سکیگا جب خدا کے غضب کا بے پناہ ہاتھ ہماری طرف بڑھیگا ؟ یقول الانسان یومئذ این المفر ؟

# فصل

## ( ایک عام غلط فہمی )

البتہ یاد رہے کہ " جہاد " کی حقیقت کی نسبت سخت سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں - بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنی صرف لڑنے کے ہیں - مخالفین اسلام بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے - حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی عملی وسعت کو بالکل محدود کردینا ہے -

" جہاد " کے معنی کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں - قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کمال درجہ سعی کو جو ذاتی اغراض کی جگہ حق پرستی

اور سچائی کی راہ میں کی جائے ' " جہاد " کے لفظ سے تعبیر کیا ہے - یہ سعی زبان سے بھی ہے ' مال سے بھی ہے ' انفاق وقت و عمر سے بھی ہے ' محنت و تکالیف برداشت کرنے سے بھی ہے ' اور دشمنوں کے مقابلے میں لڑنے اور اپنا خون بہانے سے بھی ہے - جس سعی کی ضرورت ہو ' اور جو سعی جسکے امکان میں ہو ' اسپر فرض ہے ' اور جہاد فی سبیل اللہ میں لغۃ و شرع ' دونوں اعتبار سے داخل - یہ بات نہیں ہے کہ " جہاد " سے مقصود مجرد لڑائی ہی ہو - اگر ایسا ہوتا تو جہاد کا اطلاق اعمال قلبی و لسانی پر نہ ہوتا - حالانکہ کتاب و سنت ایسے اطلاقات سے لبریز ہیں - شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول صاحب اقناع نے نقل کیا ہے جو حقیقت جہاد کے بارے میں قول فیصل و جامع ہے " الامر بالجهـــاد منه ما يكون بالقلب ' كالعزم عليـــه ' ومنه ما يكون باللسان كالدعوة الى الاسلام والحجة و البيان ' و الراي و التدبير في ما فيه نفع المسلمين - و بالبدن - اي القتال بنفسه - فيجب الجهاد بغاية ما يمكنه من هذه الامور " ( جلد - ۱ - ۳۵۶ )

دشمنوں کی فوج سے خاص وقت ہی میں مقابلہ ہوسکتا ہے ' لیکن ایک مومن انسان اپنی ساری زندگی اور زندگی کی ہر صبح و شام جہاد حق میں بسر کرتا ہے - مشہور حدیث ہے " المجاهد من جاهد نفسه في ذات الله ' و المهاجر من هجر ما نهى الله عنه "

سورۂ فرقان میں ہے فلا تطع الكافرين وجاهدهم به جهاداً كبيرا ( ۲۵ : ۵۵ ) یعنی کفار کے مقابلہ میں بڑے سے بڑا جہاد کرو - سورۂ فرقان بالاتفاق مکی ہے ' اور معلوم ہے کہ جہاد بالسیف یعنی لڑائی کا حکم ہجرۃ مدینہ کے بعد ہوا - پس غور کرنا چاہیے کہ مکی زندگی میں کونسا جہاد تھا جس کا اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے ؟ جہاد بالسیف تو ہو نہیں سکتا - یقیناً وہ حق کی استقامت اور اسکی راہ میں تمام مصیبتیں اور شدتیں جھیل لینے کا جہاد تھا - مکی زندگی میں جس طرح یہ جہاد جاری رہا ' سب کو معلوم ہے - حق کی راہ میں دنیا کی کسی جماعت نے ایسی تکلیفیں اور مصیبتیں نہ اٹھائی ہونگی ' جیسی اللہ کے رسول اور اسکے ساتھیوں نے مکی زندگی میں برداشت کیں - اسی پر جہاد کبیر کا اطلاق ہوا -

اسی طرح منافقوں کے ساتھ بھی جہاد کرنے کا حکم دیا گیا - جاهد الكفار و المنافقين و اغلظ عليهم ( ۹ : ۷۳ ) حالانکہ منافق تو خود اسلام کے ماتحت مقہورانہ و محکومانہ زندگی بسر کر رہے تھے - انسے جنگ و قتال کی ضرورت

ھی نہ تھی' اور نہ اُن سے کبھی جنگ کی گئی - سو یہ جہاد بھی تبلیغ حق و اتمام حجۃ و مقاومۃ فساد کا جہاد تھا جو قلب و زبان سے تعلق رکھتا ھے -

بخاری و ابن ماجہ میں ھے - حضرۃ عائشہ نے پوچھا " علی النساء جہاد؟ " کیا عورتوں کیلیے بھی جہاد ھے ؟ فرمایا " نعم جہاد ' لا قتال فیہ - الحج و العمرۃ " ھاں ' جہاد ھے مگر جسمیں لڑنا نہیں ھے - حج اور عمرہ - اس حدیث میں اُس سعی اور ترک وطن کی مصیبت کو جو حج و عمرہ میں پیش آتی ھے' عورتوں کیلیے جہاد فرمایا ' اور کہا ایسا جہاد جسمیں لڑائی نہیں - اس سے معلوم ھوا کہ لڑائی کے الگ کردینے کے بعد بھی حقیقت " جہاد " باقی رھتی ھے -

اگر اُمت کیلیے دفاع و جنگ کا وقت آگیا ' یا کسی جماعت مفسدین ارض پر امام نے حملہ کیا ' تو ایسے وقتوں میں بھی صرف نفس جنگ ھی نہیں بلکہ سعی و کوشش کی ساري باتیں شریعت کے نزدیک جہاد ھیں - جسکي طاقت میں جنگ کرنا نہیں ھے اور اُس نے مال دیا تو وہ بھی مجاھد ھے - جس نے زبان سے دعوۃ و تبلیغ کي وہ بھی مجاھد ھے - جس نے اس راہ میں اور کسی طرح کي تکلیف و مصیبت اُٹھائی ' وہ بھی مجاھد ھے - البتہ ایسے وقتوں میں اگر کوئی مسلمان لڑائی کی طاقت رکھتا ھے اور اس سے پہلو تہی کرے ' تو اُسکا کوئی عذر نہیں سنا جائیگا - اسکا شمار مومنوں کي جگہ منافقوں میں ھوگا - جو مال دیسکتا ھے اور نہ دیا ' تو وہ بھی ایمان و اخلاص کي زندگي سے نکل گیا - زمین پرگو مسلمان کہلاے پر اللہ کے حضور منافق کہلائیگا - جس شخص کی زبان اعلان حق اور دعوۃ الی الجہاد میں کھل سکتي ھے مگر نہ کھلی ' اُس نے بھی ایمان چھوڑکر نفاق کی راہ اختیار کرلی - گو شیطان حیل اور نفس خادع اسکو ھزاروں فریب دیتا رھے - ترمذي اور ابو داؤد میں ھے - " افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جایر " سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والا جہاد وہ کلمۂ حق ھے جو شاھان جور و ظلم کے سامنے بےباکانہ کہا جاے -

اور پھر ان سب سے بالاتر مرتبہ اُن مجاھدین کاملین اور اصحاب عزیمۃ عمل کا ھے' جنکی زندگي سرتا سر جہاد في سبیل اللہ ' اور جنکا وجود یکسر خدمت حق ' و شیفتگي صدق ' و عشق دعوۃ ھے - جو اس عمل مقدس کیلیے کسي خاص صداے نفیر اور اعلان وقت کے منتظر نہیں رھتے - بلکہ ھر صبح جو اُنپر آتی ھے' جہاد في سبیل اللہ کي صبح ھوتی ھے' اور ھر شام

کي تاریکی جو اُنپر پهیلتي هے ' وہ اسي راہ کی شام هونی هے - اُنکی زندگی بھر کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جو جہاد کے مرتبۂ علیا و فضیلۃ عظمی کے اجر و ثواب سے خالی هو-

کائنات هستی کے هر عمل کی طرح یہ عمل بھی تین عنصروں سے مرکب هے - دل ' زبان ' اعضاؤ جوارح - سو اُنکا دل همیشه عشق حق اور عزم مقصد کي آتش شوق میں پهکتا رهتا هے - انکی زبان همیشه اعلان حق ' و دعوۃ الی اللہ میں سرگرم رهتی هے - اُنکے هاتهہ اور اُنکے تمام جوارح کبھی اس راہ کی سعی و محنت سے نہیں تھکتے - اسکے بعد جہاد کا کونسا کام رهگیا جو انہوں نے نہیں کیا ؟ اور اس راہ کا کونسا مرتبہ رهگیا جو اُنہوں نے نہیں پایا ؟ و ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذوالفضل العظیم !

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو ملگیا
هر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں ؟

جہاد کی اس حقیقت کو سامنے رکھکر غور کرو ! انسانی اعمال کی کونسی برائی اور عظمت هے جو اسکے دائرہ سے باهر رهگئی ؟ اور نوع انسانی کی هدایت و سعادت کا کونسا عمل حق هے جو اسکے بغیر انجام پا سکتا هے ؟ پس یہی وجہ هے کہ شریعت نے اسکی اهمیت و فضیلت پر اسقدر زور دیا کہ ساري نیکیاں ساری عبادتیں اس سے پیچھے رهگئیں - سب کا حکم شاخوں کا هوا - جڑ یہي عمل قرار پایا - اس سے بڑھکر اور کیا دلیل فضیلت هوسکتی هے کہ خود اللہ کے رسول نے فرمایا : " والذي نفسی بیدہ ' لوددت انی اقتل في سبیل اللہ ثم احیا ' ثم اقتل ثم احیا ' ثم اقتل ثم احیا ' ثم اقتل " ( رواہ البخاري ) خدا کي قسم ! اگر ممکن هوتا تو میں یہ چاهتا کہ اللہ کي راہ میں قتل کیا جاؤں ' پھر زندہ هوں - پھر قتل کیا جاؤں ' پھر زندہ هوں - پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ هوں - پھر قتل کیا جاؤں - تاکہ اُسکي راہ میں جان دینے کي لذت و سعادت ایک هي مرتبہ میں ختم نہ هوجاے !

تمنت سلیمی ان نموت بحبها
و اهون شي عندنا ما تمنت !

# فصل

( احـــکام قطعـــۂ دفـــاع )

غرضکہ " دفاع " اسلام کے اُن بنیادی حکموں میں سے ہے ' جنکو ایک مسلمان مسلمان رهکر کبھی ترک نہیں کرسکتا - اگر ایک مسلمان کے دل میں رائی برابر بھی ایمان کی محبت باقی رهگئی ہے ' تو اُسکی طاقت سے باهر ہے کہ اللہ کی یہ صداے حق سنے ' اور اُس پا پا کانپ نہ اُٹھے .

یا ایہا الذین آمنوا ' ما لکم اذا قیـــل لکـــم انفـــروا فـــی سبیـــل اللـــہ ' اثاقلتـــم الـــی الارض ؟ ارضیتـــم بالحیـــاۃ الـــدنیا مـــن الاخـــرۃ ؟ فمـــا متاع الحـــیاۃ الـــدنیا فی الاخرۃ الا قلیـــل - ( ۹ : ۳۹ )

مسلمانو ! تمہیں کیا هوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے " اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو " تو تمہارے قدموں میں حرکت نہیں هوتی اور زمین پر ڈھیر ہوے جاتے ہو ؟ کیا تم نے آخرۃ چھوڑکر صرف دنیا هی کی زندگی پر قناعت کرلی ؟ اگر یہی بات ہے تو یاد رکھو ' جس زندگی پر ریجھے بیٹھے ہو ' وہ آخرۃ کے مقـــابلہ میں بالکل هی هیچ ہے !

اسکے بعد فرمایا

الا تنفروا ' یعذبکم عذاباً الیماً ویستـــبدل قوما غیـــرکم ' ولا تضـــروہ شیئا - واللہ علی کـــل شیئ قدیر ! ( ۹ : ۳۰ )

یاد رکھو ! اگر تم نے حکم الٰہی سے سرتابی کی ' اور وقت کے آنے پر بھی راہ حق میں کمربستہ نہوے ' تو اللہ نہایت هی سخت عذاب میں ڈالکر اسکی سزا دیگا ' اور تمہارے بدلے کسی دوسری قوم کو خدمت اسلام کیلیے کھڑا کردیگا - تم جہانتک دبے جاؤگے - کلمۂ حق تمہارا محتاج نہیں ہے - تم هی اپنی زندگی و نجات کیلیے اُسکے محتاج ہو !

اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت ' اُنکی حکومتوں کے مٹانے ' اور اُنکی آبادیوں اور شہروں کو آپسمیں بانٹ لینے کیلیے کفار ایک دوسرے کے ساتھی اور حامی هیں :

والذین کفـــروا بعضهـــم اولیـــاء بعـــض -

جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی تو وہ ایک دوسرے کے ساتھی اور مددگار هیں -

مسلمانوں کي مخالفت میں خزانوں کے خزانے خرچ کرڈالتے ھیں :

والذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ - جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کي ' وہ حق کی مخالفت میں اپنا مال خرچ کررہے ھیں-

پس مسلمانوں کي بھي سب سے بڑي اسلامي و ایماني خصلت یہ قرار پائي کہ :

والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض - ( ۹ : ۷۲ ) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں باھم ایک دوسرے کی رفیق اور مددگار ھیں !

اور اسی بنا پر مسلمانوں کا فرض ٹھہرا کہ اگر دنیا کے کسی ایک اسلامی حصہ پر غیر مسلم حملہ کریں اور وھاں کے مسلمان آنکے مقابلہ کی کافی قوت نہ رکھتے ھوں ' یا بالکل مغلوب و مقہور ھوگئے ھوں ' تو تمام دوسرے حصص عالم کے مسلمانوں پر فرض ھے کہ انکی یاوري و اعانت کیلیے اُسي طرح اُٹھہ کھڑے ھوں - جس طرح خود اپني آبادیوں کی حفاظت کیلیے اُٹھتے - اور اپني جان و مال سے اُسی طرح مدد دیں ' جس طرح خود اپنے گھر بار کي حفاظت کیلیے مدد دیدے -

یہ نہ کوئی نیا مذھبی اجتہاد ھے ' نہ کوئي پولیٹکل فتوی - تمام دنیا کے مسلمان فقہ و قوانین شریعت کی جو کتابیں صدیوں سے پڑھتے پڑھاتے آئے ھیں ' اور جو چھپی ھوئی بازاروں میں ھر جگہ ملتی ھیں ' اور جن پر خود ھندوستانی عدالتوں میں عمل کیا جارھا ھے ' اُن سب میں یہ احکام موجود ھیں - اسلامی دینیات کا کوئی طالب علم ایسا نہیں ملیگا جو ان حکموں سے بے خبر ھو - اور پھر ان سب کے اوپر مسلمانوں کي کتاب اللہ ھے جو اپنے ھر پارہ اور ھر سورہ کے اندر اس حکم کا اعلان اور اس قانون کي پکار تیرہ صدیوں سے بلند کررھي ھے - نوع انساني کی کامل بیس نسلیں گزر چکیں ' اور یہ احکام اپني یکساں ' غیر مبدل ' اٹل ' اور لا انتہا طاقت کے ساتھہ مسلمانوں کے دلوں پر حکمراني کررھے ھیں !

" جہاد " کي بہت سے قسموں میں سے ایک قسم " قتال " یعني لڑائي ھے - اور اُسکي بھي دو صورتیں ھیں - " ھجوم " اور " دفاع " - یعنی افنسو ( Offensive ) اور ڈیفنسو ( Defensive ) در اصل ھجوم کي بنیاد بھی دفاع ھي ھے - یعنے جب تک دنیا میں عالم گیر صلح و امن اور عام اخوت قائم نہ ھو جاے ' ضروري ھوا کہ حریف و مفسد قوتوں سے ھمیشہ

مقابلہ جاری رکھا جائے - اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو دشمن مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دینگے اور اسلام کی اشاعت اور اسکے مشن کی تبلیغ و تکمیل میں ہمیشہ مانع ہونگے-

فقہاء کی اصطلاح میں فرائض شرعیہ کی دو قسمیں ہیں - " کفایہ " اور " عین" - یہ وہی اعمال انسانی کی قدرتی تقسیم ہے جسکو " جماعتی فرائض " اور " شخصی فرائض " کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے - " فرض کفایۃ " سے مقصود وہ احکام ہیں جو بہ حیثیت جماعت و اجتماع قوم پر فرض ہیں - نہ کہ بہ حیثیت فرد و انفراد - یعنے ایسے فرائض جو مسلمان جماعتوں اور آبادیوں کے ذمے عائد کردیے گئے ہیں کہ انکا انتظام کردیں - پس انتظام ہوجانا چاہیے - یہ ضروری نہیں کہ ہر فرد بہ ذات خاص اس میں حصہ بھی لے- اگر ایک گروہ نے ایک وقت میں انجام دیدیا تو باقی مسلمانوں پر سے اسوقت ساقط ہوگیا - جیسے تجہیز و تکفین اموات اور نماز جنازہ - البتہ ایک مسلمان کیلیے عزیمۃ اسی میں ہوگی کہ اداء فرض کفایہ میں بھی شخصاً حصہ لے -

فروض کفایہ میں شریعت کا خطاب اشخاص سے نہیں ہے بلکہ جماعت سے ہے پس ہر مسلمان جماعت اور آبادی کو اسکا انتظام کر دینا چاہیے - جب انتظام ہوگیا تو اس آبادی کے بقیہ افراد پر اسکا و جوب باقی نہ رہیگا -

دوسری قسم " اعیان " کی ہے - یعنے وہ فرائض جنکی فرضیت جماعت پر نہیں بلکہ فرداً فرداً ہر مسلمان پر عائد ہوتی ہے - اور ایک کے کرنے سے دوسرا بري الذمہ نہیں ہو جاسکتـــا - جیسے پانچ وقت کي نماز ' روزہ ' زکوۃ ' حج -

شرعا قتال کي پہلي صورت ( یعنی ہجوم و مقابلہ کا دائمی سلسلہ ) فرض کفایہ ہے بحکم " و ما کان المومنون لینفروا کافۃ " - ضروری نہیں کہ بہ یک وقت ہر مسلمان اسمیں حصہ لے - ہر عہد اور ہر ملک میں مسلمانوں کی ایک جماعت ضرور ایسي ہونی چاہیے جو یہ فرض انجام دیتی رہے - اگر ایک جماعت انجام دے رہی ہے تو کافی ہے - جو مسلمان شریک ہوگا ' اسکے لیے بڑا اجر ہے - جو شریک نہ ہوگا ' اسکے لیے کوئي گناہ نہیں - صاحب ہدایہ ( جسکا انگریزي ترجمہ بھی ہوچکا ہے اور ہندوستاني عدالتوں میں محمڈن لا کي بنیادي کتاب ہے) لکھتے ہیں :

أ الجهاد فرض على الكفاية - اذا قام فريق من الناس سقط عن الباقين * وان لم يقم به احد أثم جميع الناس بتركه - لان الوجوب على الكل (كتاب السير)

جہاد فرض کفایہ ہے - جب مسلمانوں کی کوئی ایک جماعت اسکے لیے کھڑی ہوگئی، تو باقی مسلمانوں کیلیے واجب نہ رہا - لیکن اگر کوئی گروہ بھی اسکے لیے نہ اٹھا، تو پھر تمام مسلماں جہاد ترک کردینے کی وجہ سے گناهگار ہونگے - کیونکہ فرض پوری قوم پر ہے -

ایک جماعت سے کیا مقصود ہے ؟ تمام دنیا کے مسلمانوں کی مجموعی جماعت یا ہر ہر ملک اور اقلیم کی جماعت ؟ اسکی تشریح سعدی چلپی حاشیۂ ہدایہ میں کرتے ہیں

اقول لاینبغی ان یفهم منه ان الوجوب علی جمیع اهل الارض کافة حتی یسقط عن اهل الهند بقیام اهل الروم ، اذ لا یندفع بقیامهم الشر عن الهنود المسلمین - وان قوله تعالی قاتلوا الذین یلونکم من الکفار یدل علی ان الوجوب علی اهل کل قطر یقربون الکفار - ( مجموعۂ فتح القدیر - ۴ : ۲۸۰ )

ہدایہ کی عبارت کا یہ مطلب نہ سمجھا جاے کہ اگر ایک ملک کے مسلمانوں نے یہ فرض ادا کردیا تو دوسرے ملک کے مسلمانوں پر سے بھی ساقط ہوگیا - مثلاً اگر روم کے ترکوں نے جہاد قائم رکھا تو ہندوستان کے مسلمانوں پر سے ساقط ہوگیا - کیونکہ مقصود قیام جہاد سے یہ ہے کہ مسلمانوں پر سے دشمنوں کے حملوں اور شر کو دور کیا جاے - ظاہر ہے کہ مسلمانان روم کے جہاد کرنے سے مسلمانان ہند محفوظ نہیں ہو جاسکتے - وہ تو جبھی ہونگے جب خود اپنے ملک میں اسکا انتظام کریں - پس مطلب یہ ہے کہ ہر ملک کے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے - اگر اس ملک کے تمام مسلمانوں میں سے ایک جماعت یہ فرض انجام دیتی رہی، تو وہانکے بقیہ مسلمانوں پر سے ساقط ہوجائیگا - لیکن دوسرے ملکوں کے مسلمانوں پر فرضیت باقی رہیگی - قرآن میں ہے : قاتلوا الذین یلونکم من الکفار - اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان مسلمانوں پر جو دشمنوں سے قریب ہوں، قتال واجب ہے - انتہی -

اس سے واضح ہوگیا کہ اس فرض میں خطاب تمام مسلمانان عالم سے نہیں ہے بلکہ ہر جماعت اور ملک کے مسلمانوں سے ہے - اور علی الکفایہ ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تمام دنیاکے مسلمانوں میں سے کچھہ

مسلمان اسکو انجام دیتے رہیں مگر ہر ملک کے مسلمانوں میں سے اتنے مسلمانوں کو انجام دینا چاہئے جو حصول مقصد جہاد کیلئے کافی ہو - پس ایک ملک میں سلسلۂ جہاد کے قیام سے دوسرے ملک کے مسلمان بری الذمہ نہیں ہوسکتے تاوقتیکہ مستمر اسکا وجود باقی رکھیں اور بصورت ترک وقتی کے تمام مسلمان گنہ گار ہونگے - گذشتہ دو صدیوں سے مسلمانان عالم نے اس فرض شرعی کو فراموش کردیا ہے - اور صرف کسی ایک حصے کے مسلمانوں ھی کے ذمہ اس کو چھوڑ کر خود فارغ البال ہوکر بیٹھ رہے ہیں - اسی کا نتیجہ ہے کہ اعدائ حق کو صدیوں کی صدہا عروج و ظہور ملتے چل گئیں اور مسلمانوں کیلئے تمام کرۂ ارضی میں کوئی ایک گوشہ بھی امن و سکون کا باقی نہیں رہا

---

وما كان الله ليظلمهم ولكن كانوا انفسهم يظلمون '

اور فتح الباري میں ہے " هو فرض كفاية على المشهور ' الا ان تدعو الحاجة اليه " اسکے بعد کہا " وان جنس جهاد الكفار متعين على كل مسلم ' إما بيده ' وإما بلسانه ' وإما بماله ' وإما بقلبه " [ جلد ۶ ۲۸ ] یعنی جہاد کی یہ قسم فرض کفایہ ہے - باقی رہا نفس جہاد ' تو وہ ہر مسلمان پر فرض عین ہے ' کسی کیلیے ہاتھہ سے ' کسی کیلیے مال سے ' کسی کیلیے دل سے - یعنی جس وقت ایک گروہ ہاتھہ اور تلوار سے مشغول جہاد ہوگا تو بقیہ مسلمانوں پر دل اور زبان سے اُنکے لیے سعی و اعانت فرض ہوگی - اور مال و دولت والوں کا فرض ہوگا کہ مال سے مدد کریں -

اسی طرح اقناع میں ہے " هو فرض كفاية اذا قام به من يكفي سقط وجوبه عن غيرهم " ابن ادریس اُسکی شرح میں لکھتے ہیں " و معنى الكفاية في الجهاد ان ينهض اليه قوم يكفون في جهادهم ' إما ان يكونوا جندا لهم دوا وين او يكونوا اعدوا انفسهم له تبرعاً و تكون في الثغور من يدفع العدو عنها و يبعث في كل سنة جيشا يغيرون على العدو في بلادهم " ( جلد ۱ - ۶۵۱ )

یہ صورت تو اُس قتال کی ہے جسکی صورت حملۂ و ہجوم کی ہوگی ' دوسری قسم " دفاع " ہے - یعنی جب کوئی غیر مسلم جماعت مسلمانوں کی آبادیوں اور حکومتوں پر حملہ کا قصد کرے ' تو اُس حملۂ و تسلط کو ہر طرح مقابلہ کرکے روکنا ' اور اسلامی ملکوں اور آبادیوں کو غیر مسلموں کی حکومت اور ہر طرح کے قبضۂ و اثر سے محفوظ رکھنا -

به فرض کفایه نهیں ہے' بلکه بالاتفاق مثل نماز روزہ کے ہر مسلمان پر فرض عین ہے - ایک گروہ کے دفاع کرنے سے باقی مسلمان بری الذمہ نہیں ہوجاسکتے - جسطرح ایک گروہ کے نماز پڑھہ لینے سے باقی مسلمانوں کے ذمہ نماز ساقط نہیں ہو جاتی - اسی ہدایه میں ہے -

" الا ان یکون النفیر عاماً فحینئذ یصیر من فروض الاعیان "

نفیر " نفر" سے ہے -" نفر" کے معنی ہیں تیزی کے ساتھہ ایک جگہ سے دوسری جگه دوڑ جانا - پس قوم کے ایسے بلاوے اور اجتماع پر جو لڑائی کیلیے ہو " نفیر" کا اطلاق ہوا - قرآن میں ہے - انفروا خفافا و ثقالا - اور الا تنفروا - مطلب یه ہے که اگر حفظ و دفاع کی ضرورت سے عام اجتماع و قیام کا وقت آ گیا ' تو پھر جنگ کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہوجاتا ہے -

ابن ہمام اسکی شرح میں لکھتے ہیں :

هذا اذا لم یکن النفیر عاماً ' فاذا کان النفیر عاماً بان هجموا علی بلدة من بلاد المسلمین ' فیصیر من فروض الاعیان سواء کان المستنفر عدلاً او فاسقاً -
( فتح القدیر - ۴ : ۲۸۰ )

فرض کفایه کی صورت اسوقت تک ہے که نفیر کی حالت نہو - لیکن اگر مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر پر غیر مسلموں نے حمله کردیا ' تو اسوقت جنگ کرنا ہر مسلمان مرد پر فرض عین ہوجائیگا - خواہ جنگ کے لیے دعوت دینے والا عادل ہو یا فاسق -

اور عنایه میں ہے

ثم الجهاد یصیر فرض عین عند النفیر العام علی من یقرب من العدو وهو یقدر علیه - ( مجموعه فتح القدیر - ۴ : ۲۸۱ )

اور اگر نفیر عام کی حالت ہو ' تو پھر جہاد کرنا ان مسلمانوں پر فرض عین ہوجائیگا جو دشمن سے قریب ہوں اور اس پر قابو رکھتے ہوں -

اسی طرح سراجیه ' در المختار ' شامی وغیرہ تمام کتب فقه میں ہے - " اذا جاء النفیر انما یصیر فرض عین علی من یقرب من العدو " اور " الجهاد فرض کفایة اذا لم یکن النفیر عاماً ' فاذا اقام به البعض ' یسقط عن الباقین - فاذا صار النفیر عاما ' فحینئذ یصیر من فروض الاعیان " الخ -

حملۂ و ھجوم کے دائمي جہاد میں ( جب قتال فرض کفایہ ہے ہوتا ) بعض جماعتیں مستثنیٰ ہیں - مثلاً عورتیں ، ور نوکر - عورتوں کے لیے شوھرکي خدمت اور نوکر کیلیے آقا کی خدمت مقدم ہے - لیکن اگر دفاع کی صورت پیش آ گئي ہو تو اسکی فرضیۃ اسی ھمہ گیر اور واضح تر ہے کہ بچوں اور معذوروں کے سوا کوئی گروہ ' کوئی فرد ' مستثنیٰ نہیں ھوسکتا - بیوی بلا شوھر کی اجازت کے نکل کھڑي ھو - غلام بلا آقا کی اذن کے مشغول جہاد ہو جاے - ھدایہ میں ہے :

فان ھجم العدو علی بلد ' وجب علی جمیع الناس الدفع ' تخرج المرأۃ بغیر اذن زوجہا و العبد بغیر اذن المولی - لانہ صار فرض عین ' و ملک الیمین ورق النکاح لا یظھر فی حق فروض الاعیان کما فی الصلوۃ و الصوم - بخلاف ما قبل النفیر ' لان بغیرھما مقنعا فلا ضرورۃ الی ابطال حق المولی و الزوج - ( کتاب السیر )

لیکن اگر دشمنوں نے کسی شہر پر حملہ کیا ' تو پھر تمام لوگوں پر دفاع فرض ھوگیا - بیوي بلا شوھر کی اجازت کے اور غلام بلا آقا کی اذن کے دفاع میں حصہ لے - اسلیے کہ اب جہاد فرض عین ھوگیا ' اور جو فرائض ایسے ھیں ' اندر مالکیت اور زوجیۃ کے حقوق موثر نہیں ھوسکتے - جیسے نماز اور روزہ - اگر نماز کا وقت آ گیا ہے تو عورت پر نماز فرض ھوگئي - شوھر کی اذن پر موقوف نہیں - البتہ نفیر سے پہلے یہ صورت نہ تھی - اسوقت عورتوں اور غلاموں کی شرکت کے بغیر بھی یہ فرض ادا ھوسکتا تھا - پس ضرورت نہ تھی کہ شوھر اور آقا کے حقوق باطل کیے جائیں -

ھم نے ھدایہ اور متداول کتب فقہ کی عبارتیں سب سے پہلے اسلیے نقل کیں کہ ان کتابوں کے نام سے ھندوستان کی سرکاري عدالتیں بھی آشنا ھیں - اور انگریزی میں محمدن لا پر جسقدر کتابیں لکھی گئی ھیں ' سب میں ان کا حوالہ موجود ہے - پس بآسانی دیکھہ لیا جاسکتا ہے کہ فی الحقیقت اسلام کے احکام شرعی یہی ھیں یا نہیں ؟ ورنہ تمام کتب تفسیر و حدیث میں بھی یہ احکام موجود ھیں - امام بخاري نے باب باندھا ہے " وجوب النفیر " یعنے جب حفظ ملت کی ضرورت پیش آ جاے تو قتال کیلیے سب کا اٹھہ کھڑا ھونا واجب ہے - پھر آیۃ " انفروا خفافا و ثقالا " اور " مالکم اذا قیل لکم انفروا " الخ سے وجوب پر استدلال کیا ہے - اسکے بعد حضرۃ ابن عباس کي روایت درج کی ہے " لا ھجرۃ بعد الفتح

ولکن جہاد و نیۃ و اذا استنفرتم فانفروا " یعنی وہ جو اوائل اسلام میں ایک خاص طرح کی ہجرۃ فرض ہوئی تھی، وہ فتح مکہ کے بعد اسکی ضرورت نہیں رہی - البتہ جہاد اور عزم جہاد قیامت تک باقی ہے - تو جب جمع ہونے کیلئے پکارے جاؤ، جمع ہو جاؤ اور جہاد کرو -

فتح الباری میں ہے " الا ان تدعوا الحاجة الیه کان یدهم العدو و یتعین علی من عینه الامام " ( جلد ۶ : ۲۸ )

اور موطا امام مالک میں ہے " اذا کان الکفار مستقرین ببلاد هم، فالجہاد فرض کفایة، ان اقام به بعضهم سقط الحرج عن الباقین، و اذا قصدوا بلادنا و استنفر الامام المسلمین، وجب علی الاعیان " یعنی اگر کفار اپنے اپنے ملکوں میں ہیں - مسلمانوں پر حملہ آور نہیں ہوے ہیں - تو اس حالت میں جہاد فرض کفایہ ہے - لیکن جب وہ ہمارے ملکوں کا قصد کریں اور امیر اسلام نفیر کا اعلان کرے تو پھر فرض عین ہو جائیگا -

چونکہ جابجا " نفیر " کا لفظ آیا ہے، اسلیے یہ بات بھی صاف ہوجانی چاہیے کہ نفیر عام سے مقصود کیا ہے ؟ یہ مقصود ہے کہ دفاع کی ضرورت پیش آ جاے اور ہر شخص کو اسکا علم ہو جاے - یا یہ مقصود ہے کہ جب تک کوئی بلانے والا مسلمانوں کو نہ بلائیگا، نفیر عام کی حالت پیدا نہ ہوگی ؟ اسکا جواب شاہ ولی اللہ نے موطا کی شرح میں دیدیا ہے :

" نزدیک استنفار جہاد فرض علی الاعیان می شود - استنفار را چوں منقح کنیم حاصل شود حالتی کہ مقتضای استنفار شدہ است از قصد کفار بلاد مارا، و قیام حرب درمیان جیوش مسلمین و کافرین، و عدم کفایہ اراں مسلماناں، و انچہ بداں ماند " ( مسوی جلد ۲ - ۱۲۹ )

شاہ صاحب کے بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نفیر کی صورت کیا ہے ؟ تو یہ ضرور نہیں کہ کوئی خاص شخص مسلمانوں کو یہ کہکر پکارے کہ آؤ جہاد کرو - مقصود یہ ہے کہ ایسی حالت پیدا ہو جاے جو مقتضاے نفیر ہے - پس جب غیر مسلموں نے اسلامی ملکوں کا قصد کیا اور مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی شروع ہوگئی تو جہاد فرض ہوگیا، اور جب دشمنوں کی طاقت اُن ممالک کے مسلمانوں سے زیادہ قوی ہوئی اور انکے شکست کا خوف ہوا، تو یکے بعد دیگرے تمام مسلمانان عالم پر فرض ہوگیا - خواہ کوئی پکارے یا نہ پکارے - پکارنے والا نہیں ہے تو یہ مسلمانوں

کی بدنظمی و بدحالی ہے - اسکا فرض ہوگا کہ باقی زمانہ کا انتظام کریں - یہی حال تمام فرائض کا ہے - نماز کا جب وقت آجاتا ہے تو خواہ مؤذن کی صدائے " حی علی الصلاۃ " سنائی دے یا نہ دے ' وقت کا آجانا وجوب کیلئے کافی ہوتا ہے -

# فصل

( ترتیب وجوب دفاع )

جب دفاع کا فرض عین ہونا واضح ہوگیا ' تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ اس فرض کی انجام دہی کیلئے شریعت نے ایک خاص ترتیب اختیار کی ہے - عقل و حکمت کی بنا پر بھی اس معاملہ کی قدرتی اور صحیح ترتیب ہوسکتی تھی - صورت اسکی یہ ہے کہ جب غیر مسلموں نے کسی اسلامی حکومت اور آبادی کا قصد کیا ' تو اس شہر کے تمام مسلمانوں پر بہ مجرد قصد اعداء ' دفاع فرض عین ہوگیا - باقی رہے دیگر ممالک کے مسلمان ' سو اگر زیر جنگ مقامات کے مسلمان دشمن کے مقابلہ کے لیے کافی قوت نہیں رکھتے - دشمن بہت زیادہ قوی ہے - یا رکھتے ہیں اور غفلت و تساہل کرنے لگے ہیں ' تو اس حالت میں یکے بعد دیگرے تمام دنیا کے مسلمانوں پر بھی دفاع فرض عین ہوجائیگا - بالکل اسیطرح جیسے نماز اور روزہ -

مگر صورت اس کی یوں ہوگی کہ پہلے ان مقامات سے قریب تر مقام کے مسلمانوں پر واجب ہوگا - پھر ان سے قریب تر پر - پھر ان سے قریب تر پر - حتیٰ کہ مغرب و مشرق جنوب و شمال ' تمام اکناف عالم کے مسلمانوں پر یکے بعد دیگرے فرضیت عائد ہوجائیگی -

اسوقت سارے فرائض ' سارے وظائف ' سارے کام ' ملتوی کردینے چاہیئیں - بمجرد اطلاع ہر مسلمان کو اپنی تمام قوتوں اور تمام سامانوں کے ساتھ وقف دفاع ملت و جہاد فی سبیل اللہ ہوجانا چاہیے - اور قیام دفاع کے لیے شرعاً جن جن وسائل و انتظامات کی ضرورت ہے ' سب کو مل جلکر انکا انصرام کرنا چاہیے - اگر کسی آبادی میں مسلمانوں کا کوئی امام و پیشوا نہیں ہے جو نظم و قیام اپنے ہاتھ میں لے تو سب کا فرض ہوگا کہ پہلے امام

و امور کا انتظام کریں - پھر جن جن وسائل کی ضرورت ہو اُن کے حصول کے لیے ہر ممکن تدبیر و سعی کام میں لائیں - اگر ایسا نہ کیا گیا تو سب اللہ کے حضور جوابدہ ہونگے - سب مبتلاے معصیت و فسق ہونگے - ایسی معصیت، ایسا فسق، ایسا عدوان، ایسا نفاق، جس کے بعد صرف کفر ہی کا درجہ ہے -

اگر قیامت کا آنا حق ہے، اور یہ جھوٹ نہیں کہ خدا کا وجود ہے، تو مسلمانانِ عالم کے پاس اُسوقت کیا جواب ہوگا، جب قیامت کے دن پوچھا جائیگا کہ تم کروروں کی تعداد میں زندہ و سلامت موجود تھے - تمھارے جسموں سے روح کھینچ نہیں لی گئی تھی - تمھاری قوتوں کو سلب نہیں کرلیا گیا تھا - تمھارے کان بہرے نہ تھے نہ ہاتھ کٹے ہوے اور پانوں لنگڑے - پھر تمھیں کیا ہوگیا تھا کہ تمھارے سامنے تمھارے بھائیوں کی گردنوں پر دشمنوں کی تلواریں چل گئیں - وطن سے بے وطن اور گھر سے بے گھر ہوگئے - اسلام کی آبادیاں غیروں کے قبضۂ و تسلط سے پامال ہوگئیں - پر نہ تو تمھارے دلوں میں جنبش ہوئی، نہ تمھارے قدموں میں حرکت ہوئی، نہ تمھاری آنکھوں نے محبت و ماتم کا ایک آنسو بخشا، اور نہ تمھارے خزانوں پر سے بخل و زر پرستی کے قفل ٹوٹے ؟ تم نے چین اور آرام کے دستروں پر لیٹ لیٹ کر بربادیِ ملت اور پامالیِ اسلام کا یہ خونیں تماشہ دیکھا، اور اُس بے درد تماشائی کی طرح بے حس و حرکت تکتے رہے جو سمندر کے کنارے کھڑے ہوکر ڈوبتے ہوے جہازوں اور بہتی ہوئی لاشوں کا نظارہ کر رہا ہو! ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ ؟ فما حیاۃ الدنیا الا قلیل !

فتح القدیر میں ہے:

فیجب علی جمیع اہل تلک البلدۃ النفر، وکذا من یقرب منھم ان لم یکن باھلھا کفایۃ، وکذا من یقرب ممن یقرب ان لم یکن بمن یقرب کفایۃ، او تکاسلوا، او عصوا، و ھکذا الی ان یجب علی جمیع اھل الاسلام شرقاً و غرباً - (جلد ۴ - صفحہ - ۸۲۰)

اگر غیر مسلموں نے حملہ کیا تو پھر اُس شہر کے تمام باشندوں پر دفاع کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا فرض عین ہوجائیگا - اور اگر دشمن زیادہ طاقتور ہیں اور مقابلہ کیلیے وہاں کے مسلمان کافی نہیں، تو جو مسلمان اُنسے قریب ہونگے، انپر بھی فرض عین ہو جائیگا - اور اگر وہ بھی کافی نہیں، یا - انھوں نے سستی کی، یا دانستہ انکار کیا، تو پھر اُن تمام لوگوں پر جو اُن سے قریب

هوں نہ فرض عائد هوگا - اسی طرح یکے بعد دیگرے اسکا وجوب منتقل هوتا جائیگا - حتی کہ تمام مسلمانوں پر مشرق میں هوں یا مغرب میں ' دفاع کے لیے اُتھہ کھڑا هونا فرض هوجائیگا - انتہی -

ایسا هي تمام کتب معتمدۂ فقہ و حدیث میں هے - عبارتوں کے نقل و ترجمہ میں طول هوگا - رد المحتار وغیرہ شروح میں ذخیرہ سے نقل کیا هے :
" واما من ورائهم ببعد من العدو ' فهو فرض کفاية عليهم حتى يسعهم تركه ' اذا لم يحتيج اليهم فان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة ' او لم يعجزوا عنها لكنهم تكاسلوا ' فانه يفترض على من يليه فرض كالصلوة والصوم لا يسعهم تركه ' و ثم و ثم ' الى ان يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً و غرباً "

او ر عنایہ شرح هدایہ میں هے " ثم الجهاد يصير فرض عين عند النفير العام على من يقرب من العدو و هو يقدر عليه ' و اما من ورائهم فلا يكون فرضاً عليهم الا اذا احتيج اليهم ' اما لعجز القريب و اما للتكاسل ' فحينئذ يفرض على من يليهم " الخ -

اور شرح موطا میں هے " فان لم تقع الكفاية بمن نزل بهم ' يجب على من بعد منهم من المسلمين عونهم " ( جلد ۲ - ۱۲۹ )

البتہ یاد رهے کہ یہ دفاع کی عام صورت هے - لیکن درحالتیں شرعاً ایسي بهی هیں ' جن میں وجوب دفاع کیلیے یکے بعد دیگرے اس ترتیب اور الاقرب فالاقرب کي ضرورت باقي نہیں رهتی - بیک وقت اور بیک دفعہ هی تمام مسلمانان عالم پر دفاع فرض هوجاتا هے -

پهلي حالت یہ هے کہ خلیفۂ وقت تمام مسلمانان عالم سے طالب اعانت هو یا اُسکی بے بسی و بیچارگي کي حالت ایسی هوجاے کہ بلا تمام مسلمانان عالم کي مجموعي اعانت کے مخلصی و فتح ممکن نہو -

دوسري صورت یہ هے کہ اسلام کے عین مرکزي مقام یعني جزیرۂ عرب پر غیر مسلم حملہ آور هوں جنکو همیشہ غیر مسلم اثر سے محفوظ رکھنا هر مسلمان پر فرض هے خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا هو - تفصیل اسکي آگے آتي هے -



# باب

جزیرۂ عرب و بلاد مقدسہ

# فصل

( مرکز ارضی )

کوئی قوم زندہ نہیں رہسکتی ' جب تک اس کا کوئی ارضی مرکز نہو - کوئی تعلیم باقی نہیں رہسکتی ' جب تک اُسکی ایک قائم و جاری درسگاہ نہ ہو - کوئی دریا جاری نہیں رہسکتا ' جب تک ایک محفوظ سر چشمہ سے اُس کا لگاؤ نہ ہو -

نظام شمسی کا ہر ستارہ روشنی اور حرارت صرف اپنے مرکز شمسی ہی سے حاصل کرتا ہے - اُسی کی بالا تر جاذبہ ہے جسنے یہ پورا معلق کارخانہ سنبھال رکھا ہے ! اللہ الذی رفع السماوات بغیر عمد ترونہا ' ثم استوی علی العرش ' و سخر الشمس و القمر ' کل یجری لاجل مسمی ! (۱۳ : ۲)

یہی قانون الہی ہے جسپر اُسکی شریعت کے تمام جماعتی احکام مبنی ہیں - پس جس طرح اسلام نے امت کے بقا اور حق و ہدایت کے قیام کے لیے ہر طرح کے مرکز قرار دیے ' ضرور تھا کہ ایک ارضی مرکز بھی قیامت تک کیلیے قرار دیدیا جاتا -

اُن بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر جنکی تشریح کا یہ موقعہ نہیں ' اسلام نے اس غرض سے سر زمین حجاز کو منتخب کیا - یہی ناف زمین دنیا کی آخری اور دائمی ہدایت و سعادت کے لیے مرکزی سر چشمہ اور روحانی درسگاہ قرار پائی - اور چونکہ سرزمین حجاز جزیرۂ عرب میں واقع تھی ' وہی اسلام کا اولین موطن ' وہی اس کا سب سے پہلا سر چشمہ تھا ' اسلیے ضرور تھا کہ اسلامی مرکز کے قریبی گرد و پیش کا بھی وہی حکم ہوتا جو اصل مرکز کا - لہذا یہ تمام سر زمین بھی کہ حجاز کی " وادی غیر ذی زرع " کو گھیرے ہوے ہے ' اسی حکم میں داخل ہوگئی - ذلک تقدیر العزیز العلیم !

" مرکز ارضی " سے مقصـــود یہ ہے کہ اسلام کی دعوۃ ایک عالمگیر اور دنیا کی بین الملی دعوۃ تھی - وہ کسی خاص ملک اور قوم میں محدود نہ تھی - مسلمانوں کی قومیت کے اجزاء تمام کرۂ ارضی میں بکھر جانے اور پھیل جانے والے تھے - پس ان بکھرے ہوے اجزاء کو ایک دائمی متحدہ قومیت کی ترکیب میں قائم رکھنے کیلیے ضروری تھا کہ کوئی ایک مقام ایسا مخصوص کردیا جاتا ' جو ان تمام متفرق و منتشر اجزاء کیلیے اتحاد و انضمام کا مرکزی نقطہ ہوتا - سارے بکھرے ہوے اجزاء وہاں پہنچکر سمٹ جاتے - تمام پھیلی ہوئی شاخیں وہاں اکٹھی ہوکر جڑ جاتیں - ہر شاخ کو اُس جڑ سے زندگی ملتی ' ہر نہر اُس سر چشمہ سے سیراب ہوتی - ہر ستارہ اُس سورج سے روشنی اور گرمی لیتا - ہر دوری اُس سے قرب پاتی - ہر فصل کو اُس سے مواصلت ملتی - ہر انتشار کو اُس سے اتحاد و یگانگی حاصل ہوتی -

وہی مقام تمام اُمت کی تعلیم و ہدایت کیلیے ایک وسطی درسگاہ کا کام دیتا - وہی تمام کرۂ ارضی کی پھیلی ہوئی کثرت کیلیے نقطۂ وحدت ہوتا - ساری دنیا ٹھنڈی پڑ جاتی ' پر اُسکا تنور کبھی نہ بجھتا - ساری دنیا تاریک ہوجاتی ' مگر اُسکی روشنی کبھی گل نہ ہوتی - اگر تمام دنیا اولاد آدم کے باہمی جنگ و جدال اور فتنۂ و فساد سے خون ریزی کی دوزخ بن جاتی ' پھر بھی ایک گوشۂ قدس ایسا رہتا جو ہمیشہ امن و رحمت کا بہشت ہوتا ' اور انسانی فتنۂ و فساد کی پرچھائیں بھی وہاں نہ پڑ سکتی -

اُسکا ایک ایک چپہ مقدس ہوتا ' اُسکا ایک ایک کونہ خدا کے نام پر محترم ہو جاتا ' اُسکا ایک ایک ذرہ اسکے جلال و قدوسیت کا جلوۂ گاہ ہوتا - خونریز اور سرکش انسان ہر مقام کو اپنے ظلم و فساد کی نجاست سے آلودہ کر سکتا ' پر اُسکی فضاء مقدس ہمیشہ پاک و محفوظ رہتی ' اور جب زمین کے ہر گوشے میں انسانی سرکشی اپنی مجرمانہ خداوندی کا اعلان کرتی تو وہاں خدا کی سچی پادشاہت کا تخت عظمت و اجلال بچھہ جاتا ' اور اسکا ظل عاطفت تمام بندگان حق کو اپنی طرف کھینچ بلاتا -

دنیا پر کفر و شرک کے جماؤ اور اُٹھان کا کیسا ہی سخت اور برا وقت آجاتا ' مگر سچی توحید اور بے میل خدا پرستی کا وہ ایک ایسا گھر ہوتا ' جہاں خدا اور اُسکی صداقت کے سوا نہ کسی خیال کی پہنچ ہوتی ' نہ کسی صدا کی گونج اُٹھہ سکتی -

وہ انسان کی پھیلی ہوئی نسل کیلیے ایک مشترک اور عالمگیر گھر ہوتا - کٹ کٹ کر قومیں وہاں جڑتیں ' اور بکھر بکھر کے نسلیں وہاں سمٹتیں - پرند جس طرح اپنے آشیانوں کی طرف اڑتے ہیں ' اور پروانوں کو تم نے دیکھا کہ روشنی کی طرف دوڑتے - ٹھیک اِسی طرح انسانوں کے گروہ اور قوموں کے قافلے اُسکی طرف دوڑتے ' اور زمین کی خشکی و تری کی وہ ساری راہیں جو اُس تک پہنچ سکتیں ' ہمیشہ مسافروں اور قافلوں سے بھری رہتیں -

دنیا بھر کے زخمی دل وہاں پہنچتے اور شفا اور تندرستی کا مرہم پاتے - بیقرار و مضطر روحوں کیلیے اُسکے آغوش گرم میں آرام و سکون کی ٹھنڈک ہوتی - گناہ کی کثافتوں سے آلودہ جسم وہاں لائے جاتے ' اور محرومی و نامرادی کی مایوسیوں سے گھائل دل چیختے اور تڑپتے ہوے اُس کی جانب دوڑتے ' تو اسکی پاک ہوا امید و مراد کی عطر بیزی سے مشکبار ہوجاتی ' اسکے پہاڑوں کی چوٹیاں خدا کی محبت و بخشش کے بادلوں میں چھپ جاتیں ' اور اُس کی مقدس فضاء میں رحمت کے فرشتے غول در غول اُتر کر اپنی معصوم مسکراہٹ اور اپنے پاک نغموں کے ساتھہ مغفرت و قبولیت کی بشارتیں بانٹتے !

شاخوں کی شادابی جڑ پر موقوف ہے - درختوں کی جڑ اگر سلامت ہے تو شاخوں اور پتوں کے مرجھا جانے سے داغ اُجڑ نہیں جا سکتا - ٹہنیاں کاٹ دی جائینگی ' تو نئی نئی نکل آئینگی - اسی طرح قوم کا مرکز ارضی اگر محفوظ ہے ' تو اسکے بکھرے ہوے ٹکڑوں کی بربادی سے قوم نہیں مٹ جاسکتی - سارے ٹکڑے مٹ جائیں ' مگر مرکز باقی ہے تو پھر نئی نئی شاخیں پھوٹینگی اور نئی نئی زندگیاں اُبھرینگی - پس جس طرح مسلمانوں کے اجتماعی دائرہ کیلیے خلیفۂ و امام کے وجود کو مرکز ٹھہرایا گیا ' اُسی طرح اُنکی ارضی وسعت و انتشار کیلیے عبادتکدۂ ابراهیمی کا کعبۃ اللہ ' اسکی سر زمین حجاز ' اور اُسکا ملک جزیرۂ عرب ' دائمی مرکز قرار پایا - یہی معنی ان آیات کریمہ کے ہیں کہ :

| | |
|---|---|
| جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس ( ۵ : ۱۰۰ ) | اللہ نے کعبہ کو کہ اسکا محترم گھر ہے ' انسانوں کے بقاؤ قیام کا باعث ٹھہرایا - |

| | |
|---|---|
| و اذ جعلنا البیت مثابۃ للناس و امنا (۲ : ۱۲۵) | اور جب ایسا ہوا کہ ہم نے خانۂ کعبہ کو انسانوں کیلیے اجتماع کا مرکز اور امن کا گھر بنایا۔ |
| اور | |
| من دخلہ کان امنا (۳ : ۹۷) | جو اسکے حدود کے اندر پہنچ گیا، اسکے لیے کسی طرح کا خوف اور ڈر نہیں - |

اور یہی علت تھی تحویل قبلہ کی - نہ وہ جو لوگوں نے سمجھی :

| | |
|---|---|
| و حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ (۲ : ۱۵۰) | اور تم کہیں بھی ہو، لیکن چاہیے کہ اپنا رخ اسی کی جانب رکھو ! |

کیونکہ جب یہی مقام ارضی مرکز قرار پایا، تو تمام افراد قوم کیلیے لازمی ہوا کہ جہاں کہیں بھی ہوں، رخ انکا اسی طرف رہے - اور دن میں پانچ مرتبہ اپنے قومی مرکز کے طرف متوجہ ہوتے رہیں - اور یاد رہے کہ من جملہ بے شمار مصالح و حکم کے، ایک بڑی مصلحت فریضۂ حج میں یہ بھی ہے کہ ساری اُمت، تمام کرۂ ارضی، اور تمام اقوام عالم کو، اس نقطۂ مرکز سے دائمی پیوستگی بخشدی :

| | |
|---|---|
| و اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا و علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق (۲۲ : ۲۸) | اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو - پھر ایسا ہوگا کہ ساری دنیا کو یہ گوشۂ برکت کھینچ بلائیگا - لوگوں کے پیادے اور سوار قافلے دور دور سے یہاں پہنچیں گے ! |

# فصل

## ( احکام شرعیہ )

اس مرکز کے قیام و بقاء کیلیے سب سے پہلی بات یہ تھی کہ دائمی طور پر اسکو صرف اسلام کیلیے مخصوص کردیا جاے - جبتک یہ خصوصیت قائم نہ کی جاتی، امت کیلیے اس مرکزیت کے مطلوبہ مقاصد و مصالح حاصل نہ ہوتے -

چنانچہ اسی بنا پر مسلمانوں کو حکم دیا گیا : انما المشرکون نجس، فلا یقربو المسجد الحرام بعد عامھم ھذا - مسجد حرام کے حدود صرف توحید کی پاکی کیلیے مخصوص ہیں - اب آیندہ کوئی غیر مسلم اس کے

قریب بھی نہ آنے پاے - یعنی نہ صرف یہ کہ وہاں غیر مسلم نہ رہیں ' بلکہ کسي حال میں داخل بھی نہ ہوں - جمہور اہل اسلام نے اتفاق کیا کہ مسجد حرام سے مقصود صرف احاطۂ کعبہ ہی نہیں ھے ' بلکہ تمام سر زمین حرم ھے - اور دلائل و مباحث اسکے اپنے مقام پر درج ہیں -

اور اسی طرح احادیث صحیحۂ و کثیرہ سے جو حضرة علی ' سعد بن وقاص ' انس ' جابر ' ابو ہریرہ ' عبد اللہ بن زید ' رافع بن خدیج ' سہل بن حنیف ' وغیرھم اجلۂ صحابہ سے مروي ہیں ' ثابت ہوچکا ھے کہ مدینہ کی زمین بھي مثل مکہ کے حرم ھے ' اور عیر و ثور اسکے حدود ہیں - " المدینة حرام ما بین عیر الی ثور " اخرجہ الشیخان - اور روایت سعد کہ " انی احرم ما بین لابتی المدینة ان یقطع عضا ها او یقتل صیدها " رواہ مسلم - اور روایت انس متفق علیہ کہ " اللھم ان ابراھیم حرم مکہ ' و اني احرم ما بین لابتیھا " ( ۱ ) خدایا ! ابراہیم نے مکہ کو حرم ٹھہرایا اور میں مدینہ کو ٹھہراتا ہوں !

یہ احکام تو خاص اس مرکز کی نسبت تھے - باقي رہا اسکا گرد و پیش ' یعنی جزیرۂ عرب ' تو گو اسکے لیے اسقدر اہتمام کي ضرورت نہ تھي ' تاہم اسکا خالص اسلامی ملک ہونا ضروري تھا - تا کہ اسلامي مرکز کا گرد و پیش اور اسکا مولد و منشاء ہمیشہ غیروں کے اثر سے محفوظ رھے -

اسلام کا جب ظہور ہوا تو علاوہ مشرکین عرب کے یہود و نصارا کي بھی ایک بڑی جماعت جزیرۂ عرب میں آباد تھي - مدینہ میں یہودیوں کے متعدد قبیلے تھے - خیبر میں انھي کي ریاست تھي - یمن میں نجران عیسائیوں کا بڑا مرکز تھا -

مدینہ کی سر زمین خود آپکی زندگی ھي میں یہودیوں سے خالی ہوگئی - آخری جماعت جو مدینہ سے خارج کی گئی ' بنو قینقاع اور بنو حارثہ کا گروہ تھا - امام مسلم نے ابن عمر کا قول نقل کیا ھے " ان یہود بني النضیر حاربوا رسول اللہ صلعم فاجلی بنی النضیر و اقر قریظة و من علیھم ' حتی حاربت قریظة ' فقتل رجالھم و قسم اولادھم و نسائھم بین المسلمین

---

( ۱ ) زیادہ مفصل بحث رسالہ " جامع الشواہد " میں لکھہ چکا ہوں - اِس رسالہ کا اصل موضوع مسئلہ خلافت ھے - یہ تذکرہ ضمناً آگیا ھے - پس اشارات پر اکتفا کیا گیا -

الا بعضهم لحقوا برسول الله فامنهم واسلموا ' و اجلی یهود المدینة کلهم بنی قینقاع وهم قوم عبد الله بن سلام و یهود بنی حارثه ' و کل یهودی کان بالمدینه "

بخاری و مسلم میں اس آخری اخراج کا واقعہ بروایت حضرۃ ابو هریرۃ مروی ھے - آپ صحابہ کو ساتھہ لیکر یہودیوں کی تعلیم گاہ میں تشریف لیگئے اور فرمایا " یا معشر الیہود ! اسلموا تسلموا " اسلام قبول کرو - نجات پاؤگے - پھر فرمایا " اعلموا ان الارض للہ و رسولہ و انی ارید ان اجلیکم من هذه الارض ' فمن وجد منکم بمالہ شیئاً فلیبعہ ' و الا ' فاعلموا ان الارض للہ و رسولہ " میں نے ارادہ کرلیا ھے کہ تم کو اس ملک سے خارج کردوں - پس اپنا مال و متاع فروخت کرنا چاھو تو کردو - ورنہ جان رکھو کہ اس ملک کی حکومت صرف اللہ اور اُسکے رسول ھی کیلیے ھے -

جب آپ دنیا سے تشریف لیگئے تو دو مقام ایسے رھگئے تھے جہاں سے یہود و نصارا کا اخراج نہ ھوسکا تھا - خیبر اور نجران - پس آپنے وصیت فرمائی کہ آیندہ جزیرۂ عرب صرف اسلام کیلیے مخصوص کردیا جاے - جو غیر مسلم اس ملک میں باقی رھگئے ھیں ' خارج کردیے جائیں - امام بخاری نے باب باندھا ھے " اخراج الیہود من جزیرۃ العرب " اسمیں پہلی روایت یہود مدینہ کے اخراج کی لاے ھیں جو اوپر گزرچکی - دوسری روایت حضرت ابن عباس کی ھے - آنحضرۃ صلعم نے مرض الموت میں تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی - ایک یہ تھی " اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب " حافظ ابن حجر لکھتے ھیں " اقتصر علی ذکر الیہود لانھم یوحدون اللہ تعالی الا القلیل و مع ذلك امر باخراجھم' فیکون اخراج غیرھم من الکفار بطریق اولی " ( فتح الباری - ۶ ۱۹۴ ) یعنی امام بخاری نے عنوان باب میں صرف یہود کا ذکر کیا - اسمیں استدلال یہ ھے کہ تمام غیر مسلم اقوام میں یہودی سب سے زیادہ توحید کے قائل ھیں - انکو خارج کیا گیا تو دیگر مذاھب کے اخراج کا وجوب بدرجۂ اولی ثابت ھوگیا - پس حاجت تصریح نہیں -

حضرۃ عمر کی روایت میں " یہود و نصاری " کا لفظ ھے " لاخرجن الیہود و النصاری من جزیرۃ العرب حتی لا ادع الا مسلما " رواہ مسلم و احمد و الترمذی و صححہ - ابو عبیدہ بن جراح سے امام احمد نے روایت کیا ھے : " اخر ما تکلم بہ رسول اللہ صلعم اخرجوا یہود اھل الحجاز و اھل نجران من جزیرۃ العرب " حضرۃ عائشہ کی روایت میں اسکی علت بھی واضح کردی

ہے " آخر ما عہد رسول اللہ صلعم ان قال لا یترک بجزیرة العرب دنیان " رواہ احمد - یعنی سب سے آخری وصیت رسول اللہ کی یہ تھی کہ جزیرۂ عرب میں دو دین جمع نہ ہوں - صرف اسلام ہی کیلیے مخصوص ہوجاے - امام مالک نے موطا میں عمر بن عبد العزیز اور ابن شہاب کے مراسیل نقل کیے ہیں اور مصمودی و غیرهم نے باب باندھا ہے " اخراج الیہود و النصاری من جزیرة العرب " عمر ابن عبد العزیز کی روایت میں ہے : " کان من آخر ما تکلم بہ رسول اللہ صلعم انہ قال قاتل اللہ الیہود و النصاری ' اتخذوا قبور انبیائہم مساجد - لا یبقیان دینان بارض العرب " اور ابن شہاب کا لفظ ہے " لا یجتمع دنیان فی جزیرة العرب "

حضرة عمر ابن عبد العزیز نے آخر تکلم " قاتل اللہ الیہود و النصاری " جو نقل کیا ہے ' تو حضرة عائشہ سے صحیحین وغیرہا میں بطریق رفع بھی ثابت ہے -

حافظ نواوی نے گو امام بخاری کا اتباع کیا اور " اجـــلاء الیهــــود " کا باب استدلالاً کافی سمجھا ' لیکن حافظ منذری نے تلخیص مسلم میں " اخراج الیہود و النصاری من جزیرة العرب " کا الگ باب باندھکر جزیرۂ عرب والی روایتیں روایات اجلاء یہود سے الگ کردی ہیں - یہ وصیۃ نبوی علاوہ طرق بالا کے مسند امام احمد ' مسند حمیدی ' سنن بیہقی وغیرہ میں بھی مختلف طریقوں سے مروی ہے ' اور سب کا مضمون متحد اور باہمدگر اجمال و تبیین اور اعتضاد و تقویت کا حکم رکھتا ہے -

احکام شرعیہ دو قسم کے ہیں - ایک قسم اُن احکام کی ہے جنکا تعلق افراد کی اصلاح و تزکیہ سے ہوتا ہے - جیسے تمام اوامر و نواہی اور فرائض و واجبات - دوسرے وہ ہیں جنکا تعلق افراد سے نہیں بلکہ اُمت کے قومی اور اجتماعی فرائض اور ملکی سیاسیات سے ہوتا ہے - جیسے فتح ممالک اور قوانین سیاسیۂ و ملکیہ -

سنۃ الہی یوں واقع ہوئی ہے کہ پہلی قسم کے احکام خود شارع کی زندگی ہی میں تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں ' اور وہ دنیا نہیں چھوڑتا مگر اُنکی تکمیل کا اعلان کرکے - لیکن دوسری قسم کے لیے ایسا ہونا ضروری نہیں - بسا احکام ایسے ہوتے ہیں جنکے نفاذ و وقوع کے لیے ایک خاص وقت مطلوب ہوتا ہے اور وہ شارع کے بعد بتدریج تکمیل و تنفیذ پاتے ہیں - پس

اُن کی نسبت یا تو بطریق پیشین گوئي کے خبر دیدي جاتی ہے - یا اپنے جانشینوں کو وصیت کردي جاتي ہے -

یہ معاملہ اسی دوسري قسم میں داخل تھا - پس ضرور نہ تھا کہ اس کا پورا پورا نفاذ خود آنحضرة صلعم کی حیات طیبہ ہی میں ہوجاتا - آپ نے یہود مدینہ کے اخراج سے عملاً نفاذ شروع کردیا - یہود خیبر سے ابتدا ہی میں شرط کرلی تھي کہ جب ضرورت ہوگي' اس سر زمین سے خارج کردیے جاؤنگے - پھر تکمیل کیلیے اپنے جانشینوں کو وصیت فرمادي - چنانچہ حضرة عمر (رض) کے زمانے میں تکمیل کا وقت آ گیا - اور یہود خیبر نے طرح طرح کی شرارتیں اور نا فرمانیاں کرکے خود ھي اس کا موقعہ بہم پہنچادیا - پس حضرة عمر نے اس وصیت کی تحقیق کی' اور جب پوري طرح تصدیق ہوگئی تو تمام صحابہ کو جمع کر کے اعلان کردیا - سب نے اتفاق کیا' اور یہود خیبر و فدک خارج کردیے گئے - اسی طرح نجران سے بھی عیسائیوں کا اخراج عمل میں آیا - امام زھري نے ابن عتبہ سے اور امام مالک نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے " ما زال عمر حتی وجد الثبت عن رسول اللـــه انه قال لا یجتمع بجزیرۃ العرب دینان' فقال من کان له من اهل الکتابین عهد فلیات به' انفـــذ له' و الا فانی مجلیکم' فاجلا هم " ( اخرجـــه ابن ابی شیبه )

امام بخاری نے یہود خیبر کے اخراج کا واقعہ کتاب الشروط کے باب " اذا اشترط فی المزارعة اذا شئت اخرجتک " میں درج کیا ہے' اور ترجمۂ باب میں استدلال ہے کہ یہود خیبر کا تقرر پہلے ھی سے عارضي و مشروط تھا - یہ استقلال یہ تھا - حافظ عسقلانی لکھتے ھیں - حضرة عمر کے اجلاء کردہ اھل کتاب کی تعداد چالیس ھزار منقول ہے -

پس صاحب شریعت کے قول و عمل' اُن کے آخرین لمحات حیات کی وصیت' حضرة عمر کے تفحص و تصدیق' تمام صحابہ کے إجماع و اتفاق سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسلام نے ھمیشہ کیلیے جزیرۂ عرب کو صرف اسلامي آبادي ھی کے لیے مخصوص کردیا ہے - اِلا یہ کہ کسي مصلحت سے خلیفۂ وقت عارضي طور پر کسی گروہ کو داخل ہونے کي اجازت دیدے - اور ظاھر ہے کہ جب وھاں غیر مسلموں کا قیام اور دو دینوں کا اجتماع شریعت کو منظور نہیں' تو غیر مسلم کی حکومت یا حاکمانہ نگراني و بالا دستي کو جائز رکھنا کب مسلمانوں کیلیے جائز ھوسکتا ہے ؟

# فصل

## ( جزیرۂ عرب کی تحدید )

باقی رہا یہ مسئلہ کہ جزیرۂ عرب سے مقصود کیا ہے ؟ تو یہ بالکل صاف و واضح ہے - اس کے لیے کسی بحث و نظر کی ضرورت ہی نہیں - نص حدیث میں " جزیرۂ عرب " کا لفظ وارد ہے ' اور عقلاً و اصولاً معلوم ہے کہ جب تک کوئی سبب قوی موجود نہ ہو ' کسی لفظ کے مدلول آور عام و متعارف مدلول سے انحراف جائز نہ ہوگا - اور نہ بلا مخصص کے قیاساً تخصیص جائز - شارع نے " جزیرہ " کا لفظ کہا ' اور دنیا میں اُس وقت سے لیکر ابتک جزیرۂ عرب کا اطلاق ایک خاص ملک پر ہر انسان کر رہا اور جان رہا ہے - پس جو مطلب اسکا سمجھا جاتا تھا اور سمجھا جاتا ہے ' وہی سمجھا جایگا -

تمام مورخین اور جغرافیہ نگاران قدیم و جدید متفق ہیں کہ عرب کو " جزیرہ " اسلیے کہا گیا کہ تین طرف سمندر اور ایک جانب دریا کے پانی سے محصور ہے - یعنی تین طرف بحر ہند ' خلیج فارس ' بحر احمر و قلزم واقع ہیں - ایک جانب دریاے دجلہ و فرات -

فتح الباري وغیرہ میں ہے " قال الخلیل سمیت جزیرۃ العرب ' لان بحر فارس و بحر الحبشہ و الفرات و الدجلہ احاطت بہا " ( ۶ : ۱۱۸ ) اور اصمعی کا قول ہے : " لاحاطۃ البحار بہا ' یعني بحر الهند و القلزم و بحر فارس و بحر الحبشہ و دجلہ " ( ایضاً )

نہایہ میں امام زہري کا قول نقل کیا ہے " سمیت جزیرۃ لان بحر الفارس و بحر السودان احاط بجانبیہا ' و احاط بالجانب الشمالي دجلہ و الفرات " -

یہي قول ارباب لغۃ کا بھی ہے - قاموس میں ہے " جزیرۃ العرب ما احاط بہ بحر الهند و الشام ثم دجلہ و الفرات " پروفیسر پطرس بستاني نے بھی ( جو زمانۂ حال میں شام کا ایک مشہور مسیحي مصنف گزرا ہے اور جس نے عربي میں انسائیکلو پیڈیا لکھنی شروع کي تھي ) محیط المحیط میں یہي تعریف کي ہے -

حاصل سب کا یہی ہے کہ جزیرۂ عرب وہ سرزمین ہے جسکے تین جانب سمندر ہیں اور شمالی جانب دریاے دجلۂ و فرات -

سب سے زیادہ مفصل جغرفیہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں دیا ہے - اِس سے زیادہ جامع و معتبر کتاب عربی میں جغرافیہ و تقویم بلدان کی کوئی نہیں :

" انما سمیت بلاد العرب جزیرة لاحاطة الانهر و البحار و ذلک ان الفرات اقبل من بلاد الروم ، فظهر بناحیة قنسرین ، ثم انحط علی اطراف الجزیرة و سواد العراق ، حتی وقع فی البحر فی ناحیة البصرة و الابلة ، و امتد الی عبادان ، و اخذ البحر فی ذلک الموضع مغربان منعطفا ببلاد العرب " الخ -

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ عرب اسلیے جزیرہ مشہور ہوا کہ سمندروں اور دریاؤں سے گھرا ہوا ہے - صورت اسکی یوں ہے کہ دریاے فرات بلاد روم سے شروع ہوا ، اور قنسرین کے نواح میں عرب کی سرحد پر ظاہر ہوا - پھر عراق میں ہوتا ہوا بصرہ کے پاس سمندر میں جا ملا - وہاں سے پھر سمندر نے عرب کو گھیرا ، اور قطیف و ھجر کے کناروں سے ہوتا ہوا عمان اور شحر سے گزر گیا - پھر حضرموت اور عدن ہوتا ہوا پچھم کی جانب یمن کے ساحلوں سے جا ٹکرایا - حتی کہ جدہ نمودار ہوا جو مکۂ و حجاز کا ساحل ہے - پھر ساحل طور اور خلیج ایلہ پر جا کر سمندر کی شاخ ختم ہوگئی - پھر سرزمین مصر شروع ہوتی ہے اور قلزم نمودار ہوتا ہے ، اور اسکا سلسلہ بلاد فلسطین سے سواحل عسقلان ہوتا ہوا سرزمین صور و ساحل اردن تک بیروت پر پہنچتا ہے ، اور آخر میں پھر قنسرین تک منتہی ہوکر وہ جگہ آجاتی ہے جہاں سے فرات نے عرب کا احاطہ شروع کیا تھا - پس اس طرح چاروں طرف پانی کا سلسلہ قائم ہے - بحر احمر اور قلــــزم کی درمیانی خشکی بھی پانی سے خالی نہیں - کیونکہ سوڈان سے دریاے نیل وہاں آ پہنچا ہے اور قلزم میں گرا ہے - یہی جزیرہ ہے جس سے عرب کی سرزمین عبارت ہے ، اور یہی عرب اقوام کا مولد و منشاء ہے - انتہی ملخصا - ( جلد ۳ - ۱۰۰ )

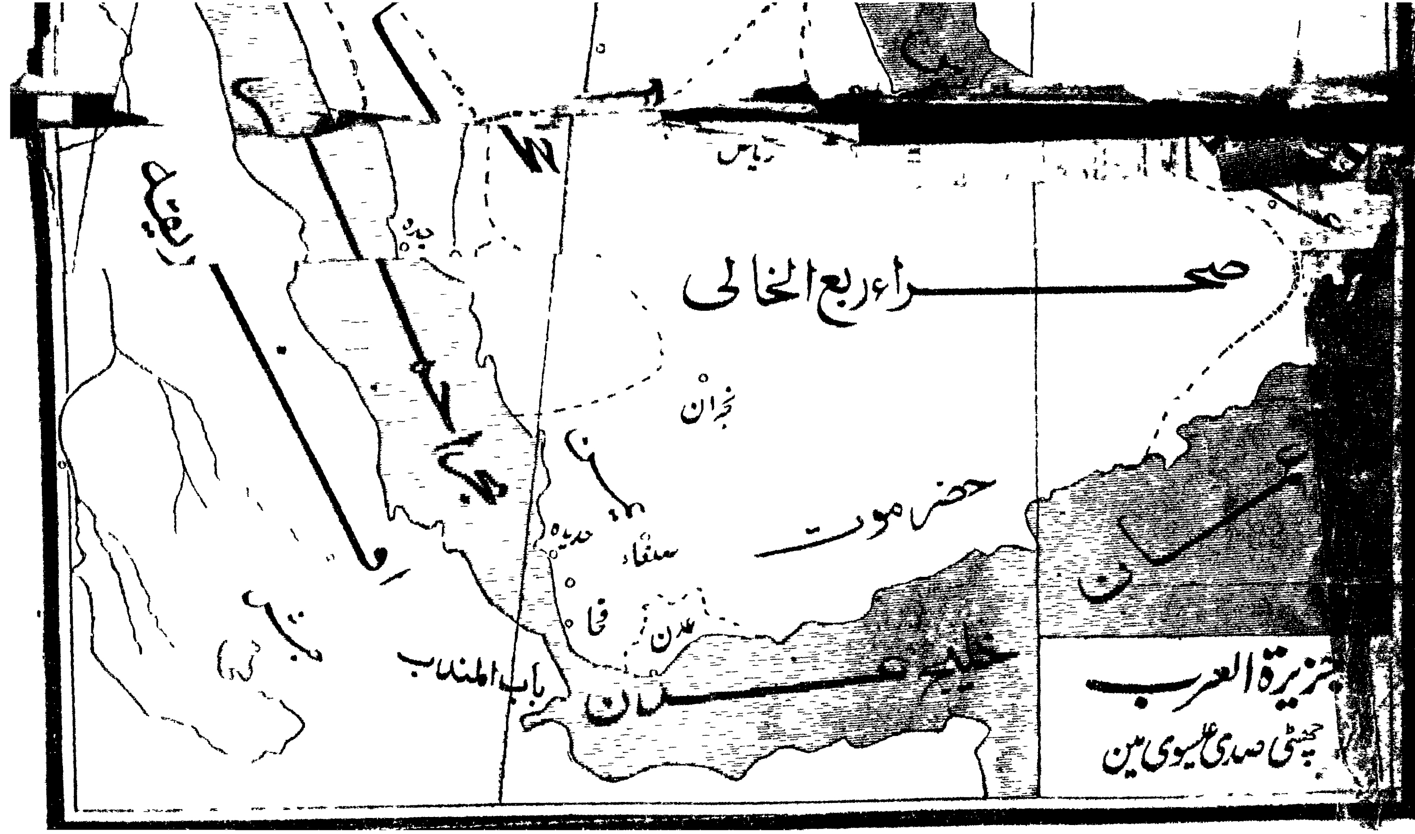
اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ جزیرۂ عرب کے حدود کیا ہیں ؟ عرب کا نقشہ اپنے سامنے رکھو اور اسپر مندرجۂ بالا تخطیط منطبق کرکے دیکھو - اوپر شمال ہے - دھنے مشرق - بائیں مغرب - شمال میں دریاے فرات مغرب سے خم کھاتا ہوا نمودار ہوتا ہے اور صحراے شام کے کنارے سے گزرتا

ہوا دجلہ میں ملجاتا ہے - پھر دونوں ملکر خلیج فارس میں گرتے ہیں - فرات کے پیچھے دجلہ کا خط ہے - اسی پر بغداد واقع ہے - خلیج فارس کے مشرق میں ایران ہے اور مغربی ساحل میں قطیف و حساء - پھر یہ خلیج تنگ نائے ہرمز سے نکل کر مسقط و عمان کے کناروں سے گزرتا ہے اور اسکے بعد ہی بحر عمان نمودار ہوجاتا ہے - اسکے بعد حضرموت کا ساحل دیکھوگے - پھر عدن آگیا' اور باب المندب سے جونہی آگے بڑھے' بحر احمر شروع ہوگیا - چونکہ اسکا مغربی ساحل افریقہ و حبش سے متصل ہے' اسلیے قدیم جغرافیہ میں اسکو بحر حبش بھی کہتے تھے - بحر احمر کے کنارے پہلے یمن ملیگا - پھر جدہ - اسکے بعد ساحل حجاز - حتی کہ سمندر کی شاخ پتلی ہوکر طور سینا تک منتہی ہوگئی' اور اسکے ساتھہ ہی خلیج عقبہ کی شاخ نمودار ہوئی - اب مصر کی سر زمین شروع ہوگئی - نہر سوئیس کے بننے سے پہلے یہ خشکی کا ایک ٹکڑہ تھا جس نے بحر احمر کو بحر متوسط سے جدا کردیا تھا - اسلیے صاحب معجم نے یہاں دریاے نیل کا ذکر کیا' جسکو اسی درمیانی تختۂ خشک کے بائیں جانب دیکھہ رہے ہو - وہ قاہرہ سے ہوتا ہوا اسکندریہ کے پاس سمندر میں گرتا ہے - پس اگرچہ اس زمانے میں یہ ٹکڑہ خشک تھا مگر سمندر کی جگہ دریاے نیل کا خط آبی موجود تھا -

اس کے بعد بحر متوسط ہے جس کے ابتدائی حصہ کو قدیم جغرافیہ نویس بحر مصر و شام سے موسوم کرتے تھے - اسی پر بیروت واقع ہے اور ساحل سے اندر کی جانب دیکھوگے تو پھر وہی مقام سامنے ہوگا' جہاں سے دریاے فرات نمودار ہوکر خلیج فارس کی جانب بڑھا تھا -

پس یہ ایک مثلث نما ٹکڑہ ہے جو اس تمام بحری احاطہ کے اندر واقع ہے - صرف خشکی کا ایک حصہ شمال میں فرات کے بائیں جانب نظر آتا ہے - یعنی سرحد شام - یہی مثلث ٹکڑہ جزیرۂ عرب ہے - قدیم و جدید جغرافیہ نگار' دونوں اس پر متفق ہیں -

اس سے معلوم ہوا کہ عرب کے " جزیرہ " اور " جزیرہ نما " ہونے میں سب سے زیادہ اہم وجود دریاے دجلۂ و فرات کا ہے - کیونکہ اگر یہ عرب کے حدود سے کوئی متصل تعلق نہیں رکھتے' تو پھر اس کی ایسی صورت ہی باقی نہیں رہتی جس پر جزیرہ کا اطلاق ہوسکے - یعنی شمال کی جانب بالکل خشک رہجاتی ہے - یہی وجہ ہے کہ جس کسی نے عرب کی تعریف کی'



جزیرۃ العرب
چھٹی صدی عیسوی میں
صحراء ربع الخالی
حضر موت
نجران
یمن
صنعاء
حدیدہ
مخا
عدن
خلیج عدن
باب المندب
جدہ
حبش

حتى المحـــاريب تبكي وهي جامدة  حتى المنـــابر ترثي وهي عيدان !



احاطۂ بحر و نہر کا لفظ کہکر واضح کردیا کہ جانب شمال دجلہ تک پھیلا ہوا ہے - اور جنہوں نے مقامات کے نام لیکر حدود متعین کیے ' انہوں نے بھی صاف کہدیا کہ شمالی حد دجلہ ہے - یہانتک ' معجم البلدان ' اور فتح الباری میں اصمعی کا قول منقول ہے " من اقصی عدن ابین الی ریف العراق طولاً ' و من جدہ و ساحل البحر الی اطراف الشام عرضاً " کرمانی نے کہا " ھی ما بین عدن الی ریف العراق طولاً ' و من جدہ الی الشام عرضاً " یہی قاموس میں ہے - ایسا ہی ابن کلبی سے مروی ہے - رفاعہ بک طہطاوی نے قدیم و جدید کتب سے اخذ کرکے عربی میں " تعریفات الشافیہ لمرید الجغرافیہ " لکھی - اسمیں بھی یہی حدود ہیں - پس صاحب معجم کی تفصیل اور تمام اقوال سے ثابت ہوگیا کہ عرب طول میں عدن سے لیکر عراق کی ترائی تک ' اور عرض میں ساحل بحر احمر سے خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے - اس کی حد شمال میں دھنی جانب دجلہ ہے ' اور اگر عرض کا خط کھینچیں تو بائیں جانب شام - آجکل کے جغرافیوں میں بھی عرب کے یہی حدود بتلائے جاتے ہیں - پچھم میں بحر احمر' جنوب میں بحر ھند' پورب میں خلیج فارس ' اور دکھن میں ملک شام -

اسی معجم البلدان میں عراق کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوے لکھا ہے : " ای انھا اسفل ارض العرب " ( جلد ۶ : ۱۳۳ ) یعنی عراق اسلیے نام ہوا کہ زمین عرب کا سب سے زیادہ نیچا حصہ ہے - اس سے بھی ثابت ہوا کہ عراق عرب میں داخل ہے - البتہ عراق کا وہ حصہ جو دجلہ کے پار واقع ہے ' اس میں داخل نہ ہوگا -

ہم یہاں عرب کا ایک نقشہ تفسیر البیان کے مسودہ سے لیکر درج کرتے ہیں - اس نقشہ میں ظہور اسلام کے وقت جزیرۂ عرب کی حالت دکھلائی ہے - یہ نقشہ دراصل یورپ کے بعض مشہور مستشرقین ( اورنٹیلسٹ ) نے قدیم نقشوں اور تعریفات سے مدد لیکر طیار کیا تھا جسکو سنہ ۱۸۹۰ میں پروفیسر فرڈنینڈ ربستن فیلڈ ( Ferdinand Wustenfeld ) نے لیڈن یونیورسٹی سے شائع کیا - جزیرۂ عرب کے تمام قدیم نقشوں میں سب سے زیادہ صحیح اور مستند نقشہ یہی ہے - نقطوں کے خطوط سے تجارتی قافلوں کی وہ سڑکیں دکھلائی ہیں جو چھٹی صدی عیسوی میں عرب کے اندرونی مقامات سے سواحل تک جاتی تھیں -

# فصل

## ( مسجد اقصیٰ و ارض مقدس )

مقامات مقدسۂ اسلامیہ کے سلسلہ میں بیت المقدس اور اسکی سرزمین کا مسئلہ بھی مسلمانوں کے لیے اس سے کم اهمیت نہیں رکھتا جس قدر حرم مکہ اور حرم مدینہ کا -

اسلام نے صرف تین مقامات کے لیے بہ نیت طاعت و ثواب سفر کرنے کی اجازت دی ہے - اُن میں جسطرح مکہ و مدینہ کا نام ہے ' اُسیطرح بیت المقدس کا بھی - بخاری و مسلم کی مشہور روایت میں ہے : " لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد : المسجد الحرام ' و مسجدی هذا ' و المسجد الاقصیٰ " یعنی بہ نیت زیارت و طاعت سفر کا قصد و اهتمام کرنا نہیں ہے مگر ان تین جگہوں کے لیے - مسجد حرام ' مسجد مدینہ ' اور مسجد اقصیٰ - اس سے معلوم ہوا کہ تمام دنیا میں مسلمانوں کے لیے شرعاً یہی تین مقام سب سے زیادہ مقدس و محترم ہیں ' اور انہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انکی زیارت کیلیے نیت کرکے اپنے وطنوں سے نکلتے ہیں ' سفر کی تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کرتے ہیں ' اور یقین کرتے ہیں کہ اس کے معاوضہ میں اُنکے لیے بڑا ہی اجر ہے -

یہی وجہ ہے کہ جمہور آئمۂ اسلام نے اتفاق کیا کہ اگر مسجد اقصیٰ کی زیارت کی نذر مانی ہو ' تو اسکا ادا کرنا اسی طرح واجب ہوگا ' جس طرح زیارت مسجد نبوی اور حج و عمرہ کا ادا کرنا - حالانکہ ان تین جگہوں کے علاوہ اگر کسی دوسری زیارتگاہ کے سفر کیلیے نذر مانی ہو ' تو اسکا ادا کرنا باتفاق ائمہ واجب نہ ہوگا - اسی بات سے اندازہ کرلیا جاسکتا ہے کہ بیت المقدس کی سرزمین مسلمانوں کے مذہبی احکام و اعتقاد میں کیسا اهم درجہ رکھتی ہے ؟

یہی وہ مقدس سرزمین ہے جسکا اللہ نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا ' اور بالآخر وعدہ پورا ہوکر رہا - لیکن وہ اسکے اهل ثابت نہ ہوے ' اور دنیا کی حکومت و عزت کے ساتھہ یہاں کی پادشاہت بھی اُن سے چھین لی گئی - پھر مسیحی دور شروع ہوا - اسکے بعد مسلمان وارث ہوے - قرآن حکیم نے

مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھہ اس وراثت کی بشارت دی تھی -

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ' ان الارض یرثہا عبادی الصالحون -
ان فی ھذ لبلاغاً لقوم عابدین - وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (۲۱ : ۱۰۵)
حضرة ابن عباس وغیرہ سے مروي ھے کہ اس آیت میں " الارض " سے
مقصود بیت المقدس اور فلسطین ھے - اسمیں خبر دي گئی تھي کہ اب
وھانکی پادشاھت مسلمانوں کے حصے میں آئیگي - اسی لیے کہا : ان فی
ھذا لبلاغا الخ -

یہی وجہ ھے کہ مسلمانوں نے ھمیشہ اس سرزمین کي خدمت و وراثت
کو اللہ کي طرف سے ایک مخصوص عطیہ و امانت سمجھا ' اور اسکی
حفاظت کو حرمین کي طرح ساري دنیا کي حکومت و فرماں روائی سے
بھی زیادہ عزیز و محبوب سمجھتے رھے - یہی اعتقاد دیني تھا جسنے مسیحی
جہاد کی اُن آتھہ لڑائیوں کو کامیاب ھونے نہ دیا جن میں تمام یورپ کی
طاقت اکٹھی ھوگئی تھي ' حالانکہ وہ وقت مسلمانوں کی پولیٹکل طاقت
کے عروج کا نہ تھا - نزول و انحطاط کا تھا ' اور تمام عالم اسلامي مختلف
حکومتوں میں متفرق ھوچکا تھا - اُسوقت سے لیکر آجتک وھاں کي حکومت
خلیفۂ اسلام کے ماتحت رھي ھے ' اور ھمیشہ خود یورپ نے مسیحي دنیا
کے امن و سکون کیلیے اسی بات کو بہتر سمجھا ھے - پس اگر آج پھر ازمنۂ
مظلمہ ( مڈل ایجز ) کي تاریخ دھرائی جائیگی ' اور اسلام کی جگہ اُسے
مسیحیت یا یہودیت کے زیر اثر لانے کي کوشش کی جائیگی ' تو مسلمانان
عالم کیلیے ناممکن ھوگا کہ خاموش رھسکیں - اُنکا فرض ھوگا کہ جب گذشتہ
کروسیڈ کا ایک حصہ دھرایا گیا ھے' تو دوسرا حصہ بھی ظہور میں آجاے - وہ
مسلمانوں کی دیني زیارت گاہ ھے - اُنکا مقدس اولین قبلہ ھے - اسکي
مذھبي وابستگی اُنکے ایمان و مذھب کا جزء ھے - اگر وھاں یہودیوں کا اقتدار
بڑھایا جاتا ھے ' یا کسی مسیحی حکومت کو نگرانی و بالا دستی کے نام سے
قائم کیا جاتا ھے ' تو یہ صرف مسلمانوں کی آبادیوں ھی کو نہیں
بلکہ انکی شریعت کو چیلنج دینا ھے ' اور مسلمانوں کو مجبور کردینا
ھے کہ یا تو اسلام کی جانب سے اس چیلنج کو قبول کرلیں ' یا اسکی
اطاعت و حمایت سے دست بردار ھو جائیں -



# باب

( خاتمۂ سخن )

## فصل

( نتائج بحث )

گذشتہ مباحث و تفصیلات کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

( ۱ ) اسلام کا قانون شرعی یہ ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کا ایک خلیفۂ و امام ہونا چاہیے - " خلیفہ " سے مقصود ایسا خود مختار مسلمان پادشاہ اور صاحب حکومت و مملکت ہے جو مسلمانوں اور اُنکی آبادیوں کی حفاظت اور شریعت کے اجراء و نفاذ کی پوری قدرت رکھتا ہو اور دشمنوں کے مقابلے کیلیے پوری طرح طاقتور ہو-

( ۲ ) اُسکی اطاعت و اعانت ہر مسلمان پر فرض ہے - اور مثل اطاعت خدا و رسول کے ہے - تاوقتیکہ اُس سے کفر بواح ( صریح ) ظاہر نہو - جو مسلمان اُسکی اطاعت سے باہر ہوا ' وہ اسلامی جماعت سے باہر ہوگیا - جس مسلمان نے اُسکے مقابلہ میں لڑائی کی - یا لڑنے والوں کی مدد کی ' اُس نے اللہ اور اسکے رسول کے مقابلے میں تلوار کھینچی - وہ اسلام سے باہر ہوگیا ' اگرچہ نماز پڑھتا ہو ' روزہ رکھتا ہو ' اور اپنے تئیں مسلم سمجھتا ہو-

( ۳ ) ایک خلیفہ کی حکومت اگر جم چکی ہے ' اور پھر کوئی مسلمان اُسکی اطاعت سے باہر ہوا اور اپنی حکومت کا دعوا کیا ' تو وہ باغی ہے - اسکو قتل کردینا چاہیے -

( ۴ ) صدیوں سے اسلامی خلافت کا منصب سلاطین عثمانیہ کو حاصل ہے ' اور اسوقت از روے شرع تمام مسلمانان عالم کے خلیفہ و امام وہی ہیں - پس اُنکی اطاعت و اعانت تمام مسلمانوں پر فرض ہے - جو انکی اطاعت سے باہر ہوا ' اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکالدیا ' اور

اسلام کی جگہ جاہلیۃ مول لی - جس نے انکے مقابلے میں لڑائی کی، یا انکے دشمنوں کا ساتھ دیا، اُس نے خدا اور اُسکے رسول سے لڑائی کی -

(۵) صرف خلیفۂ اسلام ہی کے لئے یہ حکم مخصوص نہیں ہے - جب کبھی مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں لڑائی ہو، تو کسی مسلمان کیلیے شرعاً جائز نہیں کہ غیر مسلمان فوج کا ساتھی ہوکر مسلمانوں سے لڑے - یا انکی مدد کرے - اگر کریگا تو بحکم " من حمل علینا السلاح فلیس منا "

اور نص قرانی من یقتل مومناً متعمداً فجزاءه جهنم خالداً فیها وہ اسلامی جماعت سے خارج ہو جائیگا - اس کا ٹھکانا دوزخ ہے -

(۶) جب کسی اسلامی حکومت یا جماعت پر غیر مسلم حملہ کریں یا حملہ کا قصد کریں، یا اُنکی آزادی و خود مختاری کو کسی دوسری طرح نقصان پہونچانا چاہیں، تو ہر ملک کے مسلمانوں پر انکے بعد دیگرے اُنکی مدد کرنا، اور حملہ کرنے والوں سے لڑنا، فرض ہو جاتا ہے - علی الخصوص ایسی حالت میں جب کہ حملہ آور زیادہ طاقتور ہوں، اور ان کے مقابلہ کی کافی طاقت اُن مسلمانوں اور وہاں کی اسلامی حکومت میں نہو - اس صورت میں جہاد کی فرضیۃ علی الکفایہ نہ ہوگی - مثل نماز روزہ کے فرض عین ہوگی -

( ۷ ) اگر خلیفۂ اسلام کو دشمنوں کا ایسا طاقتور گروہ گھیر لے کہ ان کا مقابلہ کرنا اس کی طاقت سے باہر ہو، اور بلا تمام مسلمانان عالم کی فوری مدد و نصرت کے اسلامی ممالک کی حفاظت نہ ہو سکے، تو اُس صورت میں تمام دنیا کے مسلمانوں کا بہ یک وقت فرض ہوگا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، اس کی مدد کریں - اور اُس کے دشمنوں پر حملہ آور ہوں -

( ۸ ) اسلام کا حکم شرعی ہے کہ جزیرۂ عرب کو غیر مسلم اثر سے محفوظ رکھا جائے - اُس میں عراق کا ایک حصہ اور بغداد بھی داخل ہے - پس اگر کوئی غیر مسلم حکومت اس پر قابض ہونا چاہے، یا اُس کو خلیفۂ اسلام کی حکومت سے نکال کر اپنے زیر اثر لانا چاہے، تو یہ صرف ایک اسلامی ملک کے نکل جانے ہی کا مسئلہ نہ ہوگا، بلکہ اُس سے بھی بڑھکر ایک مخصوص سنگین حالت پیدا ہو جائیگی - یعنی اسلام کی مرکزی سر زمین پر کفر کا اثر چھا رہا ہے - پس اس حالت میں تمام مسلمانان عالم کا

زمین فرض ہوگا کہ اس قبضہ کو وہاں سے ہٹانے کے لیے اٹھہ کھڑے ہوں ' اور اپنی تمام قوتیں اس کام کے لیے وقف کردیں -

( ۹ ) اسلام کے مقامات مقدسہ میں بیت المقدس اسی طرح محترم ہے جس طرح حرمین شریفین - اس کے لیے لاکھوں مسلمان اپنی جانوں کی قربانیاں ' اور یورپ کے اٹھہ صلیبی جہادوں کا مقابلہ کرچکے ہیں - پس تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس مقام کو دوبارہ غیر مسلموں کے قبضہ میں جانے نہ دیں - علی الخصوص مسیحی حکومتوں کے قبضۂ و اقتدار میں - اور اگر ایسا ہو رہا ہے ' تو اس کے خلاف دفاع کرنا صرف وہاں کی مسلمان آبادی ہی کا فرض نہوگا - بلکہ بہ یک وقت و بہ یک دفعہ تمام مسلمانان عالم کا -

( ۱۰ ) اس صورت میں جو فرض شرعی مسلمانوں در عائد ہوگا ' اس میں پہلی چیز " ترک " ہے - دوسری " اختیار " - " ترک " سے مقصود یہ ہے کہ تمام ایسے تعلقات ترک کردینا پڑینگے جن میں برٹش گورنمنٹ کی اعانت و موالات ہو - "اختیار" سے مقصود یہ ہے کہ وہ تمام وسائل اختیار کرنے پڑینگے ' جنکے ذریعہ فریضۂ دفاع انجام پاسکے -

و تلک عشرۃ کاملہ -

# فصل

( خلیفۃ المسلمین اور گورنمنٹ برطانیہ )

جب کہ اسلام کے اٹل اور اپنے پیروؤں کے لیے دائمی احکام کا یہ حال ہے ' تو یکایک ۴ - اگست ۱۹۱۴ کو عالمگیر جنگ عالم کا شرارہ وسط یورپ میں چمکا ' اور دیکھتے ہی دیکھتے مغربی تمدن کا تمام آتشگیر مادۂ جنگ بھڑک اٹھا : نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ ! پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جنگ نے مسلمانان ہند کے لیے ایک ایسی نازک صورت اختیار کرلی ' جو برطانیہ کی حکومت ہند کی پوری تاریخ میں آج تک کبھی پیش نہیں آئی تھی - یعنی خلیفۃ المسلمین کی فوجیں بھی میدان جنگ میں مشغول پیکار نظر آئیں ' اور ترکی کے بر خلاف برطانیہ نے اعلان جنگ کردیا -

اس اعلان جنگ کی اطلاع جب سرکاری طور پر ہندوستان میں مشتہر کی گئی ' تو ساتھہ ہی حسب ذیل امور کا بھی اعلان کیا گیا تھا :

( ۱ ) ترکی حکومت کے ساتھہ ہماری جنگ دفاعی ہے - نہ کہ حملہ آورانہ - ہم نے دو ماہ تک ہر طرح کا مخاصمانہ اور جنگ جویانہ سلوک برداشت کیا ' اور پوری کوشش کی کہ کسی طرح یہ جنگ ٹل جاے ' لیکن ترکی گورنمنٹ نے برابر اپنے حملے جاری رکھے - اب مجبوراً ہم کو بھی اعلان جنگ کرنا پڑا ہے -

( ۲ ) ہندوستان کے مسلمانوں کو پوری طرح بھروسہ رکھنا چاہئے کہ اس جنگ میں ہمارے یا ہمارے ساتھیوں کی جانب سے کوئی بات ایسی نہ ہوگی جو آنکے مذہبی محسوسات کو صدمہ پہونچاے - اسلام کے تمام مقدس مقامات محفوظ رہینگے جن میں عراق بھی داخل ہے - انکے احترام کا پورا پورا لحاظ رکھا جاے گا - اسلام کے مقدس مقام خلافت کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نہ آئیگی - ہماری جنگ موجودہ ترکی وزارت سے ہے جو جرمنی کے زیر اثر کام کررہی ہے - خلیفۃ المسلمین سے اور اسلام سے نہیں ہے - گورنمنٹ برطانیہ نہ صرف اپنی جانب سے بلکہ اپنے تمام حلیفوں کی جانب سے ان باتوں کی ذمہ داری لیتی ہے -

یہ خلاصہ اُس سرکاری اعلان کا ہے جو پہلی نومبر سنہ ۱۹۱۴ کو اعلان جنگ کی اطلاع کے ساتھہ ہی گورنمنٹ آف انڈیا نے شائع کیا تھا ' اور پھر تمام صوبوں میں سرکاری طور پر اسکی اشاعت کی گئی تھی - حتی کہ ہر کمشنری ' ہر ضلع ' ہر صدر مقام ' ہر شہر کے مسلمانوں کو جمع کرکے مقامی حکام نے اسکی نقلیں بانٹی نہیں اور زبانی بھی پڑھکر سنایا تھا - برٹش انڈیا کا کوئی مسلمان گھر ایسا نہیں ملیگا جو اس اعلان سے بے خبر چھوڑ دیا گیا ہو - بعد کو " نیر ایسٹ " وغیرہ اخبارات سے معلوم ہوا کہ مصر و سوڈان میں بھی بجنسہ یہی اعلان شائع کیا گیا تھا -

اس اعلان کے بعد بھی ہمیشہ ذمہ دار حکام ہند و انگلستان کی زبان سے یہ دونوں باتیں بار بار ظاہر ہوتی رہیں - اگر کسی اظہار و بیان کی مضبوطی میں اعلان کی تکرار و اشاعت کی کثرت و وسعت کو دخل ہے ' تو بلا خوف رد کہا جاسکتا ہے کہ جسقدر کثرت و تکرار کے ساتھہ یہ اعلان شائع کیا گیا ' شاید ہی کوئی انسانی وعدہ اسقدر دھرایا گیا ہو -

نہ کہنا ضروری نہیں کہ اسوقت میدان جنگ کا کیا حال تھا ؟ برٹش گورنمنٹ کو اپنی زندگی کیلیے لاکھوں سپاہیوں اور توپوں کی جسقدر ضرورت تھی ' اس سے کہیں زیادہ اس اعلان اور اسکی کامیابی کی ضرورت تھی - اگر اسوقت ہندوستان کے مسلمانوں میں ذرا بھی بے چینی پیدا ہوجاتی ' تو نہیں معلوم جنگ کی تاریخ کیسا پلٹا کھاتی ' اور آج نتائج کا کیا حال ہوتا ؟

اس اعلان کا نتیجہ وہی نکلا جو مطلوب تھا - یعنی مسلمانان ہند پر صورت حال مشتبہ ہوگئی - نادان و جاہل جو علماء اس خیال میں پڑگئے کہ جب ترکوں نے انگلستان و دول متحدہ پر حملہ کیا ہے ' تو شرعاً صورت دفاع کی نہیں ہے بلکہ حملۂ و ہجوم کی ہے ' اور اسلیے اسکی شرکت فرض کفایہ کا حکم رکھتی ہے - نہ کہ فرض عین کا - پس شرعاً ضروری نہیں کہ مسلمانان ہند بھی اسمیں حصہ لیں - عام مسلمانوں پر یہ اثر پڑا کہ برٹش گورنمنٹ صرف اپنا بچاؤ کررہی ہے - اسکا مقصود اسلامی ممالک پر قبضۂ و تصرف کرنا یا خلیفۂ اسلام کی حکومت کو نقصان پہنچانا نہیں ہے - نیز اسلام کے مقدس مقامات یعنی جزیرۂ عرب اور بیت المقدس و عیرہ ہر حال میں محفوظ رہینگے - ان تمام باتوںکا نہ صرف انگلستان کی جانب سے وعدہ کیا جاتا ہے ' بلکہ تمام حلیف حکومتوں کی جانب سے بھی -

نہایت افسوس اور روسیاہی کے ساتھہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کا نہ یہ مذہبی فیصلہ صحیح تھا - نہ وعدوں اور اعلان پر اعتماد - انہوں نے اپنی سیزدہ صد سالہ تاریخ حیات میں شاید ہی کوئی ایسی قومی و مذہبی غلطی کی ہوگی ' جیسی اس موقعہ پر کی ' اور جسکے نتائج کی پہلی قسط آج آنکے سامنے ہے - " و مـــا تخفی فی صـــدورهم اکبـــر "

و ما کان اللہ لیظلمهـــم و لکن کانوا انفسهـــم یظلمون !

تھوڑی دیر کیلیے اس سے قطع نظر کرلو کہ احکام شرع کی بنا پر یہ راے کہانتک صحیح تھی ؟ صرف اس پہلو سے دیکھو کہ جن وعدوں پر بھروسہ کیا گیا ' اُنکا حال کیا تھا ؟

پرانے وقتوں کی طرح موجودہ زمانے کی سوسائٹی بھی اشخاص کے لیے ضروری سمجھتی ہے کہ ایفـــاے عہـــد میں اپنے تئیں

شریف ثابت کریں ' لیکن بیسویں صدی کی تہذیب میں حکومتوں کیلئے شریف ہونا چنداں ضروری بات نہیں ہے ' اور اگر طاقت موجود ہے تو پھر اخلاقی صداقت کے مطالبہ کا وہم و گمان بھی نہیں کرنا چاہیئے - جب وعدوں کا ایفا اور عہد و پیمان کی پابندی کمزور حکومتوں کے ساتھ ضروری نہیں سمجھی جاتی ' تو پھر محکوم و بے سروسامان رعایا کے ساتھ کیوں ضروری سمجھی جائے ' جو اپنی وفاداری میں کتے کی طرح قابل تعریف مگر بے زبانی میں اُسی کی طرح بے بس بھی ہے ؟

انگلستان کی حکومت نے نپولین کے عہد سے لیکر آجتک اپنے وعدوں کو جس طرح پورا کیا ہے ' انکی عبرت انگیز سرگذشت صفحات تاریخ پر ثبت ہے -

برطانی وعدوں کے اعتماد اور انکے ایفاء کی اخلاقی نمائش کا یہ پہلا ہی موقعہ نہیں ہے - ۱۵ - جولائی سنہ ۱۸۱۵ع کو جب نپولین نے بلرافان نامی انگریزی جہاز پر قدم رکھا تھا تو اُس نے بھی انگلستان کے وعدوں پر اعتماد ہی کیا تھا - کچھہ بے اعتمادی نہ کی تھی - لیکن خود اُسی کے لفظوں میں " انگلستان نے ہاتھہ بڑھا کر اپنا مہمان بنانے کیلیے بلایا ' اور جب وہ آگیا تو اسکا خاتمہ کردیا "

سینٹ ہلینا کی سنگلاخ چٹانیں آجتک سمندر کے طوفانوں کے اندر انگریزی مواعید کی اخلاقی قدر و قیمت کا اعلان کر رہی ہیں !

۳ - اگست سنہ ۱۸۱۵ کو جنگ واٹرلو کے بعد جب شہر پیرس متحدہ افواج کے حوالے کیا گیا ' اور اس عہد نامہ کو فرانسیسیوں نے عہد نامہ سمجھا جس پر انگلستان کے نامور ہیرو ڈیوک آف ویلنگٹن کے دستخط تھے ' تو یقیناً انہوں نے بھی انگلستان پر اعتماد ہی کیا تھا - لیکن قبضہ کے بعد جو نتیجہ نکلا ' اس پر تاریخ کا اٹل فیصلہ صادر ہوچکا ہے ' اور خود انگریز مورخوں کی زبانی اُسکا افسانۂ خونیں سن لیا جاسکتا ہے -

- خود ہندوستان کے گذشتہ سو سالوں کی تاریخ ہی اسکے لیے کافی ہے - دوسرے ملکوں کی سرگذشتوں کی طرف نظر اُٹھانے کی ضرورت کیا ہے ؟

شمشاد خانہ پرور ما از کے کمتر ست ؟

تاہم بدقسمت مسلمانوں نے بھروسہ کیا اور جنگ کے نتائج کی طرف سے مطمئن ہوگئے - اُنکا روپیہ ، اُنکی جانیں ، اُنکے ملک کی تمام قوتیں ، بے دریغ خرچ کی گئیں - دنیا کی آخری اسلامی حکومت و خلافت کے مٹانے میں اُنکی ہر چیز نے پورا پورا کام دیا - یہانتک کہ برٹش گورنمنٹ اپنی تاریخ حیات کے سب سے بڑے مہلک وقت سے بچ گئی ، اور وہ فتح مندی مکمل ہوگئی جسکا پہلا نتیجہ اسلامی خلافت کی بربادی و تباہی ہے -

اثناء جنگ ہی میں اس اعتماد کے تمام نتائج ظاہر ہوگئے تھے - بغداد پر انگریزی فوج قابض ہوگئی تھی جو جزیرۂ عرب کی مقدس سر زمین میں داخل ہے - عین حدود حرم مکہ کے اندر سازشیں کرکے بغاوت کرائی گئی اور اسکی وجہ سے جسقدر توہین اس مقدس مقام کی ہونی تھی وہ ہوکر رہی - پھر بھی مسلمانان ہند اپنے اعتماد سے دست بردار نہ ہوے اور اس انتظار میں رہے کہ یہ جنگ کی عارضی حالتیں ہیں - صلح کے بعد ہی برطانی اعلان و مواعید کی مقدس صداقت تمام عالم پر آشکارا ہو جائیگی -

# فصل

( موجودہ و آیندہ حالت اور احکام شرعیہ )

بحث کے اس ٹکڑہ کو ہم دانستہ حذف کردیتے ہیں کہ جنگ کے بعد ان وعدوں اور اعلانات کا کیا نتیجہ نکلا ؟ نہ ہم اُن پیہم اعلانات کا یہاں ذکر کرینگے جنکا سلسلہ برابر اثناے جنگ میں بھی جاری رہا - مثلاً وزیر اعظم کی تقریر ۵ - جنوری سنہ ۱۹۱۸ - کیونکہ یہ تمام باتیں دنیا کے سامنے ہیں - اور سورج کی روشنی جن چیزوں کو دکھلادے ، انکے لیے بحث و نظر کی روشنی سے مدد لینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی -

ہمکو یہاں صرف ایک بات کا فیصلہ کرنا ہے - اسکے علاوہ نہ اب کوئی بات ہمارے لیے سونچنے سمجھنے کی باقی رہی ہے - نہ گورنمنٹ کیلیے - وہ صرف موجودہ و آیندہ حالت کا سوال ہے -

احکام شرعیہ اوپر گذر چکے ہیں - پس اگر موجودہ حالت میں تبدیلی نہ ہوئی اور صلح کے نام سے اسلامی خلافت کے خلاف رہی جو اورانہ جنگ عمل میں لائی گئی جسکا اظہار ہو رہا ہے ' تو نتائج حسب ذیل ہونگے '

( ۱ ) جس وقت خلیفۃ المسلمین نے جنگ میں شرکت کی ہے تو برٹش گورنمنٹ نے اعلان کیا تھا کہ حملہ انکی جانب سے ہے - انگلستان رحلفاء کی جانب سے نہیں ہے - لیکن اب موجودہ حالت بالکل اسکے برعکس ہے - یعنی خلیفۃ المسلمین کسی غیر مسلم ملک و حکومت پر حملہ آور نہیں ہیں بلکہ غیر مسلم حکومتیں مسلمان آبادیوں اور خلیفۂ اسلام کی حکومت پر قابض ہو رہی ہیں ' اور خلیفۃ المسلمین پر حملہ آور ہیں - پس اگر اس حالت میں تبدیلی نہ ہوئی اور عارضی صلح کے بعد بھی یہی حال رہا ' تو مسلمانوں کیلیے قطعاً صورت دفاع اور نفیر عام کی پیدا ہو جائیگی جب جہاد ہر مسلمان پر فرض عین ہو جاتا ہے - حملۂ و ہجوم کی صورت نہ ہوگی کہ فرض علی الکفایہ ہو - لہذا ہندوستان کے ہر مسلمان کا یہ شرعی فرض ہوگا کہ خلیفۃ المسلمین ' اور اُن تمام اسلامی آبادیوں کی اعانت کیلیے اُٹھہ کھڑا ہو ' جہاں سے اسلامی حکومت مٹائی جا رہی ہے -

( ۲ ) یہ حقیقت پہلے سے آشکارا تھی ' مگر چار سال کی جنگ اور اسکے نتائج نے آخری درجۂ یقین تک ظاہر کردی کہ نہ تو خلیفۃ المسلمین کی موجودہ طاقت غیر مسلم حریفوں کے مقابلے کیلیے کافی ہے - نہ موجودہ اسلامی ممالک کے مسلمانوں کی - یعنی وہ شکست کھا چکے ہیں اور بعض مقامات کے مسلمانوں کی درماندگی و تباہی غایت درجۂ ہلاکت تک پہنچ چکی ہے - جیسے ولایت سمرنا وغیرہ کے مسلمان - پس اس بنا پر بھی مسلمانان ہند کا فرض شرعی ہوگا کہ انکی مدد کیلیے اُٹھہ کھڑے ہوں - کیونکہ اگر ایک مقام کے مسلمان دشمن کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے تو دیگر ممالک کے مسلمانوں پر دفاع میں شریک ہونا فرض ہوجاتا ہے -

( ۳ ) جن بلاد اسلامیہ پر غیر مسلم دخل و تصرف کرنا چاہتے ہیں ' یا کرچکے ہیں - مثلاً ایڈریا نوپل ' تھریس ' انشیاے کوچک ' سمرنا ' عراق ' فلسطین ' انکے قرب و جوار میں مسلمانوں کی کوئی ایسی جماعت موجود نہیں جو دشمنوں کے دفاع میں مددگار ہوسکے ' اور اسکی اعانت کی وجہ سے مسلمانان ہند بری الذمہ ہو جائیں - پس اس بنا پر بھی ساری شرعی

ذمہ داری مسلمانان ہند ہی کے ذمے عائد ہوتی ہے جنکی تعداد دنیا کی تمام اسلامی آبادیوں سے زیادہ ' اور جو بہت سی باتوں میں دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے بہتر حالت رکھتے ہیں -

( ۴ ) عراق کا تمام خطہ دریاے دجلہ تک جزیرۂ عرب میں داخل ہے - بس اگر انگریزی قبضہ وہاں قائم رہا ' یا کسی طرح کا بھی انگریزی اقتدار حکم برداری اور نگرانی کے نام سے حاصل کیا گیا ' تو یہ صریح جزیرۂ عرب پر غیر مسلم اقتدار ہوگا ' اور از روے شرع مسلمانان ہند کا فرض ہوگا کہ اس اقتدار کے دور کرنے کیلیے حریف کا مقابلہ کریں -

( ۵ ) بیت المقدس اسلام کے مقامات مقدسہ میں داخل ہے - اگر اسپر غیر مسلم اقتدار قائم رکھا جائیگا ' تو تمام دنیا کے مسلمانوں کی طرح ہندوستانی مسلمانوں کا بھی فرض ہوگا کہ دفاع کیلیے مستعد ہوجائیں -

( ۶ ) عرصۂ ہندوستان کے مسلمانوں پر ایک وفادار برٹش شہری کی زندگی بسر کرنا شرعاً ناجائز ہوجائیگا - اور یہ فرائض کی سب سے بڑی کشمکش ہوگی جسمیں کوئی انسانی جماعت مبتلا ہو سکتی ہے - یعنی بمجرد ان حالات کے برٹش گورنمنٹ کی حیثیت از روے شرع یہ ہوجائیگی کہ وہ " اسلام اور مسلمانوں کی حملہ آور دشمن ہے ' اور اسلیے اس سلوک کی مستحق ہے جو از روے شرع مسلمانوں کو حملہ آور حریف کے ساتھہ کرنا چاہیے " جب ایسا ہوا ' تو مسلمان مجبور ہونگے کہ دو راہوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیں - یا برٹش گورنمنٹ کا ساتھہ دیں ' یا اسلام کا - یہ ناممکن ہوگا کہ دونوں تعلق ایک وقت میں جمع کیے جاسکیں -

کیا چھہ کروڑ سے زائد انسانوں کو اس کشمکش میں مبتلا کردینا کوئی عاقبت اندیشانہ فعل ہوسکتا ہے ؟ فرصت کی آخری گھڑیاں گزر رہی ہیں - اگر عارضی فتح مندی کا گھمنڈ مہلت دے ' تو گورنمنٹ اس سوال پر غور کرلے -

- اگر انگلستان کے وزرا ( نپولین کے لفظوں میں ) وعدہ اسلیے نہیں کیا کرتے کہ وفا کیا جاے ' تو کم از کم اُس ایک وعدہ کو تو اس اخلاقی کلیہ سے مستثنی کردینا چاہیے جسکو ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ کا بنیادی اصول سمجھا جاتا ہے - یعنی کامل مذہبی آزادی کا وعدہ - اسی وعدہ کا

نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں ہر قوم کی طرح مسلمان بھی آزادی سے اپنے مذہبی فرائض انجام دے رہے ہیں - انکی مسجدیں قائم ہیں - پانچ وقت اذان کی صدائیں بلند ہوتی ہیں - کوئی حاکم مسلمانوں سے یہ نہیں کہتا کہ نماز نہ پڑھو -

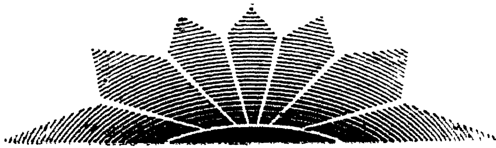
لیکن اگر برٹش گورنمنٹ ملت اسلامیہ کے خلاف اپنے موجودہ طرز عمل پر قائم رہی ، اسکے جہاز اسلامی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے کردینے کیلیے سمندروں میں دوڑتے رہے ، اُسکی فوجیں عراق کی سرزمین پر قابض رہیں جو مقدس جزیرۃ عرب میں داخل ہے ، اور ساتھ ھی وہ اس کی بھی متوقع رہی کہ ہندوستان کے زیر تحت مسلمان اسکے وفادار بنے رہیں ، تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ وہ مسلمانوں کو انکے مذہب کے چھوٹے چھوٹے حکموں میں تو آزادی دینے کیلیے طیار ہے ، لیکن جو احکام اسلام کے بنیادی عقائد ہیں اور اُن بڑے حکموں میں داخل ہیں جن کے ترک کردینے سے مسلمان مسلمان نہیں رہتا ، اُنکے لیے چاہتی ہے کہ حق و آزادی کا نام بھی زبان پر نہ لائیں ، اور برطانیہ کی وفاداری کی خاطر اپنے اسلام سے باغی ہو جائیں ،

وہ مسلمانوں کو آزادی دیتی ہے : کہ نماز پڑھیں جو مذہبی احکام میں شاخ کا حکم رکھتی ہے ، لیکن ساتھ ہی اسلامی خلافت و امامت و جملہ اور بھی ہے جو شاخ نہیں بلکہ بنیاد اور جڑ کے حکم میں داخل ہے ؟

وہ نماز پڑھنے میں مداخلت نہیں کریگی جس کے نہ پڑھنے سے مسلمان گناہگار ہو جاتا ہے ، لیکن خلیفۃ المسلمین کو اُنکی حکومت و مملکت سے محروم کردیگی جنکی مدد نہ کرنے سے مسلمان گناہگار ہی نہیں بلکہ اسلامی جماعت سے باہر ہو جاتا ہے ؟

وہ مسلمانوں کو حج کے سفر سے نہیں روکتی کیونکہ انکا مذہبی عمل ہے- لیکن وہ خلیفۃ المسلمین کو اپنی فوجی طاقت سے محصور کرکے مجبور کریگی کہ اسلامی مملکتوں کو غیر مسلموں کے حوالہ کردیں - اسوقت مسلمان دفاع کیلیے اُٹھینگے تو کہیگی کہ یہ بغاوت ہے - پھر کیا دفاع مسلمانوں کا مذہبی عمل نہ ہوگا ؟ اور کیسا مذہبی عمل ؟ ایسا عمل کہ شرعا ہزاروں حج سے بڑھکر - حج اس کے لیے چھوڑ دیا جا سکتا ہے ، لیکن حج کی خاطر وہ نہیں چھوڑا جا سکتا -

مسلمان هندوستان کی مسجدوں اور اُنکے اندرکي نمازوں کو لیکر کیا کرینگے جنکي اجازت دیدینے پر برتش گورنمنت کي آزادي کو ناز هے ' جبکه شریعت کے وہ احکام اُن کے سامنے آجائینگے جنکي تعمیل هزار نمازوں سے بھی بڑھکر اور هزار روزوں سے بھي اشد و اهم هے ' اور جنکی نا فرمانی کے بعد نه تو اُنکی نمازیں هی اُن کے لیے سود مند رهینگي - نه اُن کے روزے هی اُن کو نجات دلا سکینگے ؟



# باب

تـرک و اختیـار

# فصل

( ترک مـوالات )

اس صورت میں مسلمانوں پر ترک و اختیار ' دونوں طرح کے احکام شرعاً عائد ہونگے -

" ترک " سے مقصود یہ ہے کہ بہت سی باتیں جو اس وقت کر رہے ہیں ' ترک کردینی پڑیںگی -

" اختیار " سے مقصود یہ ہے کہ بہت سی باتیں جو اس وقت نہیں کر رہے ' کرنی پڑیںگی -

اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز وہ ہے جس کو شریعت نے " ترک موالات " سے تعبیر کیا ہے - یعنی جو غیر مسلم مسلمانوں کے حریف و دشمن اور حملہ آور فریق کا حکم رکھتے ہوں ' اُن سے تمام ایسے تعلقات ترک کردیںا جو محبت ' خدمت ' اور اعانت پر مبنی ہوں - اگر کوئی مسلمان ایسا تعلق رکھے گا ' تو اُس کا شمار بھی شریعت کے نزدیک اُنھی غیر مسلموں میں ہوگا - مسلمانوں میں نہ ہوگا -

قرآن حکیم نے اس بارے میں ایک اصولی تقسیم کردی ہے - تمام غیر مسلم اقوام و افراد کو دو قسموں میں بانٹ دیا ہے - ایک قسم اُن غیر مسلموں کی ہے جو نہ تو مسلمانوں سے لڑتے ہیں - نہ انپر حملہ آور ہیں ' نہ اُن کی آبادیوں پر قابض ہونا چاہتے ہیں - دوسری قسم اُن غیر مسلموں کی ہے جو یہ ساری باتیں کر رہے ہیں - یعنی لڑتے ہیں ' حملہ آور ہیں ' اسلامی ممالک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں - یا کرچکے ہیں -

اسلام کا حکم یہ ہے کہ پہلی قسم کے غیر مسلموں کے ساتھہ مسلمانوں کو نیکی و محبت اور ہر طرح کے احسان و خیر خواہی کا سلوک کرنا چاہیے - اسلام اس سے ہرگز مانع نہیں - عالمگیر محبت اس کی دعوۃ حق کا اصل الاصول ہے - البتہ دوسری قسم کے غیر مسلموں کے ساتھہ وہ اجازت نہیں دیتا کہ اس طرح کا کوئی علاقہ بھی مسلمان رکھیں - اگر رکھینگے تو اُن کا شمار بھی اللہ اور اس کی شریعت کے دشمنوں میں ہوگا - ایک مسلمان کے سارے گناہوں سے شریعت درگزر کر لے سکتی ہے ' لیکن اگر دوسری قسم کے غیر مسلموں سے محبت کرتا ہے ' یا کسی طرح کا واسطہ رکھتا ہے ' تو یہ گناہ نہیں ہے بغاوت ہے - اور منافق مومن نہیں ہے -

قرآن نے یہ تقسیم سورۂ ممتحنہ میں کردی ہے : لا ینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم ' ان تبروھم و تقسطوا الیھم ' ان اللہ یحب المقسطین - انما ینہاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین و اخرجوکم من دیارکم و ظاھروا علی اخراجکم ' ان تولوھم ' و من یتولھم فاولئک ھم ' الظلمون - [ ۶۰ : ۱۰ ]

اور اسی سورۃ کے اوائل میں فرمایا : یا ایھا الذین آمنوا ! لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء ' تلقون الیھم بالمودۃ و قد کفروا بما جاءکم من الحق ؟ اے مسلمانو ! جو غیر مسلم تمہارے اور تمہارے خدا کے دشمن ہیں ' اُنکو اپنا دوست نہ بناؤ - اور سورۂ مائدہ میں ہے : لا تتخذوا الیھود و النصاری اولیاء ' بعضھم اولیاء بعض - و من یتولھم منکم فانہ منھم ( ۵ : ۵۱ ) اُن یہود و نصاری کو جو مسلمانوں کی دشمنی اور نقصان رسانی میں سرگرم ہوں ' اپنا دوست نہ بناؤ - اور جو مسلمان بنائیگا ' خدا کے حضور اسکا شمار بھی اُنھی میں ہوگا - اس سے بھی زیادہ واضح فرمایا : لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ( ۳ : ۲۸ ) اور لاتتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین ( ۴ : ۱۴۳ ) یعنی جبکہ غیر مسلموں اور مسلمانوں میں باہم جنگ ہو ' تو مسلمانوں کو نہیں چاہیے کہ اپنے بھائیوں کو چھوڑ کر اُن کے دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں - " من دون المومنین " جہاں جہاں آیا ہے ' اس نے واضح کردیا ہے کہ مقصود ہر قسم کے غیر مسلموں سے ترک موالات نہیں ہے '

بلکہ ایک خاص قسم کے محارب غیر مسلموں سے اور ایک خاص حالت جنگ میں - اسی طرح سورۂ عمران میں ہے لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالا - ودوا ما عنتم ' قد بدت البغضاء من افواھھم ' و ما تخفی فی صدورھم اکبر - ( ۳ : ۱۱۸ )

یہاں ضمناً یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کو شرعاً کیسا تعلق رکھنا چاہیے ؟ سو معلوم ہوگیا کہ قران کی اس تقسیم کی بموجب وہ دوسری قسم میں داخل ہیں - پس ان کے ساتھ بر و احسان اور نیکی و ہمدردی کرنے سے شریعت ہرگز ہرگز نہیں روکتی - آجتک انہوں نے نہ کبھی اسلامی ممالک پر حملہ کیا ' نہ مسلمانوں سے قتال فی الدین کیا ' نہ کسی اسلامی ملک سے مسلمانوں کے اخراج کا باعث ہوے -

# فصل

( واقعۂ حاطب بن ابی بلتعہ )

سورۂ ممتحنہ کے شان نزول کا واقعہ اس بارے میں مسلمانوں کیلیے بڑا ھي عبرت انگیز ہے -

بخاري و مسلم میں حضرت علي سے مروي ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ مہاجرین صحابہ اور شرکاء بدر میں سے تھے - آنحضرت صلعم نے مکہ پر چڑھائی کا قصد کیا تو انہوں نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے ایک خط لکھکر مکہ میں اطلاع دیدینی چاہی - وحی الہی سے آنحضرت اسپر مطلع ہوگئے اور راستے ھی میں سے خط پکڑوا منگوایا - جب حاطب سے پوچھا گیا تو انہوں نے معذرت کی " ما فعلت ھذا کفرا و لا ارتدادا " میں نے کفر و ارتداد اور اسلام کی مخالفت کے خیال سے ایسا نہیں کیا - صرف اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے خط بھیجدیا تھا - میری نیت بري نہ تھي - حضرۃ عمر نے چاھا کہ انہیں قتل کردیں اور کہا " انہ منافق - قد خان اللہ و رسولہ " یہ منافق ہے - اس نے اللہ اور اسکے رسول کے ساتھہ خیانت کي !

اسپر سورۂ ممتحنہ کا نزول ہوا :

یا ایہا الذین آمنوا لاتتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء تلقون الیہم بالمودۃ ، و قد کفروا بما جاء کم من الحق -

مسلمانو! خدا کے اور خود اپنے دشمنوں کو ایسا دوست نہ بناؤ کہ محبت و الفت کے ایسے تعلقات رکھو - یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام سے انکار کرچکے ہیں ، اور اللہ اور اسکے دین برحق کے دشمن ہیں -

اس واقعہ میں ہمارے لیے بڑی ہی عبرت ہے - حاطب بن ابی بلتعہ مہاجرین و بدریین میں سے تھے - انہوں نے صرف اپنے اهل و عیال کی حفاظت کے خیال سے خط لکھا تھا - دشمنان اسلام کی مدد کرنا مقصود نہ تھا - اسپر بھی اللہ کی جانب سے یہ عتاب نازل ہوا ، اور حضرۃ عمر قتل کردینے کیلئے اُٹھے کہ یہ منافق ہے - غور کرنا چاہیے کہ جب باوجود علاقۂ قرابت ، مخالف و محارب فریق کے ساتھہ اتنا تعلق بھی گوارا نہیں کیا گیا ، تو پھر اُن مسلمانوں کا شرعاً کیا حکم ہونا چاہیے جو برٹش گورنمنٹ کے محارب فریق ہوے پر بھی ، ہر طرح کی محبت و موالات اور اعانت و مشارکت کے تعلقات اُسکے ساتھہ رکھتے ہیں - اور جنکا ابتک یہ حال ہے کہ اُسکے درباروں کے دبے ہوے بے سود خطابوں کو بھی ترک کردینا اُنکے نفس حق فراموش پر گراں گزر رہا ہے ؟

علی الخصوص اُن مدعیان علم و تقدس کا حال قابل تماشا ہے جنکو اُنکی بارگاہوں سے " شمس العلماء " کے خطابات ملے ہیں - یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں اسلام کی دینی ریاست کا اولین حقدار اور مسلمانوں کی مذہبی پیشوائی کا سب سے زیادہ مستحق ظاہر کرتے ہیں - یا سبحان اللہ ! مسلمانوں پر اُنکی قومی بدبختی کا اس سے بڑھکر اور کونسا وقت آسکتا ہے ؟ جن لوگوں کو اسلام اور اسکی کتاب قطعاً منافق قرار دے رہی ہو ، اور جو اللہ کے نزدیک اسکے بھی حقدار نہوں کہ مسلمانوں کی صف میں جگہ پائیں ، اُنکو مسلمانوں کی ریاست و پیشوائی کا دعوی ہو ، وہ مسلمانوں کی بڑی بڑی درسگاہوں کے مالک ہوں جہاں صبح شام قال اللہ اور قال الرسول کا چرچا رہتا ہو ، اور پھر اس سے بھی عجیب تر یہ کہ بہت سے مسلمان ہوں جو انکی پیشوائی کو جان و دل سے مان رہے ہوں ، اور اُنکے آگے عقیدت و ارادت کا سر جھکا کر اللہ اور اُسکے رسول سے گردن موڑ رہے ہوں !

مدار روزگار سفلہ پرور را تماشا کن !

الذين يتخذون الكافرين اولياء من دون المومنين، أيبتغون عندهم العزة؟ فان العزة لله جميعا ( ۴ : ۱۳۸ )

جو مسلمان، مسلمانوں کو چھوڑ کر انکے محارب غیر مسلموں کو اپنا دوست بنا رہے ہیں، او کیا وہ چاہتے ہیں کہ انکی بارگاہوں سے عزت حاصل کریں؟ اگر عزت ہی کی طلب ہے تو یہ کہیں کہ اصلی عزت دلانے والے وہ نہیں ہیں - عزت اللہ کیلیے ہے اور ایک مسلمان کو مل سکتی ہے تو اسی کی چوکھٹ سے -

سورۂ نساء میں یہ تمام خصلتیں منافقوں کی قرار دی ہیں، جن میں آج ہمارے بڑے بڑے مدعیان علم و مشیخت مبتلا ہیں - ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت میں اسلام و کفر، دونوں سے ساز باز رکھنا چاہتے ہیں - یعنی وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی رہیں، اور اسلام کے مخالفوں سے بھی رسم و راہ جاري رہے - مذبذبين بين ذالك - لا الى ها اولاء، و لا الى ها اولاء ( ۴ : ۱۴۳ ) تو ایسے لوگوں کی نسبت فرمایا : يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا الكافرين اولياء من دون المومنين - اتريدون ان تجعلوا لله عليكم سلطانا مبينا ؟ ان المنافقين فی الدرك الاسفل من النار ( ۴ : ۱۴۳ )

اسلام تو ایک مسلمان کے لیے یہ بات بھی جائز نہیں رکھتا کہ اگر اس کے ماں باپ، بھائی بہن، مسلمانوں سے لڑ رہے ہوں، تو ان سے بھی کسی طرح کا واسطہ رکھے : لا تتخذوا آباءكم و اخوانكم اولياء ان استحبوا الكفر على الايمان، و من يتولهم منكم فاولئك هم الظالمون (۹ : ۲۳) اور جو مسلمان ایسے وقتوں میں محارب غیر مسلموں سے محبت و اعانت کا تعلق رکھیں، خواہ وہ انکے ماں باپ ہی کیوں نہوں، ان کے مومن ہونے کی صاف صاف نفی کررہا ہے : لا تجد قوما يومنون بالله و اليوم الآخر، يوادون من حاد الله و رسوله و لو كانوا آبائهم ( ۵۸ : ۲۲ ) مہاجرین صحابہ نے اس حکم کی تصویر بنکر دنیا کو دکھلا دیا کہ ایمان کے معنی کیا ہیں ؟

پس اب فیصلہ کرلو کہ ان لوگوں کا حکم کیا ہونا چاہیے جو ایسے وقتوں میں بھی محارب غیر مسلموں کے دیے ہوے خطابوں سے پیار کرینگے، ان کے دیے ہوے تمغوں کو ( جن میں سے اکثر اسلام فروشي ہی کے صلے میں ملے ہیں ) اپنے سینوں پر جگہ دینگے، انکی بارگاہوں میں جاکر اطاعت و تعبد

کا سر جھکائینگے، اور آہ! ان سب سے بھی بڑھکر وہ، جو انکی راہوں میں غلاموں کی طرح بچھینگے، اُنکے حاموں ترکنوں کی طرح لوٹینگے، اُنکی خدمت و جاکری کے عشق میں اپنے دین و ایمان تک کو نثار کردینگے؟ فبا للہ و للمسلمین! من هذه الفاقرة التی هی اعظم فواقر الدین، والرزئة التي ما رزي بمثلها سبيل المومنين!

لمثل هذا يذوب القلب من كمد
ان كان في القلب اسلام و ايمان!

# فصل

هل للامام ان يمنع المتخلفين والقاعدين من الكلام معهم و الزيارة و نحوه؟

ایک اہم سوال شرعاً یہاں نہ پیدا ہوتا ہے کہ جو مسلمان باوجود تبلیغ و تفہیم، محارب غیر مسلموں سے ترک موالات نہ کریں، اور اُنکی مودت و اعانت سے باز نہ آئیں، اُنکے ساتھہ مسلمانوں کو کیا سلوک کرنا چاہیے؟

حضرۃ کعب بن مالک اور غزوۂ تبوک کے متخلفین کا واقعہ گذشتہ باب میں گزر چکا ہے - اس موقعہ پر آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو مسلمان مصالح امت کے خلاف روش اختیار کریں، اور دشمنان ملت کے دفاع میں باوجود استطاعت حصہ نہ لیں، انسے بھی مسلمانوں کو ترک موالات کردینا چاہیے -

امام بخاری نے کتاب الاحکام میں باب باندھا ہے "هل للامام أن يمنع المجرمين و اهل المعصية من الكلام معه و الزيارة و نحوه؟" یعنی کیا مسلمانوں کے امام کو اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ جو لوگ شرعی جرائم کے مرتکب ہوں، اُنسے ملنے، بات چیت کرنے، اور اسی طرح کے تعلقات رکھنے سے لوگوں کو روک دے؟ اور پھر اسمیں حضرۃ کعب بن مالک کی روایت درج کی ہے - گویا اس واقعہ سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ امام کو ایسا کرنے کا حق پہنچتا ہے، اور زجر و تنبیہ اور عبرت پذیری کے لیے ایسا کرنا اعمال نبوت کے ٹھیک مطابق ہوگا -

امام بخاری کا یہ استدلال نہایت واضح اور صاف ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو حکم دیدیا تھا کہ کسی طرح کا واسطہ ان لوگوں سے نہ رکھیں - نہ سلام کریں - نہ کلام کریں - نہ ملیں جلیں - یہانتک کہ انکی بیویوں تک کو تعلقات زوجیت رکھنے کی اجازت نہ تھی - بالاخر یہ حالت ہوگئی کہ " ضاقت علیہم الارض بما رحبت " پس اس سے ثابت ہوا کہ جب کبھی اسلام اور امت کی حفاظت اور دفاع کا وقت آجاے اور تمام مسلمانوں کا اسمیں شریک ہونا ضروری ہو' تو جس مسلمان کی طرف سے اسمیں سستی و کاہلی ہو' یا انکار و تخلف ہو' اسکا جرم عند اللہ نہایت شدید و عظیم ہے' اور مسلمانوں کی جماعت کو حق پہنچتا ہے کہ زجر و تنبیہ کیلیے اسکے ساتھہ وہی سلوک کریں جو ان تینوں شخصوں کے ساتھہ کیا گیا تھا - اور جبتک وہ اپنے رویہ سے باز نہ آجائیں' کوئی مسلمان ان سے کسی طرح کا علاقہ نہ رکھے - جب ان مسلمانوں کیساتھہ یہ سلوک جائز ہوا جو سابقین انصار اور شرکاء بدر میں سے تھے اور جنکا قصور بجز سستی و کاہلی کے اور کچھہ نہ تھا' تو جو لوگ صریح طور پر اعداء اسلام کے ساتھہ اطاعت و اعانت کے تعلقات رکھیں' اور دفاع اسلام کی سعی و تدبیر میں شامل ہونے سے صاف صاف انکار کردیں' انکے لیے تو ایسا حکم دینا نہ صرف جائز و مشروع ہوگا' بلکہ یقیناً واجب و لازم ہوگا -

ابن ابی حاتم نے امام حسن بصری کا کیا خوب قول نقل کیا ہے - قال " یا سبحان اللہ ! ما أکل ھا ولاء الثلاثة مالاً حراماً' ولا سفکوا دماً حراما' ولا افسدوا فی الارض' اصابہم ما سمعتم' وضاقت بہم الارض بما رحبت' فکیف بمن یواقع الفواحش والکبائر؟ "

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں " وفیہا ترک السلام علی من أذنب وجواز ہجرہ أکثر من ثلاث - واما النہی عن الھجر فوق الثلاث فمحمول علی من لم یکن ہجرانہ شرعیا " ( ۱ ) یعنی اس واقعہ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مجرمین شرع سے ترک سلام و کلام کرنا جائز ہے اور تین دن سے زیادہ

---

( ۱ ) امام بخاری اپنی عادت کے مطابق حدیث کعب کو مختلف ابواب میں لاے ہیں - باب مذکرۂ متن کتاب الاحکام کا آخری باب ہے' اور مفصل حدیث کتاب المغازی میں ہے - کتاب المغازی کی شرح میں حافظ موصوف کی یہ عبارت ملیگی - ( جلد ۸ - ۹۴ )

ان سے ترک تعلق کیا جا سکتا ہے - باقی رہی حدیث - " لا یحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلاث" یعنی کسی مسلمان کیلیے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی مسلمان سے جدا رہے - تو اس سے مقصود وہ جدائی ہے جو بلا سبب شرعی ہو' اور اس واقعہ میں جدائی کا حکم جرم شرعی کے ارتکاب کی بنا پر ہوا - پس زیادہ عرصہ تک ترک علائق جائز ہے -

حافظ ابن قیم نے بھی ھدی میں اس واقعہ سے یہ حکم مستنبط کیا ہے اور اپنے مخصوص طرز میں مشرح بحث کی ہے -

# فصل

## ( ایک شبہ اور اسکا ازالہ )

بیجا نہ ہوگا اگر یہاں ایک شبہ دور کردیا جائے جو اس معاملہ کی نسبت ہوا ہے اور ہوسکتا ہے - حافظ ابن حجر لکھتے ہیں " استدل بعض المتاخرین لکونہما لم یشھدا بدرا بما وقع فی قصۃ حاطب' و ان النبی صلعم لم یھجرہ و لا عاقبہ مع کونہ جس علیہ بل قال لعمر لما ھم بقتلہ : لعل اللہ اطلع علی اھل بدر فقال اعملو ما شئتم فقد غفرت لکم : قال - و این ذنب التخلف من ذنب الجس ؟ " یعنی بعض متاخرین نے اس سے انکار کیا ہے کہ مرارۃ بن ربیع اور ہلال بن امیہ شہدائے بدر میں سے تھے - کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو انکو یہ سزا نہ دی جاتی - حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش مکہ سے خط و کتابت کی اور وہ جرم بڑا ہی سخت جرم تھا - یعنی جاسوسی کا تھا - اسپر بھی بوجہ بدری ہونے کے آنحضرت نے معاف کردیا اور لوگوں کو انکے ساتھ ترک تعلق کا حکم نہیں دیا - کعب اور انکے ساتھیوں کا اس سے بڑھکر تو قصور نہ تھا ؟ پھر اتنی بڑی سخت سزا انکو کیوں دی گئی ؟ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حاطب کی معافی انکے بدری ہونے کی وجہ سے تھی ' اور یہ لوگ اسلیے ماخوذ ہوے کہ بدری نہ تھے - انتہی -

پھر حافظ موصوف نے اسکا جواب دیا ہے کہ یہ لوگ ضرور بدری تھے - حاطب کو اسلیے کوئی سزا نہیں دی گئی کہ انہوں نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کا عذر پیش کیا تھا - لیکن ان لوگوں کے پاس کوئی عذر نہ تھا - پھر آگے چلکر سہیلی کا جواب نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کو سخت

سزا اسلیے دی گئی کہ انصار میں سے تھے اور انصار نے آنحضرت کی حمایت کا خاص طور پر عہدہ کیا تھا - اوروں سے کہیں زیادہ معیت و نصرت فرض تھی - اسمیں کوتا ہی ہوئی تو مستحق تعزیر ہوے -

ہم کو افسوس کے ساتھہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ شبہ جسقدر تعجب انگیز ہے' اس سے کہیں زیادہ ان اکابر اعلام کے جوابات و تعلیلات تعجب انگیز ہیں - سخت حیرانی ہوتی ہے کہ ایک نہایت صاف و واضح معاملہ کی نسبت کیوں اسقدر غیر ضروری کاوشیں کی گئیں' اور کیوں اصلی علت سامنے نہ آگئی ؟

حضرت ہلال اور مرارہ کا بدری ہونا مسلم ہے - بخاری کی روایت میں خود حضرت کعب کہتے ہیں " رجلین صالحین قد شہدا بدرا " اور حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ اور اس معاملہ میں کسی طرح کی منافات نہیں ہے - دونوں معاملے اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں - اس واقعہ پر جن لوگوں کو تعجب ہوا' انھوں نے حکم دفاع کی اھمیت پر نظر نہ ڈالی - اگر اسپر غور کرلیتے تو یہ شبہ پیدا ہی نہ ہوتا - نہ ان کمزور توجیہوں کی ضرورت پیش آتی -

ایک صورت عام طور پر حفظ ملک و نصرت قوم کی ہے - اور ایک صورت خاص دشمن کے حملۂ و ہجوم کی ہے - پہلی حالت میں اگر جنگی احکام کی تعمیل میں سستی و کاہلی ہو' تو اُس درجہ سنگین نہیں ہوتی جسقدر دوسری حالت میں - پہلی حالت اندرونی امن کی ہے - دوسری بیرونی حملۂ و جنگ کی - جنگ و دفاع کی حالت میں ایک ذرا سی سستی اور کاہلی بھی اتنا بڑا جرم ہوتی ہے کہ اسکی پاداش میں موت کی سزا کو بھی سخت نہیں کہا جاسکتا -

اسی بنا پر شریعت نے ایک حالت تہیۂ جہاد و رباط خیل و استعداد کار کی قرار دی ہے - دوسری حالت " دفاع " اور نفیر کی بتلائی - جب کسی دشمن نے مسلمانوں پر حملہ کردیا ہو اور مسلم و غیر مسلم جنگ کی حالت پیدا ہوگئی ہو' تو وہ حالت دفاع کی ہے -

حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں امن تھا - قریش یا کسی دوسرے دشمن کی طرف سے اسوقت حملہ کا خوف نہ تھا - خود مسلمان مکہ پر حملہ کرنے والے تھے - کیونکہ قریش نے اپنا عہد و میثاق توڑ دیا تھا -

لیکن حضرت کعب بن مالک کا معاملہ دوسرا تھا - اُنھوں نے اسوقت اداء فرض میں سستی کی جب دشمن کے حملۂ و ھجوم کا اعلان ھوچکا تھا اور چالیس ھزار رومیوں کے اجتماع کی خبریں آچکی تھیں - وہ حملہ کا وقت نہ تھا - دفاع کا تھا - امام نے حکم دیدیا تھا ' اور نفیر عام کی صورت پیدا ھوگئی تھی - اُسوقت اداء فرض میں غفلت کرنا ایسا سنگین جرم ہے کہ کسی طرح معاف نہیں کیا جاسکتا - بس ضروری تھا کہ عبرت کیلیے کوئی سخت طرز عمل اختیار کیا جاتا ' تا کہ آیندہ ایسی غفلتوں کی کسی کو جرأت نہ ھو -

تعجب ھے کہ حافظ ابن قیم کو بھی ھدی میں یہی شدہ لاحق ھوا اور اسی لیے اُنھوں نے ھلال اور مرارہ کے بدری ھونے سے انکار کردیا ھے - والغلط لا یعصمہ الانسان -

# فصل

( گورنمنٹ کے لیے اصلی سوال )

گورنمنٹ صرف اپنے فوائد و اغراض ھی سامنے رکھکر غور کرلے کہ ھندوستان کے کروڑوں انسانوں کو جو دنیا اور زندگی کی ساری چیزوں سے زیادہ اپنے مذھب کو محبوب رکھتے ھیں ' ایک ایسی اٹل اور لا علاج کشمکش میں ڈالدینا بہتر ھوگا جس میں ایک طرف انکے مذھبی احکام ھیں ' دوسری طرف برٹش گورنمنٹ ؟ اور دونوں باہم اس طرح آپس میں لڑگئی ھیں کہ کسی طرح بھی جمع نہیں ھو سکتیں ؟

اگر انسان کے ھاتھہ اشارے کرکے طوفانوں اور بجلیوں کو بلا سکتے ھیں ' تو یقیناً برٹش گورنمنٹ اِسوقت اُس آدمی کی طرح سمندر کے کنارے کھڑی ھے جو اپنا ھاتھہ ھلا ھلا کر طوفانوں کو دعوت دے رھا ھو -

فی الحقیقت یہ نہ تو کوئی اُلجھاؤ ھے نہ کوئی مشکل مسئلہ - بالکل صاف اور سیدھی سی بات ھے - بشرطیکہ حاکمانہ غرور اور طاقت کا نشہ چند لمحوں کے لیے عقل و انصاف کو کام کرنے دے -

مسلمانوں کا مطالبہ شرعی احکام کا مطالبہ ھے - اسلام کے احکام کوئی راز نہیں ھیں جن تک گورنمنٹ کی رسائی نہو - چھپی ھوئی کتابوں میں

مرتب هیں اور مدرسوں کے اندر شب و روز درس و تدریس رہتے ہیں۔
بس گورنمنٹ کو چاہیے کہ صرف اس بات کی جانچ کرلے کہ واقعی اسلام کے شرعی احکام ایسے ہی ہیں یا نہیں ؟

اگر ثابت ہوجائے کہ ایسا ہی ہے، تو پھر صرف دو ہی راہیں گورنمنٹ کے سامنے ہونی چاہئیں :

یا مسلمانوں کیلیے انکے مذہب کو چھوڑدے اور کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے انکے مذہب میں مداخلت ہو اور وہ اپنے مذہبی احکام کی بنا پر برٹش گورنمنٹ کے خلاف ہونے پر مجبور ہو جائیں -

یا پھر اعلان کردے کہ اس کو مسلمانوں کے مذہبی احکام کی کوئی پروا نہیں ہے - نہ اس پالیسی پر قائم ہے کہ ان کے مذہب میں مداخلت نہوگی - اس کو صرف زیادہ سے زیادہ زمین چاہیے، زیادہ سے زیادہ حکومت چاہیے، موصل کے تیل کے چشمے چاہئیں، عراق کی زرخیز زمین کی دولت چاہیے، اور اسلامی خلافت کا خاتمہ، تاکہ دنیا میں اس کا کوئی اسلامی حریف باقی نہ رہے - اگر ایسا کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے مذہبی احکام متصادم ہوتے ہیں، تو ہوں - اگر انپر طرح طرح کے اشد فرائض عائد ہوجاتے ہیں، تو ہوا کریں - انکو ہر حال میں برٹش گورنمنٹ کا وفادار غلام بنا رہنا چاہیے، اگرچہ اسکی خاطر اپنے مذہب سے بھی دست بردار ہو جانا پڑے -

اسکے بعد مسلمانوں کیلیے بھی نہایت آسان ہوجائیگا کہ اپنا وقت بے سود شور و فغاں میں ضائع نہ کریں، اور برٹش گورنمنٹ اور اسلام، ان دونوں میں سے کوئی ایک بات اپنے لیے پسند کرلیں -



# باب

( نظــام عمــل )

# فصل

## ( مسلمانان هند اور نظام جماعت )

لیکن همارے لیے اصلی سوال اب یه نهیں رها هے که گورنمنٹ کو کیا کرنا تها؟ صرف یه هے که همیں کیا کرنا چاهیے ؟

اس بارے میں مسلمانوں کیلیے راہ عمل همیشه سے ایک هی رهی هے ' اور همیشه کی طرح اب بهی ایک هی هے - یعنی هندوستان کے مسلمان اپنی جماعتی زندگی کی اُس معصیت سے باز آجائیں جسمیں ایک عرصه سے مبتلا هیں ' اور جسکی وجه سے فوز و فلاح کے تمام دروازے انپر بند هوگئے هیں -

" جماعتی زندگی کی معصیت " سے مقصود یه هے که ان میں ایک " جماعت " بنکر رهنے کا شرعی نظام مفقود هوگیا هے - وہ بالکل اُس گلے کی طرح هیں جسکا انبوہ جنگل کی جهاڑیوں میں منتشر هوکر گم هوگیا هو - وہ بسا اوقات یکجا اکٹهے هوکر اپنی جماعتی قوت کی نمایش کرنی چاهتے هیں - کمیٹیاں بناتے هیں - کانفرنسیں منعقد کرتے هیں - لیکن یه تمام اجتماعی نمائشیں شریعت کی نظروں میں " بهیڑ " اور " انبوہ " کا حکم رکهتی هیں - " جماعت " کا حکم نهیں رکهتیں - " بهیڑ " اور جماعت " میں فرق هے - پہلی چیز بازاروں میں نظر آجاتی هے جب کوئی تماشه هورها هو - دوسری چیز جمعه کے دن مسجدوں میں دیکهی جا سکتی هے جب هزاروں انسانوں کی منظم و مرتب صفیں ایک مقصد ' ایک جهت ' ایک حالت ' اور ایک هی کے پیچهے مجتمع هوتی هیں -

شریعت نے مسلمــانوں کیلیے جهاں انفرادی زندگی کے اعمال مقرر کردیے هیں ' وهاں اُنکے لیے ایک اجتمــاعی نظام بهی قرار دیدیا هے - وہ کہتی هے که زندگی اجتماع کا نام هے - افراد و اشخاص کوئی شے نهیں - جب

کوئی قوم اس نظام کو ترک کردیتی ہے تو گو اسکے افراد فرداً فرداً کتنے ہی شخصی اعمال و طاعات میں سرگرم ہوں، لیکن یہ سرگرمیاں اس بارے میں کچھہ سود مند نہیں ہوسکتیں، اور قوم جماعتی معصیت میں مبتلا ہوجاتی ہے -

قرآن و سنۃ نے بتلایا ہے کہ شخصی زندگی کے معاصی کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کردیتے - اشخاص کی معصیت کا زہر آہستہ آہستہ کام کرتا ہے - لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا سم ( یعنی نظام جماعتی کا نہونا ) ایسا سم ہلاکت ہے جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری قوم کی قوم تباہ ہوجاتی ہے -

شخصی اعمال کی اصلاح و درستگی بھی نظام اجتماعی کے قیام پر موقوف ہے - مسلمانان ہند جماعتی زندگی کی معصیت میں مبتلا ہیں - اور جب جماعتی معصیت سب پر چھا گئی ہے تو افراد کی اصلاح کیونکر ہوسکتی ہے ؟

کتاب و سنۃ نے جماعتی زندگی کے تین رکن بتلائے ہیں :

تمام لوگ کسی ایک صاحب علم و عمل مسلمان پر جمع ہوجائیں ، اور وہ انکا امام ہو -

وہ جو کچھہ تعلیم دے ، ایمان و صداقت کے ساتھہ قبول کریں -

قرآن و سنت کے ماتحت اسکے جو کچھہ احکام ہوں ، انکی بلا چوں و چرا تعمیل و اطاعت کریں -

سب کی زبانیں گونگی ہوں - صرف اسی کی زبان گویا ہو - سب کے دماغ بیکار ہوجائیں - صرف اسی کا دماغ کار فرما ہو - لوگوں کے پاس نہ زبان ہو نہ دماغ - صرف دل ہو جو قبول کرے ، صرف ہاتھہ پاؤں ہوں جو عمل کریں !

اگر ایسا نہیں ہے ، تو ایک بھیڑ ہے ، ایک انبوہ ہے ، جانوروں کا ایک جنگل ہے ، کنکر پتھر کا ایک ڈھیر ہے ، مگر نہ تو " جماعت " ہے نہ " امت " - نہ " قوم " نہ " اجتماع " - اینٹیں ہیں مگر دیوار نہیں - کنکر ہیں مگر پہاڑ نہیں - قطرے ہیں مگر دریا نہیں - کڑیاں ہیں جو ٹکڑے ٹکڑے کردی جاسکتی ہیں ، مگر زنجیر نہیں ہے جو بڑے بڑے جہازوں کو گرفتار کرلے سکتی ہے -

کسی گذشتہ فصل میں بہ ضمن شرح حدیث حارث اشعری "جماعت" کی حقیقت پر بحث کی گئی ہے - اس موقعہ پر وہ پیش نظر رہے -

یہ وقت فصل کاٹنے کا تھا، نہ کہ دانہ ڈالنے کا - لیکن مسلمانوں نے اپنی جد و جہد کی تمام گذشتہ زندگی گم گشتگی و بے حاصلی میں ضائع کردی - حتی کہ سچ مچ وہ وقت آ گیا جسکی تباہیوں کا تخیل پیدا کرکے کبھی ڈرانے والے ڈرایا کرتے تھے: فقد جاء اشراطها - فانی لهم اذ جاءتهم ذکراهم ؟ (۴۷ : ۲۱) اب بھی اگر کام ہے تو یہی کام ہے اور عمل ہونا چاہئے تو اسی کا - سچے کام کے کرنے میں کتنی ہی دیر ہو جائے، مگر جب کبھی کیا جائے، سچائی ہے - اسکے لیے نہ تو کوئی وقت نامو افق ہے نہ کوئی جگہ مخالف - اسکے کرنے میں جسقدر دیر کی جائیگی، معصیت اور ہلاکی ہے - لیکن جب کبھی کردیا جائے، سچائی اور نیکی ہے، اور اُسکا ثمرہ زندگی اور کامرانی -

تمہاری سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ خاص خاص وقتوں میں خاص خاص کاموں کا نام سن پاتے ہو، اور پھر چیخنے چلانے لگتے ہو، اور جسطرح اونگھتا ہوا آدمی ایک مرتبہ چونک اُٹھتا ہے، بکایک اعتقاد اور عمل، دونوں تمہیں یاد آ جاتے ہیں - حالانکہ نہ تو خاص خاص وقتوں ہی میں تمہاری مصیبت وجود میں آتی ہے - نہ کامیابی کی راہ کسی خاص کام کے پڑ جانے پر موقوف ہے - تمہاری مصیبت دائمی، تمہارا ماتم ہمیشگی کا، تمہارا روگ تمہاری ہڈیوں کے اندر سمایا ہوا، اور تمہاری نحوست چوبیس گھنٹے تمہاری ساتھی ہے - اور ٹھیک اُسی کی طرح تمہاری کامیابی و خوشحالی بھی ہر وقت تمہارے سایے کے ساتھ ساتھ دوڑ رہی ہے - اور ہر آن و ہر لمحہ تمہارے وجود کے اندر سمائی ہوئی ہے -

تم وقت پر سامنے آجانے والی چیزوں کے غم میں کیوں گھلے جاتے ہو ؟ اپنا ہمیشہ کا معاملہ ایک مرتبہ درست کیوں نہیں کر لیتے ؟ جبتک دل و جگر کا علاج نہوگا، روز نئے نئے روگ لگتے رہینگے - خلافت کا مسئلہ کل سے سامنے آیا ہے، مگر تمہاری بربادی کا مسئلہ کل ہی سے نہیں شروع ہوا - پس تمہارا اصلی کام کوئی خاص مسئلہ اور کوئی خاص تحریک نہیں ہو سکتی - ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلیے صرف یہی ہے کہ " ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلمان بننا چاہیے، اور قوم و فرد، دونوں اعتباروں سے ٹھیک ٹھیک

اسلامی زندگی اختیار کرلینی چاھیئے" اس ایک کام کے انجام پانے پر سارے کام خود بخود انجام پا جائینگے - سوال حکومتوں کے نکل جانے کا نہیں ھے - ایمان کی گم گشتگی اور محرومی کا ھے :

درازی شب و بیداری من این همه نیست
زبخت من خبر آرید تا کجا خفتست !

اسی مسئلۂ خلافت کو دیکھو ! شرعی اور سیاسی ' دونوں پہلوؤں سے کسقدر اهم اور نازک معاملہ ھے ؟ اگر آج مسلمانوں میں اگلے ائمۂ و مشاهیر موجود ھوے' تو انمیں سے بھی ھر شخص زباں نہ کھولتا - کسی ایک صاحب نظر و عمل کے احکام پر سب کاربند ھو جاتے - لیکن اسکے مقابلہ میں آج تمهارا حال کیا ھو رہا ھے ؟ کمیٹیوں اور تجویزوں کی عادت برسوں سے پڑی ھوئی ھے - اسی قینچی سے اس پہاڑ کو بھی کترنا چاھتے ھو - ھر زبان تجویزیں پیش کر رھی ھے - ھر قلم امام و مجتہد کی طرح احکام نافذ کر رھا ھے - کوئی کچھہ کہتا ھے - کوئی کچھہ کہتا ھے - کوئی دھنے بلاتا ھے - کوئی بائیں - کیا اس طوائف الملوکی اور دھنی انارکی کے ساتھہ جو عالم فکر و نظر کا ایک پورا پورا غدر ھے ' یہ مہم سر ھوسکتی ھے ؟

شرعی پہلو سے مسئلہ کا یہ حال کہ ایک صاحب نظر و اجتہاد دماغ کی ضرورت ھے جسکا قلب کتاب و سنۂ کے معارف و غوامض سے معمور ھو - وہ اصول شرعیہ کو مسلمانان ھند کی موجودہ حالت پر' انکے توطن ھند کی حدیث العہد نوعیت پر' ایک ایک لمحہ کے اندر متغیر ھوجانے والے حوادث جنگ و صلح پر' ٹھیک ٹھیک منطبق کرے ' اور پھر تمام مصالح و مقاصد شرعیۂ و ملیہ کے تحفظ و توازن کے بعد فتوئ شرع صادر کرتا رھے - نہ ھر عالم اسکا اھل ھے - نہ ھر مدرسۂ نشین اس کا اسرار شناس -

سیاسی پہلو سے دیکھا جاے تو جو کام فوجوں اور حکومتوں کی طاقت سے انجام پا سکتا ھے ' اسکو تم صرف اپنی جماعتی قوت کے استعمال سے حاصل کرنا چاھتے ھو - پھر کسقدر نامرادی ھے کہ وہ قوت بھی ناپید ؟

بلاشبہ لوگوں میں احساس اور طلب کی کمی نہیں - نہ جوش و سرگرمی کی کمی ھے' اور یہ بڑی ھی قیمتی چیز ھے - لیکن اگر صحیح راہ عمل اختیار نہ کی گئی تو یہی بات سب سے زیادہ مضر بھی ھو جاسکتی ھے - جذبات کی مثال اسٹیم کی سی ھے - بغیر اسٹیم کے کچھہ نہیں ھوسکتا ' لیکن وہ بھی بغیر مشین اور سائق ( ڈرایور ) کے کچھہ نہیں کرسکتی - مشین اسکی

طاقت کو ترتیب دیتی اور ڈرائیور اس سے کام لیتا ھے - اگر یہ دونوں باتیں نہیں ھیں ' تو اس سے زیادہ کوئی خطرناک اور مہلک چیز بھی نہیں ھوسکتی - کاش وہ نہ ھوتی - وہ ٹرین کو منزل مقصود پر پہنچاتی ھے ' مگر انجنوں کو ٹکرا کر ھزاروں انسانوں کو ھلاک بھی کردیتی ھے !

" جذبات " اُسی وقت کام دے سکتے ھیں ' جب اُنکو مرتب کرے اور اُنپر حکم و قضاء کیلیے " ادراک " اور " دماغ " بھی موجود ھو - و ذلك من عمل الندوۃ ' و لکن لا یعقلها الا العالمون -

بہر حال اسوقت ' اور ھمیشہ سے ' اور ھمیشہ کیلیے ' " راہ عمل " یہی ھے کہ مسلمان سب سے پہلے اسلام کی جماعتی زندگی اختیار کرلیں - اسی پر مسئلۂ خلافت اسلامی کے بھی تمام مہمات و اعمال موقوف ھیں -

تمام مسلمانوں کو اُن ھمدردان ملت کا شکر گزار ھونا چاھیے جنھوں نے آل انڈیا خلافت کمیٹی کی بنیاد ڈالی اور تمام ملک میں اسکی شاخوں کے قیام کا سروسامان کیا - لیکن خلافت کمیٹی کا نظام مسلمانوں کو نظــام جماعتی و شرعی کے قیام سے مستغنی نہیں کردے سکتا - خلافت کمیٹی روپیہ جمع کریگی - ایجی ٹیشن جاری رکھیگی - تبلیغ و اشاعت کریگی - لیکن نہ تو وہ قوم کو سنبھال سکتی ھے ' نہ کمیٹیوں سے " جماعت " پیدا ھوسکتی ھے ' نہ شرعی نظام کی قائم مقامی ھوسکتی ھے - وہ خود احکام شرعیہ کے علم کیلیے ' اپنے قیام و تکمیل کیلیے ' دفع تفرقۂ و انتشار کیلیے ' اور روح اجتماع و قوام کے نفوذ کیلیے ایک بالاتر قوت حاکمۂ و نافذہ کی محتاج ھے - اور اگر وہ قوت نہیں ھے تو پھر اسکی ھستی بھی قائم نہیں رھسکتی -

نظام شرعی یہ نہیں ھے کہ ھر شخص فرداً فرداً سونچتا رھے کہ مسئلۂ خلافت کیلیے کیا کرنا چاھیے ؟ اور اخباروں میں آرٹیکل لکھے جائیں کہ عملی راہ کیا ھونی چاھیے ؟ اور نہ ھر شخص یا چند آدمیوں کی گڑھی ھوئی کمیٹی کو یہ حق ھے کہ لوگوں کو کسی خاص راہ کی طرف دعوت دینا شروع کردے - یہ کام صرف ایک صاحب نظر و اجتہاد کا ھے جسکو قوم نے بالاتفاق تسلیم کرلیا ھو - وہ وقت اور حالت پر اصول و احکام شریعت کو منطبق کریگا - ایک ایک جزئیۂ حوادث و واقعات پر پوری کار دانی و نکتہ شناسی کے ساتھہ نظر ڈالیگا ' اُمت و شرع کے اصولی مصالح و مقاصد اسکے سامنے ھونگے - کسی ایک گوشے ھی میں ایسا مستغرق نہوجائیگا کہ باقی تمام گوشوں سے بے پروا ھوجاے :

حفظت شیئاً و غابت عنك اشیاء !

سب سے بڑھکر یہ کہ اعمال مہمۂ امت کی راہ میں منہاج نبوت پر اسکا قدم استوار ہوگا ' اور ان ساری باتوں کے علم و بصیرۃ کے بعد ہر وقت ' ہر تغیر ' ہر حالت ' ہر جماعت کے لیے احکام شرعیہ کا استنباط کرسکے گا -

# فصل

زبان رنکتہ فرو ماند و راز من باقیست !
بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست !

عزیزان ملت ! اس طول طویل صحبت میں جو کچھہ بیان کیا گیا ' اُس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو میری زبان پر نئی ہو - یہ تمام وہی افسانۂ کہن ہے جو پچھلے دس سالوں سے برابر دھراتا رہا ہوں ' اور اگر " الہلال " و " البلاغ " کی پیہم صدائیں تمہارے حافظہ میں فراموش نہیں ہوگئی ہیں ' تو تم اُسکی تصدیق کروگے - تمہارے رہبروں اور پیشواؤں کی رائیں اور صدائیں کتنی ہی مضطرب و متزلزل رہی ہوں ' لیکن میری طرف دیکھو ! میں ایک انسان تم میں موجود ہوں جو دس سال سے صرف ایک ہی صداے دعوۃ بلند کر رہا ' اور صرف ایک ہی بات کی جانب تڑپ تڑپ کر بلا رہا اور لوٹ لوٹ کر پکار رہا ہوں - و لکن لا تحبون الناصحین ( ۷ : ۲۸ ) افسوس ! کہ تم حقیقی اور سچی بات کہنے والوں کو پسند نہیں کرتے - تم نمائش کے پجاری ' شور و ہنگامہ کے بندے ' اور وقتی جذبات و انفجار ہیجان کی مخلوق ہو - تم میں نہ امتیاز ہے نہ نظر - نہ تم جانتے ہو نہ پہچانتے ہو - تم جس قدر تیزی سے دوڑ کر آتے ہو ' آندی ہی تیزی کے ساتھہ فرار بھی کرجاتے ہو - تمہاری اطاعت جس قدر سہل ہے اور تمہاری ارادت جلدی سستی ' اُتنا ہی تمہارا انحراف آسان ہے ' اور اُسی نسبت سے تمہاری مخالفت بھی ارزان ہے - بس نہ تو تمہاری تحسین کی کوئی قیمت ' نہ تمہاری توہین کا کوئی وزن - نہ تمہارے پاس دماغ ہے نہ دل - وساوس ہیں جنکو تم افکار سمجھتے ہو ' خطرات ہیں جنکو تم عزائم کہتے ہو - خدا را بتلاؤ ! میں تمہارے ساتھہ کیا کروں ؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آج جن باتوں کے لیے تم رو رہے ہو ' یہ وہی باتیں ہیں جو ایک زمانے میں میری زبان سے فریاد کا اضطراب اور طلب

کی جبلج نلکر نکلتی تھیں' مگر تمھارے سینے کے اندر پتھر کا ایک ٹکرہ ہے'
اس سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آجاتی تھیں؟ اور تم نکفلم انکار و اعراض میں غرق تھے؟

تم نے ھمدشہ اعراض کیا - تم نے اعـــراض ھی نہیں کیا' بلکــــہ

---

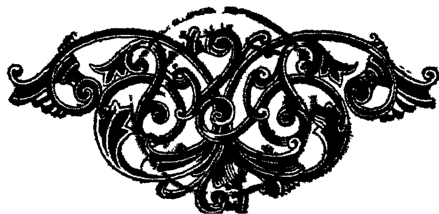
جعلوا اصابعھم فی آذانھم' و استغشوا ثیابھم' و اصروا' و استکبروا استکبارا [ ۷۱ : ۷ ] کی ساری سنتیں غفلت و انکار کی تازہ کردیں - میں نے تم میں سے ھر گروہ کو ٹٹولا - میں نے دلوں اور روحوں کا ایک ایک گوشہ چھان مارا - جب کبھی کوئی بھتر دیکھی' فریاد کی - جب کبھی انسانوں کو دیکھا اپنی طرف بلانا - لیکن فلم یزد ھم دعائی الا فـــرارا ( ۷۱ : ۶ ) بہت کم روحیں ایسی نکلیں جنکو حقیقت کا فہم ہو' اور بہت کم دل ایسے ملے جو طلب و عشق سے معمور ہوں - یہانتک کہ میں تمہاری آبادیوں سے الگ ہوکر رانچی کے گوشۂ قید و بند میں چلا گیا' اور خدا ھی بہتر جانتا ہے کہ وہاں بھی میری صبحیں اور میری شامیں کن فکروں اور کاموں میں بسر ہوتی رہیں - اب میں پھر تم میں واپس آ گیا ہوں - لیکن تمہاری بھیڑوں اور غولوں میں سچی جستجو کا چہرہ اُسی طرح مفقود ہے' جیسا کہ ہمیشہ سے مفقود رہا ہے - ابتک حقیقت شناسی کی کوئی گہرائی تم میں نظر نہیں آتی - تم مجھے بلاتے ہو کہ استقبال سے بھرے ہوے ریلوے اسٹیشنوں پر اُتارو' اور ایسے پرجوش انسانوں کے نعرے سناؤ جنکے ہاتھوں میں فتح مند فوجوں کی طرح جھنڈیاں ہوں' اور پھر اتنے انسان میری گاڑی کے چاروں طرف اکٹھے کردو کہ اُنکے ھجوم میں دو چار آدمیوں کا خون ہو جائے' مگر آہ! میں تمہاری ان بھیڑوں کو لیکر کیا کروں جب تمہارے دلوں میں سناٹا چھایا ہوا ہے' اور تمہارے اس جوش استقبال سے مجھے کیا خوشی ہو جب تمہاری روحیں موت کی افسردگی سے مرجھائی ہوئی ہیں - افسوس! تم میں کوئی نہیں جو میری زبان سمجھتا ہو - تم میں کوئی نہیں جو میرا شناسا ہو - میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تمہارے اس پورے ملک میں میں ایک بے یار و آشنا غریب الوطن ہوں:

مـــن بہر جمعیتے نالاں شــدم * جفت خوشحالاں و بد حالاں شدم
ہرکسے از ظن خــود شـــد یار من * وز درون من نہ جست اسرار من
سر من از نالۂ مـــن دور نیست * لیک کس را گوش آن منظور نیست

میری راہوں میں نہ کبھی "تبدیلی" ہوئی' نہ میرے سفر میں کبھی یمین و یسار کا تذبذب پیش آیا ہے - تبدیلیاں فکروں میں ہوسکتی ہیں'

قیاسوں میں ہوسکتی ہیں ' پولیٹکل حکمت عملیوں میں ہوسکتی ہیں ' انسانی تقلید اُسکا سرچشمہ ہے ' اور انسانوں اور قوموں کا ابداع اُسکا منبع ' لیکن اُن عقائد میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی جو وحی و تنزیل کی اٹل اور دائمی ہدایتوں سے ماخوذ ہوں - الحمد للہ کہ میں جو کچھہ کہتا اور کرتا رہا ' وہ میرے عقائد و معلومات تھے ' تمہارے بتوں کی طرح آراء و مظنونات نہ تھے - و ان الظن لا یغنی من الحق شیئا ( ۵۳ : ۲۸ ) اُسوقت تم میں سے اکثروں نے اعراض کیا ' بہتوں نے استہزاء کیا ' کتنوں ہی نے کہدیا کہ یہ تو ایک طرح کی مذہبی بدعت اور ما فوق الفطرۃ دعوؤں کا اعلان ہے : یرید ان یتفضل علیکم - بعضوں نے تو فیصلہ ہی کردیا کہ یہ صرف فصاحت و بلاغت کی ساحری اور ایک طرح کی ادیبانہ افسونگری ہے : اکتتبھا فھی تملی علیہ بکرۃ و اصیلا (۲۵ : ۵) لیکن دیکھو ! بالآخر رفتہ رفتہ سب نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں - سب اُسی راہ پر چل پڑے - بہتوں نے دانستہ ' اور بہتوں نے نادانستہ ' مگر راہ سب نے وہی اختیار کی - آج تم سب اُسی " ما فوق الفطرۃ دعوؤں " اور " ساحرانہ فصاحت طرازیوں " کو اپنا اصل الاصول بنائے ہوے ہو ' اور " قیام شریعت " اور " تقدیم و اتباع شریعت " اور " حفظ و دفاع ملت " کے ناموں سے موسوم کرتے ہو -

پس جبکہ یہ پہلا تجربۂ و مشاہدہ تمہارے سامنے ہے ' تو آج میں اعلان کرتا ہوں کہ دوسرے تجربہ کا وقت آگیا - راہ عمل کیلیے تمہارا رخ وہ ہے جسکی طرف تم دوڑ رہے ہو - اور میری راہ وہ ہے جسکی طرف پچھلے صفحوں میں بلا چکا ہوں - تم بارش کے وجود سے انکار تو نہیں کرتے ' مگر منتظر رہتے ہو کہ پانی برسنے لگ جاے تو اقرار کریں ' لیکن میں ہواؤں میں پانی کی بو سونگھہ لینے کا عادی ہوں ' اور صرف بادلوں ہی کو دیکھہ لینا میرے علم کیلیے کافی ہوتا ہے پس اگر پچھلا تجربہ بس کرتا ہے تو اس سے عبرت پکڑو ' اور اگر ابھی اور انتظار کرنا چاہتے ہو تو انتظار کر دیکھو : فستذکرون ما اقول لکم ' و افوض امری الی اللہ - ان اللہ بصیر بالعباد (۴۰ : ۴۷)






## جدول سنین خلافت اسلامیہ



| عدد | خلفاء | سنہ ہجری | سنہ مسیحی |
|---|---|---|---|
| ۱ | ابوبکر الصدیق ( رض ) | ۱۱ | ۶۳۲ |
| ۲ | عمر بن الخطاب ( رض ) | ۱۳ | ۶۳۴ |
| ۳ | عثمان بن عفان ( رض ) | ۲۳ | ۶۴۴ |
| ۴ | علی بن ابی طالب ( رض ) | ۳۵ | ۶۵۲ |
| | **سلسلۂ بنو امیہ** | | |
| ۵ | معاویہ بن ابی سفیان | ۴۱ | ۶۶۱ |
| ۶ | یزید بن معاویہ | ۶۰ | ۶۸۰ |
| ۷ | معاویہ بن یزید | ۶۴ | ۶۸۳ |
| ۸ | مروان بن الحکم | ۶۴ | ۶۸۳ |
| ۹ | عبد الملک بن مروان | ۶۵ | ۶۸۴ |
| ۱۰ | الولید بن عبد الملک | ۸۶ | ۷۰۵ |
| ۱۱ | سلیمان بن عبد الملک | ۹۶ | ۷۱۴ |
| ۱۲ | عمر بن عبد العزیز | ۹۹ | ۷۱۷ |
| ۱۳ | یزید بن عبد الملک | ۱۰۱ | ۷۱۹ |
| ۱۴ | ہشام بن عبد الملک | ۱۰۵ | ۷۲۳ |
| ۱۵ | الولید بن یزید بن عبد الملک | ۱۲۵ | ۷۴۲ |
| ۱۶ | یزید بن الولید | ۱۲۶ | ۷۴۳ |
| ۱۷ | ابراہیم بن الولید | ۱۲۶ | ۷۴۳ |
| ۱۸ | مروان بن محمد بن مروان | ۱۲۷ | ۷۴۴ |
| | **سلسلۂ عباسیہ** | | |
| ۱۹ | ابو العباس سفاح | ۱۳۲ | ۷۴۹ |
| ۲۰ | ابو جعفر منصور | ۱۳۷ | ۷۵۴ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ٢١ | المهدي بن منصور | ١٥٨ | ٧٧٤ |
| ٢٢ | الهادي بن المهدي | ١٦٩ | ٧٨٥ |
| ٢٣ | هارون الرشيد بن المهدي | ١٧٠ | ٧٨٦ |
| ٢٤ | محمد الأمين بن هارون | ١٩٣ | ٨٠٨ |
| ٢٥ | المأمون بن هارون | ١٩٨ | ٨١٣ |
| ٦٦ | المعتصم بن هارون | ٢١٨ | ٨٣٣ |
| ٢٧ | الواثق بن المعتصم | ٢٢٧ | ٨٤٢ |
| ٢٨ | المتوكل على الله بن المعتصم | ٢٣٢ | ٨٤٧ |
| ٢٩ | المستنصر بالله بن المتوكل | ٢٤٧ | ٨٦١ |
| ٣٠ | المستعين بالله بن المعتصم | ٢٤٨ | ٨٦٢ |
| ٣١ | المعتز بالله بن المتوكل | ٢٥٢ | ٨٦٦ |
| ٣٢ | المهتدي بالله بن الواثق | ٢٥٥ | ٨٦٩ |
| ٣٣ | المعتمد بالله بن المتوكل | ٦٥٢ | ٨٧٠ |
| ٣٤ | المعتضد بالله بن الموفق | ٢٧٩ | ٨٩٢ |
| ٣٥ | المقتدر بالله بن الموفق | ٢٩٥ | ٩٠٨ |
| ٣٦ | الراضي بالله بن المقتدر | ٣٢٢ | ٩٣٣ |
| ٣٧ | المقتفي بالله بن المقتدر | ٣٢٩ | ٩٤٠ |
| ٣٨ | المستكفي بالله بن المقتفي | ٣٣٣ | ٩٤٤ |
| ٣٩ | المطيع بالله بن المقتدر | ٣٤٣ | ٩٤٦ |
| ٤٠ | الطائع لله بن المطيع | ٣٦٣ | ٩٧٤ |
| ٤١ | القادر بالله بن المقتدر | ٣٨١ | ٩٩١ |
| ٤٢ | القائم بأمر الله بن القادر | ٤٢٢ | ١٠٣١ |
| ٤٣ | المقتدي بالله بن القائم | ٤٦٧ | ١٠٧٥ |
| ٤٤ | المستظهر بالله بن المقتدي | ٤٨٧ | ١٠٩٤ |
| ٤٥ | المسترشد بالله بن المستظهر | ٥١٢ | ١١١٨ |
| ٤٦ | الراشد بن المسترشد | ٥٥٩ | ١١٣٦ |
| ٤٧ | المقتفي بن المستظهر | ٥٣٠ | ١١٣٦ |
| ٤٨ | المستنجد بالله بن المقتفي | ٥٥٥ | ١١٦٠ |
| ٤٩ | المستضئ بنور الله بن المستنجد | ٥٦٦ | ١١٨٠ |
| ٥٠ | الناصر لدين الله بن المستضئ | ٥٧٥ | ١١٨٠ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۵۱ | الظاهر بالله بن الناصر | ۶۲۲ | ۱۲۲۵ |
| ۵۲ | المستنصر بالله بن الظاهر | ۶۲۳ | ۱۲۲۳ |
| ۵۳ | المستعصم بالله بن المستنصر | ۶۴۰ | ۱۲۴۳ |

عباسیۂ مصر

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۵۴ | المستنصر بالله | ۶۵۶ | ۱۲۵۸ |
| ۵۵ | الحاکم بامر الله | ۶۶۱ | ۱۲۶۲ |
| ۵۶ | المستکفي با لله | ۷۰۱ | ۱۳۰۱ |
| ۵۷ | الواثق با لله | ۷۴۰ | ۱۳۳۹ |
| ۵۸ | الحاکم بامر الله | ۷۴۲ | ۱۳۴۱ |
| ۵۹ | المعتضد با لله | ۷۵۳ | ۱۳۵۲ |
| ۶۰ | المتوکل علی الله | ۷۶۳ | ۱۳۶۱ |
| ۶۱ | الواثق بالله | ۷۸۵ | ۱۳۸۳ |
| ۶۲ | المستعین با لله | ۸۰۸ | ۱۴۰۱ |
| ۶۳ | المعتضد با لله | ۸۱۵ | ۱۴۱۲ |
| ۶۴ | المستکفی با لله | ۸۴۰ | ۱۴۴۱ |
| ۶۵ | القائم بامر الله | ۸۵۴ | ۱۴۵۰ |
| ۶۶ | المستنجد با لله | ۸۵۹ | ۱۴۵۴ |
| ۶۷ | المتوکل علی الله | ۸۸۴ | ۱۴۷۹ |
| ۶۸ | المستمسک با لله | ۹۰۳ | ۱۴۹۷ |
| ۶۹ | المتوکل علی الله | ۹۱۲ | ۱۵۰۶ |

سلسلۂ عثمانیہ

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۷۰ | سلیم خان اول | ۹۲۳ | ۱۵۱۷ |
| ۷۱ | سلیمان اول | ۹۲۶ | ۱۵۲۰ |
| ۷۲ | سلیم ثانی | ۹۷۴ | ۱۵۶۶ |
| ۷۳ | مراد ثالث | ۹۸۲ | ۱۵۷۴ |
| ۷۴ | محمد ثالث | ۱۰۰۴ | ۱۵۹۶ |
| ۷۵ | احمد اول | ۱۰۱۲ | ۱۶۰۴ |
| ۷۶ | مصطفی اول | ۱۰۲۷ | ۱۶۱۸ |
| ۷۷ | عثمان ثاني | ۱۰۲۷ | ۱۶۱۸ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۷۸ | مراد رابع | ۱۰۳۲ | ۱۶۲۳ |
| ۷۹ | ابراهیم اول | ۱۰۴۹ | ۱۶۴۰ |
| ۸۰ | محمد رابع | ۱۰۵۳ | ۱۶۷۴ |
| ۸۱ | سلیمان ثانی | ۱۰۹۹ | ۱۶۸۷ |
| ۸۲ | احمد ثانی | ۱۱۰۲ | ۱۶۹۱ |
| ۸۳ | مصطفی ثانی | ۱۱۰۶ | ۱۶۹۵ |
| ۸۴ | احمد ثالث | ۱۱۱۵ | ۱۷۰۳ |
| ۸۵ | محمود اول | ۱۱۴۲ | ۱۷۳۰ |
| ۸۶ | عثمان ثالث | ۱۱۶۸ | ۱۷۵۴ |
| ۸۷ | مصطفی ثالث | ۱۱۷۱ | ۱۷۵۷ |
| ۸۸ | عبد الحمید اول | ۱۱۸۷ | ۱۷۷۳ |
| ۸۹ | سلیم ثالث | ۱۲۰۳ | ۱۷۸۹ |
| ۹۰ | مصطفی رابع | ۱۲۲۲ | ۱۸۰۷ |
| ۹۱ | محمود ثانی | ۱۲۲۳ | ۱۸۰۸ |
| ۹۲ | عبد المجید | ۱۲۵۵ | ۱۸۳۹ |
| ۹۳ | عبد العزیز | ۱۲۷۷ | ۱۸۶۱ |
| ۹۴ | مراد خامس | ۱۲۹۳ | ۱۸۷۶ |
| ۹۵ | عبد الحمید ثانی | ۱۲۹۳ | ۱۸۷۶ |
| ۹۶ | محمد خامس | ۱۳۲۴ | ۱۹۰۸ |
| ۹۷ | امیر المومنین السلطان محمد خان سادس - خلدالله ملکه و شوکته | ۱۳۳۶ | ۱۹۱۸ |









مواعید و عہود

اس کتاب میں گورنمنٹ انگلستان و ہند کے جن وعدوں اور سرکاری اعلانات کی طرف جا بجا اشارہ کیا گیا ہے ' اُن میں سے بعض حسب ذیل ہیں :

( ۱ ) گورنمنٹ آف انڈیا کا اعلان جو ترکی کے شامل جنگ ہونے کے بعد ۲ - نومبر سنہ ۱۹۱۴ع کو شائع ہوا :

برطانیہ عظمی اور ترکی میں جنگ چھڑ گئی ہے - برطانیہ کو اسکا سخت افسوس ہے کہ یہ برے مشورے سے اور بلا کسی اشتعال کے اور خوب سونچ سمجھہ کر دولت عثمانیہ کی طرف سے عمل میں آئی ہے - لہذا ہز ایکسلنسی وایسراے ہند ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کے حکم کے مطابق عرب کے مقامات مقدسہ کے بارے میں جن میں عراق کے متبرک مقامات اور بندرگاہ جدہ بھی شامل ہے ' مندرجہ ذیل اعلان کرتے ہیں تا کہ ہز مجسٹی کی نہایت وفادار مسلم رعایا کو غلط فہمی پیدا نہو - اس جنگ میں مذہبی جنگ کا کوئی سوال ہی نہیں ہے -

ان مقامات مقدسہ اور بندرگاہ جدہ پر برطانی بری و بحری طاقتوں سے کبھی حملہ نہ ہوگا ' نہ ان کو ستایا جائیگا جب تک کہ حجاج و زائرین ہند سے جو ان مقامات مقدسہ میں جائیں ' کوئی چھیڑ نہ کی جاے - ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کی استدعا پر گورنمنٹ فرانس و روس نے بھی اسی طرح کا یقین دلایا ہے -

( ۲ ) ۵ - جنوري سنه ۱۸ ۱۹ء - مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے اپنی مشہور تقریر میں کہا

" هم اسلیے جنگ نہیں کر رہے هیں که ترکی کو اس کے دار الخلافه سے محروم کردیں - یا ایشیاے کوچک اور تھراس کے زرخیز و شہرۂ آفاق علاقے لے لیں جن میں ترکی النسل آبادی کا جزء غالب ہے -

هم اس بات کے بھی مخالف نہیں که جن علاقوں میں ترکی نژاد آبادي هے ' وهاں ترکوں کی سلطنت قائم رهے ' یا قسطنطنیه اس کا پایه حکومت هو - البته بحرۂ روم اور بحرۂ اسود کے درمیانی راسته کو بین الاقوامی ضبط و نگرانی میں دے کے بعد هماری راے میں عرب ' آرمینیا ' عراق ' شام ' اور فلسطین اپنی اپنی جداگانه قومی حکومتوں کے مستحق هیں "

وزیر اعظم نے یه جو کچھه کہا تھا ؟ کیا محض انکی ذاتی راے تھي جسکی ذمه داری صرف انهي پر عائد هوتی هے ' یا برطانیه کا سرکاری اعلان تھا ؟ اور اگر سرکاري اعلان تھا تو صرف وزارت اور اُسکی گورنمنٹ کا تھا ' یا تمام برٹش قوم اور امپائر کا ؟ اسکا جواب اُس تمہید سے ملتا هے جو اس تقریر کے ابتدا میں موجود هے :

" اس تمام بحث و گفتگو کے بعد جو قلمرو کے مختلف الخیال اور مختلف الراے طبقوں کے نمایندوں کے ساتهه هوئی هے ' میں خوشی سے اس بات کا اظہار کرتا هوں که آج میں جو کلمات کہونگا ' اُنکے لیے گو تنہا حکومت هي ذمه دار هوگی ' مگر همارے جنگی مقاصد ' شرائط صلح کي نوعیت ' اور اُسکي غرض و غایت کے متعلق میرے جو بیانات آپ سے اور آپکي معرفت تمام دنیا سے هونگے ' اُنسے تمام قوم متحد و متفق هے - میں دلیري کے ساتهه اس بات کا دعوی کرسکتا هوں که میں صرف گورنمنٹ کے ما فی الضمیر هی کي نہیں بلکه تمام قوم اور تمام قلمرو کی بحیثیت مجموعی ترجمانی کر رها هوں "

پھر ۲۶ - فروري سنه ۱۹۲۰ کو هاوس اف کامنز میں تقریر کرتے هوے اسي اعلان کي نسبت وزیر اعظم کہتے هیں :

" همارا وہ اعلان بہت وسیع المعنی تھا ' اور بہت کچھہ سونچ سمجھکر کیا گیا تھا - تمام جماعتوں کي مرضي کے مطابق تھا - مزدوروں کی جماعت بھي اُس سے متفق تھي "

( ۳ ) پریسیڈنت امریکہ مسٹر ولسن نے ۸ - جنوری سنہ ۱۹۱۸ - کو چودہ شرطوں کا اعلان کیا تھا جو نہ اتفاق عرقدین صلح کیلیے مبادي شرطیں قرار پائي تھیں - اُن میں بارھویں شرط یہ تھی :

" موجودہ سلطنت عثماني میں ترکي کا جو حصہ ھے ' اُسکو یقین دلایا جائیگا کہ اس کی وہ سلطنت محفوظ رھیگی - لیکن دوسری اقوام جو سلطنت ترکی کے زیر حکومت ھیں ' اُنکو بھی اسکا اطمینان دلادیا جاے کہ اُنکي جان و مال محفوظ ھے ' اور اُنکی ترقي میں کوئی رکاوٹ نہ ھوگي "

## ایفـــاء عہـــد

یہ وعدے جس طرح پورے کیے گئے ' اُنکي مختصر تفصیل یہ ھے .

( ۱ ) گورنمنٹ هند نے عراق پر حملہ کیا جس کا بڑا حصہ جزیرۂ عرب کے مقدس حدود میں داخل ھے -

( ۲ ) ۲۹ - نومبر سنہ ۱۹۱۴ - کو بصـــرہ پر قبضہ کیا گیا جو عراق کي بندرگاہ اور زیارت گاہ ھے -

( ۳ ) - ۲۲ - نومبر سنہ ۱۹۱۵ - کو عراق کی مشہور زیارت گاہ سلمان پاک پر حملہ کیا گیا جہاں حضرت سلمان فارسي ( رض ) کا مزار ھے -

( ۴ ) مارچ سنہ ۱۹۱۷ - کو بغداد پر قبضہ کیا گیا جو عراق کي مشہور زیارت گاہ ھے -

(۵) ۹ - دسمبر سنہ ۱۹۱۷ - کو بیت المقدس میں برطانوي فوجیں داخل ھوئیں اور انگریزي قبضہ کا اعلان کیا گیا ' جو اسلام کي مقدس زیارت گاہ اور تین مقدس مقامات میں سے ایک ھے -

(۶) ۵ - جون سنہ ۱۹۱۶ - کو خاص سرزمین حجاز میں سازش کی گئی اور شریف مکہ سے بغاوت کرائی گئی - اس بغاوت کی وجہ سے اس محترم دارالامن میں کشت و خون کا بازار گرم ہوا اور حدود حرم میں گولہ باری ہوئی -

( ۷ ) حسب تصریح نامہ نگار لندن ٹائمس بندرگاہ جدہ پر گولہ باری کی گئی -

( ۸ ) مبحر راس کے ہوائی جہازے عین مدینۂ طیبہ کی فضا میں چکر لگاے ( جیسا کہ ڈاکٹر ھاگرنھہ نے فروری سنہ ۱۹۲۰ - کو ٹاون ھال اکسفورڈ کی تقریر میں بیان کیا )

( ۹ ) کوفہ ' کربلاے معلیٰ ' نجف اشرف پر قبضہ کیا گیا جو عراق کی مشہور زیارت گاھیں ھیں -

( ۱۰ ) ترکی کو تھریس کے کل علاقہ سے مع ایڈریا نوپل کے محروم کردیا گیا جہاں مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی ھے -

( ۱۱ ) صلح نامہ ترکی کی دفعـــہ ۳۶ کے مطابق ترکی سے اس کے دار السلطنت کی خود مختــارانہ فرمان روائی بھی سلب کرلی گئی اور اس پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کردی ھیں -

( ۱۲ ) سمرنا جو ایشیاء کوچک کا مشہور زر خیز مقام ھے ' ترکی سے علحدہ کردیا گیا - وہاں کی مسلمان آبادی پر یونانیوں نے اس قدر ظلم و ستم کیے کہ بے شمار جانیں ھلاک و تباہ ہوگئیں اور ھو رھی ھیں -

( ۱۳ ) صلح نامہ کی شرائط نے بقیہ ایشیاء کوچک کے مالی اور ھر طرح کے فوجی اختیارات کی خود مختاری سے بھی ترکی کو محروم کردیا ھے - وہ ایک محدود تعداد سے زیادہ فوج نہیں رکھہ سکتی - چند چھوٹے جنگی جہازوں کے علاوہ کوئی بحری قوت حاصل نہیں کرسکتی - اپنی عیسائی رعایا پر اسے کوئی اختیار نہیں رہا - اس کی حیثیت بالکل ایک ماتحت ریاست کی سی ہوگئی ھے جو براے نام پادشاہت سے ملقب کردی گئی ھو -

( ۱۴ ) صلح نامہ کی دفعہ ۳۹ - کے بموجب سلطان المعظم کے وہ تمام دینی و اسلامی اختیارات سلب کرلیے گیے ھیں جو بحیثیت خلیفۃ المسلمین انہیں حاصل تھے ' اور جن کے الگ کردینے کے بعد خـــلافت کا وجود ھی باقی نہیں رہتا - اس دفعہ کا منشاء یہ ھے کہ :

" حکومت ترکی اپنے اُن تمام اختیارات سے
جو حکم برداری کے با دوسری طرح کے مسلمانوں پر
رکھتی ہے ' بالکل دست بردار ہوتی ہے "

" ترکی بلا واسطہ یا بالواسطہ کسی طرح کے اختیارات
اُن ممالک پر نہ رکھیگی جو ترکی سے علحدہ ہوگئے ہیں "

حالانکہ شرعاً منصب خلافت کے معنی ہی یہ ہیں کہ تمام دنیا کے مسلمانوں اور تمام دنیا کی اسلامی حکومتوں پر اسکو ایک بالا تر اختیار حاصل ہو ' اور وہ تمام اسلامی دنیا میں ایک مرکزی اسلامی اقتدار کی حیثیت رکھے - لیکن اس دفعہ نے ترکی کو ان تمام اختیارات خلافت سے محروم کردیا ' اور اسلامی خلافت اپنے کامل معنوں میں پارہ پارہ ہوگئی -

( ۱۵ ) شام کو ترکی سے الگ کرکے آزادی نہیں دی گئی بلکہ فرانس کی حکم برداری و بالادستی ماننے پر مجبور کیا گیا - شام کی تمام آبادی انسانیت و صداقت عہد کے نام پر فریاد کرتی رہی اور فرانس کی فوجوں نے اُس پر جبراً قبضہ کرلیا -

( ۱۶ ) عراق کی آبادی کو خود مختاری و آزادی نہیں دی گئی بلکہ برطانیہ نے اُسکی حکم برداری کا دعویٰ کیا اور اسپر اپنا قبضہ قائم رکھا - وہاں کی آبادی ایفاے عہد کا مطالبہ کرتے کرتے مایوس ہوگئی اور اب بزور شمشیر اپنا حق حاصل کرنے کے لیے اٹھہ کھڑی ہوئی ہے - اب اُنکو "باغی" کہا جارہا ہے - حالانکہ اگر برطانیہ کے اعلانات سچے تھے ' اور اسکی فوجیں " رعایا " بنانے کے لیے نہیں بلکہ آزاد کرانے کیلیے گئی تھیں ' تو وہ " باغی " کیونکر ہوسکتے ہیں ؟ بغاوت کا اطلاق رعایا کی شورش پر ہوتا ہے - نہ کہ کسی آزاد جماعت کی شمشیر زنی پر -

( ۱۷ ) یہ تمام نتائج صلح نامہ ترکی کے ہیں - لیکن قبل اسکے کہ ترکی اپنی مرضی اور آزادی کے ساتھہ صلح کرے ' برٹش فوجوں نے دار الخلافت قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا ' اور خلیفۃ المسلمین کی حیثیت بالکل ایک نظربند قیدی کی سی ہوگئی - اس قبضہ کی وجہ سے اسلام کے دار الخلافت میں جو درد انگیز واقعات و حوادث پیش آے ' اور عثمانی خلافت عظمیٰ کی متصل پانچ صدیوں میں پہلی مرتبہ جو توہین ہوئی ' اُسکی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں - یہ وہ سلوک ہے جو نہ تو جرمنی کے ساتھہ کیا گیا ' نہ آسٹریا کے ساتھہ ' اور نہ کسی دوسرے فریق جنگ کے ساتھہ -

# اعتذار

براہ عنایت پہلے ان اغلاط کی تصحیح کرلیں ، پھر مطالعہ فرمائیں -

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|
| ۱ | ۱۴ | وعیرہ دلک | وغیر ذلک |
| ۵ | ۱۳ | خلفه | خلیفه |
| ۱۱ | ۱۰ | الامرء | الامر |
| ۱۸ | ۲۲ | فکر و نطر | فکر و نظر سے |
| ۱۹ | ۳ | هر دور | هر دور |
| ۲۵ | ۹ | پس جو شحص | جو شخص |
| ۳۳ | ۱۹ | قوتوں کے | قوتوں کو |
| ۳۶ | ۱۵ | سمجھتے | سمجھتے هو |
| ۳۸ | ۲۴ | Selectian | Selection |
| ۷۱ | ۱۰ | عدارت | عدارت |
| ۷۲ | ۲۸ | گئے | گئے تھے |
| ۸۲ | ۲۵ | تریة | توبه |
| ۱۲۳ | ۱۲ | Couflict | Conflict |
| " | " | Religiuon | Religion |
| " | ۱۳ | Seince | Science |
| " | ۲۰ | Dalambert | Dalembert |
| ۱۵۰ | ۲۵ | کی کو جرأت | کی جرأت |
| ۱۰۸ | ۷ | روایت | رأیت |
| ۱۵۶ | ۳ | میں میں | میں |
| ۱۹۲ | ۱۰ | چلي | چلپی |
| ۱۹۳ | ۲ | جو حصول | که حصول |
| " | ۹ | فراموش | یکقلم فراموش |
| " | ۸ | ارر | اور |
| " | ۹ | نهیں رها | نه رها |
| " | ۱۹ | یکفی | یکعی |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۹۵ | ۱ | هے هوتا | هوتا هے |
| ۱۹۹ | ۱ | هو ؟ | هوں |
| ۱۷۰ | ۳ | دریا | دریا |
| ۱۸۱ | ۲۵ | Wustenfeld | Westenfeild |
| ۱۸۸ | ۲۸ | کے لئے | کیلیے |
| ۱۹۹ | ۱۵ | سطانا | سلطانا |
| ۲۰۰ | ۸ | معهم | معه |

(۱) صفحه ۳۲ - سطر ۲۷ میں " هجرة " کے معني " الهجر و الهجران مفارقة الانسان غیره " الخ نقل کیے هیں - یه عبارت مفردات راغب اصفهانی کی هے -

(۲) صفحه ۶۸ میں هے " فصل : من حمل علینا السلاح فلیس منا " در اصل یه فصل نهیں بلکه ایک مستقل باب هے - صحیح یوں هے " باب : حکم حمل سلاح علي المسلم " پهر اسکے بعد اس باب کي پهلی فصل هے " من حمل علینا " الخ -

(۳) صفحه ۸۶ میں فصل هے " واقعه امام حسین علیه السلام " اسکو باب حمل سلاح سے پہلے پڑھنا چاهیے - غلطي سے اسکے بعد درج هوگئی -

(۴) صفحه ۲۱ سطر ۴ - میں حدیث هے " اذا اصلحت ' صلحت کلها ' و اذا فسدت ' فسدت کلها " لیکن امام بخاري کے الفاظ یه هیں " اذا صلحت ' صلحت الجسد کله ' و اذا فسدت ' فسدت الجسد کله - الا ' وهی القلب ! "

(۵) صفحه ۲۱۵ سلسله عباسیه کے جدول سنین میں نمبر ۳۳ کا سنه هجری ۹۵۴ کے بجاے ۹۵۶ - نمبر ۳۶ کا سنه هجري ۵۵۹ کے بجاے ۵۲۹ اور سنه مسیحي ۱۱۳۶ کے بجاے ۱۱۳۵ - اور نمبر ۳۹ میں سنه مسیحي ۱۱۸۰ کے بجاے ۱۱۷۰ پڑھیے -

Printed and published by F. D. Ahmed-Mirza
at the "Albalagh" printing & publishing House
45, Ripon Lane, Calcutta.

(2nd Edition, October 1920)

# اخرجوا اليهود والنصارى من جزيرة العرب (الحديث)

دمشق
بغداد
طہران
اصفہان
الربع الخالی
نجران
حضرموت